پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اسلامیات)

مقالہ نگار:

عظمیٰ بیگم

gs\Administra
Documents\My
Pictures\numl_logo.jpg
not found.

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

۲۰۰۸ء

پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات

مقالہ نگار

عظمیٰ بیگم

ایم ۔اے (اسلامیات) آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی ،مظفر آباد میرپور کیمپس،۲۰۰۲ء

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اسلامیات)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

(اسلامیات)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز ،اسلام آباد

جون ۲۰۰۸ء

(c) عظمیٰ بیگم،۲۰۰۸ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات**

پیش کار: **عظمیٰ بیگم** رجسٹریشن نمبر: 120-Ph.D/is/2003 (Jan)

ڈگری کا نام: ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: علوم اسلامیہ

ڈاکٹر سید علی انور
(نگرانِ مقالہ)

(مقالے کے نگران کے دستخط)

ڈاکٹر شذرہ منور
(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر)

(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کے دستخط)

بریگیڈیر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان
(ریکٹر)

(ریکٹر کے دستخط)

جون 2008

اقرار نامہ

میں، عظمیٰ بیگم حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر سید علی انور صاحب کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

ڈاکٹر سید علی انور
نگران مقالہ

عظمیٰ بیگم
مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۰۸ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
فہرست ابواب	iv
مقالے کا دائرہ کار	vii
Abstract	viii
مقالے کا مقصد	ix
طریق تحقیق	xii
اظہار تشکر	xiii
باب اوّل: علمی خدمات	۱
فصل اول: علم قرآن میں خواتین کی خدمات	۳
فصل دوم: علم حدیث میں خواتین کی خدمات	۱۸
فصل سوم: علم فقہ میں خواتین کی خدمات	۵۶
فصل چہارم: علم اسرار الدین میں خواتین کی خدمات	۷۰
فصل پنجم: عبادات میں خواتین کی خدمات	۷۷
☆ حوالہ جات	۹۱
باب دوم: مذہبی خدمات	۱۰۵
فصل اول: دعوت وتبلیغ میں خواتین کی خدمات	۱۰۷
فصل دوم: نکاح میں خواتین کی خدمات	۱۱۹
فصل سوم: افعال حج میں خواتین کی خدمات	۱۲۸
فصل چہارم: بدعات کے استحصال میں خواتین کی خدمات	۱۳۳
☆ حوالہ جات	۱۴۴

باب سوم: معاشرتی خدمات ۱۵۲

فصل اول: شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت اور رضا جوئی میں خواتین کی دینی خدمات ۱۵۳

فصل دوم: شوہر کی محبت و خدمت میں خواتین کی دینی خدمات ۱۶۸

فصل سوم: محبت اولاد اور بہن بھائی سے محبت میں خواتین کی دینی خدمات ۱۷۹

فصل چہارم: صدقہ خیرات میں خواتین کی دینی خدمات ۱۹۵

فصل پنجم: صلہ رحمی میں خواتین کی دینی خدمات ۱۹۹

☆ حوالہ جات ۲۰۳

باب چہارم: جہادی خدمات ۲۰۹

فصل اول: جہاد بالسیف میں خواتین کی دینی خدمات ۲۱۱

فصل دوم: جہاد بالجسم میں خواتین کی دینی خدمات ۲۳۰

فصل سوم: جہاد بالنفس میں خواتین کی دینی خدمات ۲۴۴

☆ حوالہ جات ۲۶۶

باب پنجم: اخلاقی خدمات ۲۷۲

فصل اول: ایثار و فیاضی میں خواتین کی دینی خدمات ۲۷۲

فصل دوم: مخالف سے انتقام نہ لینے میں خواتین کی دینی خدمات ۲۸۲

فصل سوم: صبر و ثبات میں خواتین کی دینی خدمات ۲۹۰

فصل چہارم: زہد و تقشف میں خواتین کی دینی خدمات ۳۳۰

☆ حوالہ جات ۳۴۳

باب ششم: اطاعت رسول کریم ﷺ ۳۵۰

فصل اول: حمایت وخدمت رسول کریمؐ میں خواتین کی دینی خدمات ۳۵۱

فصل دوم: پابندی احکام رسول کریمؐ میں خواتین کی دینی خدمات ۳۶۳

فصل سوم: محبت رسول کریمؐ میں خواتین کی دینی خدمات ۳۷۹

☆ حوالہ جات ۴۱۵

باب ہفتم نتائج بحث ۴۲۳

خلاصہ ۴۲۳

سفارشات وتجاویز ۴۲۸

خلاصہ بحث ۴۳۱

کتابیات ۴۴۶

مقالے کا دائرہ کار

یہ مقالہ سات (۷) ابواب پر مشتمل ہے جن میں پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مقالے کا آغاز خواتین کی علمی خدمات سے ہوتا ہے پھر خواتین کی مذہبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد معاشرتی خدمات کو بیان کیا گیا ہے۔ جہادی خدمات اور اخلاقی خدمات بھی شامل مقالہ ہیں اور اطاعت رسول کریمؐ میں خواتین کی دینی خدمات کو بھی تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں نتائج بحث، سفارشات وتجاویز پیش کی گئی ہیں۔

ABSTRACT

This thesis is spread over six chapters wherein the religious services of women in the First Century Hijri have been discussed. It commences from the educational services of the women and then some light has been thrown over the religious services and then social inter-action has been narrated. Their struggle i.e jehad against infidels and virtues of excellent behaviour are also included in the essay. Besides, their religious endeavours have also been discussed in detail in the obeyance of the Holy Prophet (PBUH).

Lastly the result of discussions, suggestions and re-commendations have been presented.

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

مقالے کا مقصد

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ علی سیّدنا محمد و آلہ و اصحابہ

کسی بھی قوم کی خواتین کا اس قوم کی تعلیم وتربیت میں جو حصہ ہوتا ہے وہ کسی تشریح و بیان کا محتاج نہیں۔ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی درسگاہ اور تربیت گاہ ہوتی ہے۔یہ ایسی مؤثر درسگاہ ہے کہ یہاں کا سیکھا ہوا سبق ذہن و قلب پر پتھر کے نقش سے بھی زیادہ دیرپا ہوتا ہے اور ساری عمر نہیں بھولتا۔

عورت جو قبل از اسلام مرتبۂ انسانیت سے گرا دی گئی تھی اس کا وجود باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا اور اس کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردینا معمولی فعل سمجھا جاتا تھا۔اسلام نے عورت کو ہر لحاظ سے مقام و مرتبہ دیا اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت سوسائٹی میں وہی مقام و مرتبہ رکھتی ہے جو ایک مرد کو حاصل ہے۔اسلام نے عورت کو اس کے حقوق سے آشناء کیا۔کسی زمانے میں علم اس کے لیے شجر ممنوعہ تھا لیکن اسلام نے اسے علم کی دولت سے مالا مال کیا اور تہذیب و شائستگی و سلیقہ مندی کی بدولت نہ صرف مقتدر طبقہ بلکہ پورے معاشرے میں اسے خاصا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا۔

اگرچہ خواتین کی دینی خدمات پر خاصا کام ہو چکا ہے مگر اب بھی بہت کچھ ہونا باقی ہے چنانچہ خواتین اسلام کی خدمات پر تحقیق کی غرض سے میرے تحقیقی مقالے کا موضوع ''پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات'' ٹھہرا۔زیر نظر موضوع ''پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات'' میں دراصل یہ تحقیق کرنی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں خواتین نے کون کون سے میدانوں میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات کو احاطۂ تحریر میں لایا جائے تو اس کے لیے ہزاروں کتابوں کا تصنیف کیا جانا ممکن ہے تاہم میں نے پوری کوشش کرتے ہوئے موضوع کی تحقیق کے لیے سات ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں تاکہ ان روشن کوششوں کو سامنے لایا جانا ممکن ہو سکے۔

باب اول: علمی خدمات:

''علم مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں سے ملے اسے لے لو''۔حضرت علیؓ کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے آغاز خواتین اسلام کی علمی خدمات سے کیا ہے۔حضورؐ ناطق قرآن تھے اور ازواج مطہراتؓ نے خود حضورؐ سے قرآن سیکھا۔چنانچہ کون سی آیت کس موقع پر اتری، آیات اور سورۂ ہائے قرآن کی شان نزول آیات

قرآنی کی وضاحت میں خواتین کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔دین کا فہم بھی خواتین اسلام کو بخوبی تھا۔علم قرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم اسرار الدین اور عبادات میں پہلی صدی ہجری میں خواتین کے ہاتھوں کیا کیا کارنامے سرانجام پائے اس کا بیان ہے۔

باب دوم: مذہبی خدمات:

اللہ نے دین اسلام کو اپنے بندوں کے لیے پسند کرلیا۔اب اس دین کو دیگر لوگوں تک پہنچانا امت محمدیہ کا فرض ہے لہذا پہلی صدی ہجری کی خواتین بھی اپنے اس منصب جلیلہ سے ناواقف نہ تھیں۔انہوں نے بھی دین کو دیگر لوگوں تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کیا لہذا ان خدمات کو ہم نے قلم وقرطاس کے ذریعے سامنے لایا ہے چنانچہ جہاں کہیں دعوت وتبلیغ کی ضرورت ہوتی تو خواتین میدان عمل ہوتیں۔اس کے علاوہ نکاح، افعال حج اور بدعات کے استحصال میں خواتین اسلام کی کیا خدمات ہیں، س کے حوالے سے تحقیقی کام بھی شامل کیا گیا ہے۔

باب سوم: معاشرتی خدمات:

اقبال نے کہا تھا ”وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ“ چنانچہ پہلی صدی ہجری کی خواتین نے ثابت کردکھایا کہ واقعی تصویر کائنات میں رنگ انہی کی بدولت ہے۔جب شوہر کے مال واسباب کی حفاظت اور اس کی رضاجوئی میں خواتین کے کردار پر روشنی پڑی نیز شوہر کی محبت وخدمت، محبت اولاد اور بہن بھائی سے محبت، صدقہ وخیرات، اور صلہ رحمی میں وہ کس طرح پیش پیش رہیں شامل مقالہ ہے۔

باب چہارم: جہادی خدمات:

تحقیقی کام کا چوتھا حصہ خواتین اسلام کی جہادی خدمات کا احاطہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح خواتین نے جہاد بالسیف، جہاد بالجسم اور جہاد بالنفس میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔خواتین اسلام نے اپنے شوہر، فرزند اور برادر میدان جنگ میں قربان کیے اور خود بھی میدان جنگ میں بھرپور حصہ لے کر ثابت کردکھایا کہ وہ کسی بھی میدان میں مردوں سے کم نہیں ہیں۔

باب پنجم: اخلاقی خدمات:

یہ باب خواتین اسلام کے اخلاقی خدمات کو نمایاں کرتا ہے کہ انہوں نے رسالت محمدی کو اپنے لیے مشعل راہ جانتے ہوئے اپنا اوڑھنا اور بچھونا اخلاق رسول ﷺ کو بنالیا اور پھر کبھی ان سے وہ فعل سرزد نہ ہوا جس سے اجتناب کرنے کا نبی کریم ؐ نے حکم دیا اور پھر کبھی اس عمل سے پیچھے نہ ہٹیں، جس پر چلنے کو حضورؐ نے کہا۔چنانچہ اس باب میں ایثار و فیاضی، مخالف سے انتقام نہ لینا، صبر وثبات اور زہد وتقشف میں خواتین کی دینی خدمات کو شامل کیا گیا ہے۔

باب ششم: اطاعت رسول کریم ﷺ:

حضورؐ کی اطاعت کے حوالے سے خواتین کے شعار کو ظاہر کرتا ہے۔ خواتین میں چونکہ حضورؐ کی ازواج مطہرات بھی شامل ہیں لہذا خود ان کا احوال کہ انہوں نے کس طرح حمایت و خدمت رسول کریم ﷺ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ رسول اللہؐ کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ باقی صحابیات بھی حضورؐ کے احکامات کی پابندی کرتی تھیں اور ہر وہ فعل کرتیں جس میں رسول کریمؐ کی رضامندی شامل ہوتی کا بالتفصیل ذکر ہے۔

مقالے کی ضخامت موضوع کی مناسبت سے ہے تا کہ ہر نقطہ وضاحت اور صراحت سے بیان ہو۔ دوران تحقیق مجھے بہت سی مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے موضوع کی تحقیق کے لیے بنیادی مراجع و مصادر کی ضرورت تھی۔ ان کتب تک رسائی اور ان کتب کے بارے میں رہنمائی کے لیے مجھے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کئی لائبریریوں کے چکر کاٹنا پڑے۔ کشمیر جیسی پسماندہ جگہ میں رہنے کی وجہ سے اس موضوع پر تحقیق کرنا بہت ہی مشکل کام تھا کیونکہ وہاں لائبریری نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور جو کچھ تھوڑا بہت مواد کالج کی کسی لائبریری سے دستیاب ہوسکتا تھا وہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے نے تباہ کردیا۔

اگرچہ خواتین پر بہت سارا تحقیقی کام ہو چکا ہے لیکن پی ایچ ڈی کی سطح پر ان کی خدمات کو سامنے نہیں لایا گیا۔ میرا مقالہ اس سلسلے میں پہلا ٹھوس اور ہمہ جہت کام ہوگا۔ اس مقالے کی تحریر و تکمیل سے پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات کھل کر سامنے آئیں گی اور میرے اس مقالے کا مقصد بھی پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات کو عام فہم انداز میں تمام اصل مصادر و ثانوی مصادر کی روشنی میں لوگوں کے سامنے لانا ہے۔ اس مقالے کا ایک مقصد آئندہ خواتین کی خدمات پر کام کرنے والوں کے لیے راہیں ہموار کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی وضاحت کرنا چاہتی ہوں کہ پہلی صدی ہجری میں خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے میں نے ان کو زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ سب کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔

اس مقالے کی افادیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات کے ہر پہلو کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس سے قبل ان کے کسی ایک پہلو کو موضوع بنایا گیا جو اگرچہ محمود ہے لیکن ناکافی ہے۔

طریقہ تحقیق

اس مقالے کی تکمیل کے دوران بیانیہ اوراطلاقی طریقہ تحقیق اپنایا گیا ہے اور درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۱۔ دوران تحقیق حتیٰ المقدور بنیادی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ مطالعہ کتب کے لیے مندرجہ ذیل لائبریریز اور ریسرچ سنٹرز سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ لائبریری: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد۔

☆ لائبریری: اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد۔

☆ لائبریری: اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد۔

☆ کنٹونمنٹ لائبریری، راولپنڈی۔

☆ میونسپل کارپوریشن لائبریری، راولپنڈی۔

☆ پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات کے سلسلے میں ویب سائٹ کے لیے اور آن لائن لائبریریز کے لیے انٹرنیٹ کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

☆ دوران تحقیق مختلف مسائل کے حل کے لیے ماہرین علم و تحقیق سے مشاورت کی گئی اور ان کی آراء سے استفادہ بھی حاصل کیا گیا ہے۔

اظہارِ تشکّر

''پہلی صدی ہجری میں خواتین کی دینی خدمات'' ایسا وسیع موضوع ہے کہ اس کو سمیٹنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی مانند ہے جو کہ میرے بس کی بات نہ تھی لیکن دوران تحقیق مجھے ہر سطح پر اپنے نگران محترم ڈاکٹر سید علی انور صاحب کی معاونت حاصل رہی۔ انہوں نے تحقیق کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر سطح پر میری رہنمائی کی۔ اس کی تحقیق میں جو عرق ریزی ہے اس کی روشنی میں انہوں نے نہایت مشفقانہ اور عالمانہ انداز میں میرے مقالے کی تکمیل میں مجھے ہر موڑ پر گائیڈ کیا۔

میں اپنے پرنسپل، محترم جناب ڈاکٹر اسحاق خان کی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تیاری اور پایۂ تکمیل کے ضمن میں میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ میں الدعوہ اکیڈمی، کنٹونمنٹ لائبریری، نیشنل لائبریری اسلام آباد کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے ان لائبریریوں سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع دے کر مقالے کی ترتیب و تحقیق میں میری معاونت فرمائی۔

اس کے علاوہ میں اپنے والد محترم، والدہ مرحومہ، اعجاز بھائی، تنویر بھائی اور میری بہن ناظمہ خاص طور پر اپنے شوہر ڈاکٹر سلطان محمود کی مشکور ہوں جنہوں نے اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر میرے ساتھ اس تحقیق کے انتھک کام میں تعاون کیا اور میں ڈاکٹر منظور، محمد داؤد خان، نصیر احمد عباسی، محمد عباد کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس تحقیقی مواد کو مقالے کی شکل میں ڈالنے کے لیے مجھ سے تعاون کیا۔

آخر میں اللہ بزرگ و برتر سے دعا گو ہوں کہ اللہ اس مقالے کو میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین)

طالبِ دُعا

عظمیٰ بیگم

باب اوّل

علمی خدمات

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی اور اسے اس کرۂ ارض پر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔جب انسان کو زمین پر اتارا گیا تو دنیا میں اس کی زندگی کی بقاء کے لیے رب ذوالجلال نے اپنی بے شمار نعمتیں بھی عطا کیں۔ان نعمتوں میں پانی (جس کے بغیر انسانی بقاء ناممکن تھی) ہوا، روشنی اور حرارت کا انتظام کیا گیا ۔موسم بنائے گئے ۔ انسان کا پیٹ بھرنے کے لیے مختلف اقسام کی اجناس اور پھلوں کو پیدا کیا گیا۔غرض یہ کہ دنیا میں انسان کے ساتھ جو شے بھی بنائی گئی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے بنائی تاکہ وہ ان نعمتوں سے فیض یاب ہو سکے اور ان نعمتوں سے فیضیاب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی تاکہ وہ اس عقل کا استعمال کر کے اندھیروں سے روشنی کی طرف قدم رکھے۔

شروع میں انسان جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اگر اس انسان کو عقل کے ساتھ علم نہ دیا گیا تو انسان رہتی دنیا تک اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا اسی لیے انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف ادوار میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے۔ان کا مقصد انسانوں کو علم کی روشنی سے روشناس کرانا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ انسان علم سے فیض یاب ہونے لگا۔ اسے معلوم ہوا کہ دنیا کے بنانے کا کیا مقصد ہے۔تورات ، زبور، انجیل میں علم کے فضائل بتائے گئے ۔لوگوں کو زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ بتائے گئے یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید اتاری تاکہ آپؐ لوگوں کو علم کے نور سے منور کریں۔

معاشرے کے مسائل سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمیں علم پر مکمل دسترس ہو اور یہی وجہ ہے کہ آج جتنی قومیں ترقی کر رہی ہیں ان کی ترقی اسی علم کی مرہون منت ہے۔ان اقوام نے علم کی دولت کو غنیمت سمجھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں تک رسائی حاصل کر لی۔علم ہی کی بدولت آج انسان کہاں سے کہاں تک پہنچا ہے۔

قرآن پاک علم کا سمندر ہے۔مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ان کے لیے کسی بھی موضوع پر

اس کتاب میں ہدایت اور بھلائی مل سکتی ہے۔اگر ہم اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تو ہم تمام مسائل کا حل بآسانی ڈھونڈ سکتے ہیں۔ یہی ہمارے لیے راہنما ہے اور اسی پر چل کر ہم اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

علم ہی کی بدولت مسلمانوں نے دین کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔علم کی خدمت کے حوالے سے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا کردار قابل ذکر ہے۔انہوں نے دین کے علم کو اس حد تک حاصل کیا کہ وہ رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے نمونہ ہے۔قرآن پاک میں جتنی ہدایات دی گئی ہیں وہ ان پر عمل پیرا ہوئے اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ دنیا سے جہالت کو مٹانے کے لیے کوشاں رہے۔

انہوں نے دین کے معاملے میں جو خدمات دی ہیں وہ اس مقالے میں بیان کی گئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ پہلی صدی ہجری کی خواتین جن میں بہت بڑے بڑے نام ملتے ہیں نے دین کے مسئلے میں بے بہا خدمات سرانجام دیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

فصل اول

علم قرآن میں خواتین کی خدمات:

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے۔ اس نے زمین کو انسان کے لیے منتخب کیا تا کہ وہ اس میں انسانی معاشرہ قائم کرے ۔وقت کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے نے خاندانوں ،قبیلوں اور گروہوں کی شکل اختیار کر لی۔مختلف ادوار میں لوگوں کی ہدایت کے لیے مختلف الہامی کتابیں اتاری گئیں۔انسانوں کی فلاح کے لیے اس دنیا میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید کو نازل کیا گیا۔اس کتاب میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے تمام تر اصول و ضوابط مرتب کر دیے گئے۔اس کتاب میں مسلمانوں کے لیے تمام مسائل کا حل بتا دیا گیا ہے۔

قرآن کریم علم کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ پہلی صدی ہجری میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی علم قرآن رکھتی تھیں۔خواتین کی دینی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جن میں صحابیات کی دینی خدمات قابل ذکر ہیں۔صحابیات کو نہ صرف قرآن مجید پڑھنے کا شوق تھا بلکہ بعض صحابیات نے تو پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا جن میں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، اُم سلمہؓ اور اُم ورقہؓ سرفہرست ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ کے خشوع و خضوع کے حوالے سے حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ آپ کو قرآن حکیم کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے وقت خوفِ باری تعالیٰ کے باعث آپ کا نورانی چہرہ اقدس زعفرانی ہو جاتا تھا، تمام جسم مبارک تھر تھر کانپنے لگتا، خشوع و خضوع کی وجہ سے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور آنسوؤں کے قطرے مصلے پر گرتے جاتے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

> ایک مرتبہ میں سیدہ فاطمہؓ کے بیت اطہر میں آیا میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بکرے کی کھال پر لیٹے آرام فرما رہے ہیں اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ اپنے دست اقدس سے پنکھا جھل رہی ہیں اور زبان اطہر سے قرآن

حکیم کی تلاوت فرما رہی ہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علیؓ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ روٹی پکاتی جاتی ہیں اور نہایت خوش الحانی سے قرآن حکیم کی تلاوت بھی فرما رہی ہیں[۱]

سیدہ زینب کبریٰؓ علم و فضل میں اوج کمال پر تھیں حضرت علیؓ اپنی اس بیٹی سے بہت مطمئن تھے۔ اور ان کی علمی قابلیت و بصیرت پر بہت خوش ہوتے تھے حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں سیدہ زینبؓ کوفہ میں ہی قیام پذیر تھیں ان کی موجودگی سے کوفہ کی خواتین اکثر اوقات فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآن پاک کے مطالب و معانی دریافت کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ زینبؓ چند خواتین کے سامنے سورۃ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ اسی اثناء میں حضرت علیؓ تشریف لائے اور نہایت توجہ سے ان کا بیان سماعت فرمانا شروع کیا جب انہوں نے بیان ختم کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''بیٹی'' میں نے تمہارا بیان سُنا اور مجھے بہت مسرت ہوئی کہ تم قرآن کریم کے مطالب و معانی اس قدر عمدہ طریقے سے بیان کرسکتی ہو[۲]

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ بے مثال خوبیوں کا مجموعہ ہے جس کا شمار ناممکن اور محال ہو گا۔ ان خوبیوں کے باعث یہ کتاب زندہ جاوید بن گئی اور صحابہؓ کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ کے دل بھی اس کے نور سے منور ہو چکے تھے اور خدمت قرآن میں بعض صحابیات شہادت کے رتبے تک پہنچ گئیں۔

حضرت اُم ورقہ بنت عبد اللہؓ چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لئے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمائیے۔ چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور ام ورقہؓ عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔ راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں، انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو۔ ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اُٹھانا چاہا اور رات کو ایک چادر ڈال کر اُن کا کام تمام کر دیا۔[۳]

حضرت حفصہؓ قرآن مجید کی خوبیوں سے بخوبی آگاہ تھیں اس لیے کہ قرآن کا انداز بیان منفرد اور یگانہ ہے۔یہ بے حد پیارا، دلکش اور روح میں اتر جانے والا ہے جو اسے پڑھتا ہے اس کی طرف سننے کے لیے قائل ہو جاتا ہے۔اس کلام میں غضب کی تاثیر ہے۔یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بے شمار معانی و مطالب پوشیدہ ہیں۔قرآن مجید کی یہی سب خوبیاں حضرت حفصہؓ کے دل پر بھی نقش ہوگئی تھیں جس کا اندازہ ان کے والد محترم حضرت عمر فاروقؓ کو بھی تھا تبھی جب سیدنا عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو سیدہ حفصہؓ ان کے پاس تشریف لائیں، ان کے ساتھ دیگر خواتین بھی تھیں۔ جب وہ تشریف لائیں تو مرد باہر چلے گئے،سیدہ حفصہؓ حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیٹھ گئیں اور روتی رہیں۔ پھر مصحف جس میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا تھا ابو بکرؓ کے پاس رہا۔آپکی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ رہا پھر آپکی وفات کے بعد آپکی صاحبزادی اُم المومنین حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔ؑ

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن مجید کی نقول تیار کرنے کے لئے اور عوام کو سرکاری اخراجات پر قرآن مجید مہیا کرنے کے لئے جس نسخہ کو بطور نمونہ سامنے رکھا وہ نسخہ سیدہ حفصہؓ کے ہاں سے ہی منگوایا گیا تھا۔ پھر اسے واپس کر دیا گیا تھا۔(۵)

نکاح کے بعد حضرت حفصہؓ حضور اکرمؐ کے ساتھ رہنے لگیں رسول کریمؐ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی۔ حضرت حفصہؓ کو تھوڑا لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ شادی کے بعد معلم کائناتؐ نے صحابیہ حضرت شفا بنت عبد اللہ عدیہؓ کو حضرت حفصہؓ کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا تاکہ وہ آپؓ کو زیور تعلیم سے مزین ومنور کر دیں۔حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے انتہائی دلچسپی، شوق اور لگن کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔آپؓ اپنے والد کی طرح بہت ذہین اور ذو فہم تھیں۔اس لیے بہت جلد ہی بہت کچھ سیکھ لیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد حضرت حفصہؓ اس قابل ہوگئیں کہ ہادی کون و مکان حضرت ﷺ کے مطابق تمام نازل شدہ آیات قرآنی کو اپنے پاس ترتیب سے سنبھال کر رکھ سکیں۔حضرت حفصہؓ قرآن کی جو آیات وحی کے ذریعے نازل ہوتیں اُنھیں سرور کائنات ﷺ سے سن کر زبانی یاد کر لیتیں اور یہ طریقہ آنحضرت ﷺ کے عقد میں آنے سے پہلے بھی آپ نے اختیار کیا ہوا تھا۔اسی طرح رسول کریمؐ کی

زبان اقدس سے جو الفاظ نکلتے انھیں حضرت حفصہؓ پوری توجہ سے سنتیں اور ذہن و دل میں محفوظ کر لیتیں ۔حضرت حفصہؓ کو اسلامی احکامات اور مسائل و معاملات کی تہہ تک پہنچنے کا بہت شوق تھا۔ آپ شرعی احکامات کی وضاحت کرنے کے لئے اکثر و بیشتر ہادی کون و مکان رہبر کائنات ﷺ سے سوال کرتی رہتیں اور رسول کریم ﷺ بھی خندہ پیشانی کے ساتھ بڑی وضاحت وفصاحت اور بلاغت سے ان کے سوالات کے جوابات دیتے ۔[٦]

سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید تئیس سال کے اندر نازل ہوا ہے، حضرت عائشہؓ نبوت یا نزول قرآن کے چودھویں سال ۹ برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے گھر میں آئیں اس لیے ان کا آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کا زمانہ تقریباً دس سال ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ نزول قرآن کا نصف سے زیادہ حصہ ان کے ابتدائے ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن اس غیر معمولی دل و دماغ کی ہستی نے اس زمانہ کو بھی جو عموماً طفلانہ بے خبری اور لہو ولعب کا عہد ہے، رائیگاں نہیں کیا بلکہ حضورؐ کے اس حکم کو کہ گھروں میں مسجدیں بنالو۔[٧]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنالی تھی اس میں بیٹھ کر نہایت رقت اور خشوع کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تھے ناممکن ہے کہ ان موقعوں سے حضرت عائشہؓ کے فوق الفطرۃ حافظہ نے فائدہ نہ اُٹھایا ہو، فرماتی تھیں کہ جب یہ آیت اُتری تھی، تو میں کھیل رہی تھی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○[٨]

ترجمہ: بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کے وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات تک قرآن تحریراً کتاب میں مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں ان کو کاغذ پر مرتب کرایا، اسی اثنا میں اور دیگر صحابہؓ نے بھی اپنے اپنے طور پر روزانہ تلاوت کے لیے قرآن ترتیب دے لیا تھا، ان میں صرف سورتوں کے تقدیم و تاخیر کا اختلاف تھا۔ابو یونس جو مولی ہیں حضرت عائشہؓ کے یعنی آزاد کردہ غلام ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ایک قرآن ہم کو لکھ دو۔[٩]

اختلاف قرات کا اثر عجم کے میل جول سے عراق میں سب سے زیادہ تھا، عراق کے ایک

صاحب ان سے ملنے آئے تو درخواست کی کہ اُم المومنین مجھے اپنا قرآن دکھایئے۔ وجہ دریافت کی تو کہا: ہاں لوگ قرآن اب تک بے ترتیب پڑھتے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اپنے قرآن کی ترتیب آپ ہی کے قرآن کے مطابق کر دوں۔ فرمایا کہ سورتوں کے آگے پیچھے ہونے میں کوئی نقصان نہیں، پھر اپنا قرآن نکال کر ہر سورۃ کی شروع آیات پڑھ کر لکھوا دیں۔[۱۰]

حضرت عائشہؓ کی عادت یہ تھی کہ جس آیت کریمہ کا مطلب سمجھ میں نہ آتا خود آنحضرت ﷺ سے دریافت کرلیتیں چنانچہ صحیح حدیثوں میں متعدد آیتوں کی نسبت آنحضرتؐ سے ان کا سوال مذکور ہے امہات المومنین کو خدا کی طرف سے حکم تھا۔

''اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسولؐ کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو''۔[۱۱]

آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز میں قرآن کی بڑی بڑی سورتیں نہایت غور وفکر اور خشوع وخضوع سے تلاوت فرماتے، حضرت عائشہؓ ان نمازوں میں آپؐ کے پیچھے ہوتیں، قرآن کا نزول حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور بیوی کے بستر پر نہیں ہوا۔ فرماتی ہیں کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء جب اُتریں تو میں آپؐ کے پاس تھی۔ غرض یہ اسباب ومواقع ایسے تھے کہ حضرت عائشہؓ کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قرات، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر عبور کامل حاصل ہوگیا تھا۔ وہ مسئلہ کے جواب کے لیے پہلے عموماً قرآن پاک کی طرف رجوع کرتیں تھی۔ عقائد وفقہ واحکام کے علاوہ آنحضرتؐ کے اخلاق وسوانح کو بھی جو اُن کے سامنے کی چیزیں تھیں اور جن کا تعلق تاریخ وخبر سے ہے وہ قرآن پاک ہی کے حوالہ سے کرتی تھیں۔

ایک دفعہ چند صاحب زیارت کو آئے عرض کیا کہ اُم المومنین حضورؐ کے کچھ اخلاق بیان فرمایئے، بولیں، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپؐ کا اخلاق قرآن ہے پھر دریافت کیا کہ آپ کی عبادت شبانہ کا کیا طریقہ تھا، فرمایا کیا سورۃ مزمل نہیں پڑھی۔[۱۲]

حضرت عائشہؓ کے استنباط کا اُصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں، اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں، پھر قیاس عقلی کا درجہ تھا کہ ایک صاحب نے

متعہ کی نسبت رائے پوچھی تو اُنہوں نے حسب ذیل آیت اس کی حرمت کی سند میں پیش کی۔

''بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں'' [۱۳] یعنی ممتوعہ نہ بیوی ہے، نہ باندی ہے، اس لیے متعہ جائز نہیں ہے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اہل عجم اپنے تہواروں میں جو جانور ذبح کرتے ہیں اُن کا کھانا جائز ہے، فرمایا خاص اُس دن کے لیے جو جانور ذبح کریں وہ جائز نہیں۔اس حکم کے استنباط میں انہوں نے غالباً حسب ذیل آیت کو مبنی قرار دیا ہے۔

وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ [۱۴]

ترجمہ: اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو تین ''قروء'' تک انتظار کرنا چاہیے، یعنی عدت کا زمانہ تین قروء ہے۔قروء کے معنی میں اختلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی بھتیجی کو ان کے شوہر نے طلاق دی، تین طہر گزر کر جب نیا مہینہ آیا تو انہوں نے شوہر کے گھر سے ان کو بلوا لیا۔اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور ''ثلاثۃ قروء'' کی آیت سے استدلال کیا۔اُم المومنین نے کہا، ثلاثۃ قروء صحیح ہے لیکن جانتے ہو (قروء) کیا ہے، قروء سے مراد طہر ہے۔امام مالک اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے تمام فقہا نے حضرت عائشہؓ کی پیروی کی ہے، اہل عراق قرؤ سے ''ایام مخصوصہ'' مراد لیتے ہیں۔[۱۵]

معتزلہ اور معتزلہ کے ہم خیال لوگوں کا اعتقاد ہے کہ خُدا کا دیدار نہ اس دنیا میں کسی کو ہوسکتا ہے اور نہ آخرت میں، جمہور اسلام نہ صرف اس امکان بلکہ وقوع کے قائل ہیں۔اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں نہیں ہوسکتا، لیکن آخرت میں اس کا دیدار اس طرح ہوگا جس طرح چودھویں کا چاند سب کو ایک ساتھ نظر آتا ہے مگر حضرت عائشہؓ سے نہایت مصرح روایتیں مروی ہیں۔انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا جو کوئی سمجھے کہ حضرت محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا اُس نے بڑا جھوٹ باندھا اللہ پر۔[۱۶]

اس دعوے پر انہوں نے قرآن کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے اور آج تک معتزلہ کو اس

سے زیادہ قوی دلیلیں قرآن سے نہیں مل سکی ہیں۔

پہلی آیت یہ ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

ترجمہ: اس کو (خدا کو) نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے
اور وہ لطیف اور خبر دار ہے۔[17]

یعنی چونکہ وہ لطیف ہے، اس لیے نگائیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور چونکہ وہ خبر دار اور آگاہ ہے۔اس لیے وہ سب کی نگاہوں کو پالیتا ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ[۱۸]

ترجمہ: اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس سے (خدا سے) باتیں کر سکے مگر
وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی اوٹ سے۔

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے قائل تھے کہ آنحضرت یہ معراج میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تھے اور سورہ نجم کی ان آیتوں سے استدلال کرتے تھے۔

وَ لَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی[۱۹]

اور اُس کو دوبارہ اُترتے دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ جبریل ہیں، چنانچہ مسلسل آیتوں کے پڑھنے سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

پیغمبر کو ایک طاقتور نے سکھایا اور وہ اُفق اعلیٰ پر تھا، پھر قریب آیا، پھر لٹکا، پھر دو کمانوں کے برابر نزدیک تھا پھر اس کے بندے (یا اپنے بندے) کی طرف وحی کی جو کچھ وحی کی، قلب نے جو کچھ دیکھا، اس میں جھوٹ نہیں بولا گیا وہ جو کچھ دیکھتا ہے، اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے اس کو دوبارہ اُترتے دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

ان روایات کی بنا پر معتزلہ حضرت عائشہؓ کو روایت باری کے منکروں میں شمار کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اس عالم میں رؤیت کی قائل نہیں ہیں۔ قیامت کی رویت کی منکر نہیں، رؤیت کے الفاظ یہ ہیں۔

''جو تم سے بیان کرے کہ محمدؐ نے (معراج میں) اپنے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ بولا''۔

اس سے مقصود معراج میں آنحضرتؐ کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کا انکار ہے، نہ کہ آخرت میں اس لیے حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا مطلق انکارِ رؤیت کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[۲۰]

اسلامی علوم یعنی قرات، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض میں متعدد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ حضرت اُم سلمہؓ اور اُم ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔

صحابیاتؓ پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا، ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول ﷺ سے فرمایا کہ قرآن کی یہ آیت۔

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ[۲۱]

جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اُس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

نہایت سخت ہے، ارشاد ہوا کہ عائشہؓ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا، بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

خُدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا۔[۲۲]

فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خُدا کی بارگاہ میں پیش ہو گا، عذاب اُسی کو دیا جائے گا، جس کے حساب میں کمی بیشی ہوگی، اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں۔

ایک مومن تلاوت قرآن کے وقت اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہے یہ اصل میں ایمانی کیفیت ہے جو تعلق باللہ پیدا کرتی ہے اور قرآنی تعلیمات کو اپنے اندر جذب کرنے کا موجب بنتی ہے۔ ایک بندہ مومن تلاوت قرآن کے دوران عجیب روحانی سکون محسوس کرتا ہے اور اس کا دل وجد

کرنے لگتا ہے اور وہ پورے خلوص دل کے ساتھ گڑگڑا کر اپنے رب سے دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے دعا مانگتا ہے۔صحابیات جو اتنی برگزیدہ ہستیاں تھیں وہ بھی دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے دعا مانگتی تھیں جس کا مشاہدہ بعض حضرات نے بھی کیا۔

ابوالضحٰی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس آدمی نے بیان کیا جس نے عائشہؓ کو نماز میں سورہ طور کی یہ آیت پڑھتے سنا۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوم[۲۳]

پس اللہ تعالٰی نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز وتند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا۔

حضرت عائشہؓ جہنم کے عذاب سے ہمیشہ پناہ مانگتی رہتی تھیں۔'سموم' جھلسا ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

حضرت عائشہؓ جب سورہ احزاب کی یہ آیتیں پڑھتیں تو گھر میں رہنے کو زیادہ ترجیح دیتیں:

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّ جَ الْجَا هِلِيَّةِ الْاُ وْلٰى[۲۴]

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو۔

اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیئے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے۔ بلکہ بغیر خوشبو لگائے سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو (تبرج)۔ بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ ''تبرج'' جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہو گی۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دلفریب رکھ لیا جائے۔

خواتین عالمات و فاضلات میں بہت سی ایسی ہیں جنھوں نے قرآن کی خدمت کو اپنی زندگی کا

مقصد بنالیا۔ لہٰذا بہت سی ایسی حافظات، قاریات، اور مفسرات پیدا ہوئیں جو اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھیں۔ ان میں سرفہرست حفصہ بنت سیرین (ہمشیرہ محمد بن سیرین) ہیں۔ اُم ہذیل کنیت تھی، فقیہہ انصاریہ تھیں، آپ اُم المومنین سیدہ عائشہؓ کی ذہین شاگردہ تھیں۔ آپ نے ان کے اخلاق و معارف سے بہت فائدہ اٹھایا۔ عبادت فقاہت اور قرات میں بلند مقام پایا حتیٰ کہ ان کو سیدات تابعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایاس بن معاویہ کہتے تھے کہ میں نے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں پایا جس کو حفصہ بنت سیرین پر فضیلت دے سکوں۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن شریف کی حافظہ ہوگئی تھیں۔ لوگوں نے ایاس سے کہا، کیا حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ بھی حفصہؒ سے کمتر ہیں؟ کہنے لگے، ہاں! میرے خیال کے مطابق تو ان حضرات کو بھی حفصہؒ پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔

موصوفہ کے بھائی محمد بن سیرینؒ کو جب قرآن میں کوئی مشکل پیش آتی تو کہتے، جاؤ حفصہؒ سے پوچھو کہ وہ اس لفظ کو کس طرح پڑھتی ہیں (اور پھر اسی کے مطابق عمل کرو)۔ اپنے دل کو ہمہ وقت اللہ سے لگائے رکھتیں اور کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں۔ ہر رات میں آدھا قرآن پاک ضرور ختم کرتی تھیں۔ اور یہ معمول آخر زندگی تک رہا۔ مہدی بن میمون کہتے ہیں کہ حفصہ برابر تیس سال تک اپنے گھر کے اندر بنی ہوئی چھوٹی سی مسجد میں رہیں۔ وہاں سے صرف قیلولہ کے لئے یا قضائے حاجت کے لئے باہر نکلتی تھیں۔[۲۵]

گویا صحابیات قرآن مجید کو ایک سچی کتاب سمجھتے ہوئے اس کی خوبیوں سے باخوبی آگاہ ہو چکی تھیں کہ اس کے دلائل نہایت مضبوط و مستحکم ہیں اور سچائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اس لیے تضاد سے پاک ہیں۔ یہ چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے پڑھنے والوں کے لیے بلا کی تاثیر رکھتا ہے نیز ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ:

تعارف:

نام عائشہؓ لقب صدیقہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی، اور آنحضرت ﷺ کی شریک

حیات۔ آپکی ولادت نبوت کے پانچویں سال اورہجرت سے نو سال قبل جولائی ۶۱۴ء کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔آنحضرتؐ نے ان کی کنیت ان کے بھانجے عبد اللہ بن زبیرؓ کے نام پر اُم عبد اللہ رکھی جن کو حضرت عائشہؓ نے متبنّٰی بنالیا تھا۔والدہ کا نام اُم رومان ہے۔[۲۶]

آنحضرت ﷺ نے ان کے رشتہ کا پیغام دیا اورنبوت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ہوگیا تھا۔مہر کی رقم پانچ سو درہم مقرر ہوئی اور رخصتی ہجرت کے چند ماہ بعد یعنی شوال ۱ھ /اپریل ۶۲۳ء کو مدینہ منورہ میں نہایت سادگی کے ساتھ ہوئی اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس تھی۔(بعض جدید سیرت نگاروں کے مطابق رخصتی کے وقت آپؓ کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی)۔

رسول اکرم ﷺ کو امہات المومنین کی بہ نسبت ان کے ساتھ زیادہ محبت اور اُنسیت تھی اوران کی بہت قدر اورعزت کرتے تھے لیکن باوجود اس کے آپ ﷺ نے سب کے حقوق یکساں مقرر کر رکھے تھے۔اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں تھا۔البتہ حضرت سودہؓ نے اپنے تمام حقوق حضرت عائشہؓ کو دے دیئے تھے۔اس لیے دیگر ازواج مطہرات کی بانسبت ان کا حق دو چند تھا۔[۲۷]

مدینہ منورہ میں رخصتی کے بعد حضرت عائشہؓ نے مسجد نبوی کے اردگرد بنے ہوئے حجروں میں سے ایک میں قیام کیا۔ یہی حجرے ازواج مطہراتؓ کے مستقل گھر تھے۔حضرت عائشہؓ زندگی بھر مسجد نبوی کے اس حجرے میں مقیم رہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گھرانہ سب سے پہلے نور اسلام سے منور ہوا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ نے مسلمان ماں باپ کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی۔وہ حضور ﷺ کی محبوب ترین رفیقہ حیات تھیں۔اگر چہ وہ نہایت صاحبِ جمال تھیں اورسرخ وسفید رنگت کی مالک تھیں لیکن حضور ﷺ کی ان سے محبت فقط حسن و جمال نسوانی میں پوشیدہ نہیں تھی۔اس صفت میں تو دیگر ازواج مطہراتؓ حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ بھی ان کی شریک تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ شروع ہی سے نہایت ذہین، عقلمند، معاملہ فہم باریک بین، دوررس نگاہ کی مالک اور دینی مسائل کے فہم وشعور میں اور احکام کے اجتہاد میں ازواج مطہراتؓ میں امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے

کہ وہ حضور ﷺ کی نگاہ میں بے حد محبوب تھیں۔[۲۸]

سیدہ عائشہؓ کی زندگی کے کسی گوشے پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک عورت کی حیثیت سے دیکھیں تو کم عمری آپ پر گھر گرہستی کی ذمہ داری آن پڑی تھی۔ آپ گھر داری میں اتنی ماہر تو نہ تھیں لیکن گھر کے انتظام اور ضروریات کو پورا کرنے میں آپؓ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔آپؓ میں محبت اور باہمی تعلق کے جذبے کے ساتھ ساتھ شوہر کی خدمت اور اطاعت کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپؓ کی گھریلو زندگی قابل رشک تھی۔

جیسے کہا جاتا ہے کہ عورت کا سب سے بڑا ہنر یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کے پلے باندھ دی جائے آپ اس سے راضی رہے اور اس کو اپنے سے راضی اور خوش رکھے۔حضرت عائشہؓ اس مقولے پر پوری اترتی ہیں۔گھر کی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ ساتھ عبادات میں فرائض کی ادائیگی کے علاوہ نبی کریمؐ کے ساتھ نفلی عبادات کا بھی پورا اہتمام کرتی تھیں۔حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے بعد بھی یہی معمول جاری رکھا، تہجد کی نماز ہو یا چاشت کی، رمضان کی تراویح ہو یا مسنون روزے، اعتکاف ہو یا نفلی حج، آپؓ ہر موقع پر موجود ہوتیں۔

گناہوں سے معافی اور نیکیوں میں سبقت کی ایسی طلب گار تھیں کہ ایک بار جب عرفہ کے دن روزے سے تھیں اور گرمی بھی شدید تھی، آپؓ کے سر پر پانی کے چھینٹے دیے جارہے تھے تو آپؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے روزہ افطار کرنے کا مشورہ دیا تو آپؓ نے فرمایا: ''جب میں آنحضرتؐ کی زبانی یہ سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کردیتا ہے تو میں روزہ توڑ دوں گی؟''۔

حضرت عائشہؓ فطرتاً بہادر تھیں۔ جہاد کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔اس حکم کے سننے کے بعد آپؓ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ کم ہی کوئی سال ایسا گذرا ہوگا جس میں آپؓ نے حج نہ کیا ہو۔

ان سب تفصیلات کو پڑھتے ہوئے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ کسی ایسی خاتون کا تذکرہ نہیں ہے جو روزمرہ کی سادہ سی زندگی گزار رہی ہو بلکہ آپ کی زندگی تو بچپن ہی سے آزمائش اور بحرانوں میں گذری۔بچپن میں کفار مکہ کے مسلمانوں سے اذیت ناک سلوک کی زد میں آپ کا کنبہ نبی کریم ﷺ

سے تعلق کی بناء پر خاص طور پر آتا تھا۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رخصتی ہوئی تو کفار سے جہاد و قتال کا سلسلہ شروع ہوگیا۔آپ ان سب سے الگ تھلگ نہیں تھیں ۔ کہیں زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں تو کہیں مرہم پٹی کر رہی ہیں ۔ منافقین کی سازشیں الگ تھیں ۔ واقعہ افک میں آپ زندگی کی اس آزمائش سے گذریں جس کا تصور ہی کسی عورت کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی ہے ۔ کم عمر ضرور تھیں، لاپرواہ نہیں تھیں ۔ ایک سنجیدہ اور سمجھدار عورت کی طرح واقعے کی سنگینی اور شدت کو بھرپور طریقے سے محسوس کیا ۔آنسو تھے کہ تھمتے نہیں تھے مگر زبان کو روکے رکھا ۔ اپنی صفائی میں کہا تو یہی کہا ''میں بہترین صبر اختیار کرتی ہوں''۔

جذباتی ونفسیاتی پہلو سے دیکھا جائے تو عورت سنگین سے سنگین حالات برداشت کرلیتی ہے لیکن محبت میں بٹوارا اس کو توڑ پھوڑ دیتا ہے ۔ سیدہ عائشہؓ گو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق تھیں لیکن نبی کریم ﷺ جیسے عادل و منصف مزاج شوہر کی بیویوں کا ساتھ بھی نبھانا تھا۔دل پر کیا گذرتی ہوگی کبھی وقتی طور پرنسوانی ناز آڑے آجاتا تو بھی دل سے اپنی سوکنوں کے حق میں برا نہ چاہتیں ۔ اپنی سوکنوں کی تعریف دل کھول کر کیا کرتی تھیں اور اس معاملے میں بے انصافی یا کم ظرفی پر آمادہ نہ ہوتیں ۔ ایک بار حضرت زینبؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر ناراض ہو گئے تو وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں کہ میرا قصور معاف کرا دو ۔ آپؓ نے خاص اہتمام سے بناؤ سنگھار کیا، آپؐ آئے تو اس سلیقے سے گفتگو کی کہ معاملہ ختم ہوگیا۔

قدرت کے فیصلے دیکھیے کہ اٹھارہ برس کی عمر میں نبی کریم ﷺ کے انتقال کے ساتھ بیوگی کا غم سہنا پڑا ۔ اس عمر میں جذباتی اور ذہنی صدمہ اٹھایا ۔ آپؓ کے پاس نہ تو مال و دولت کے انبار تھے اور نہ ہی سہارا دینے کے لیے اولاد ۔ دو ڈھائی سال بعد شفیق والد کی شفقت پدری سے محروم ہوگئیں ۔ یہ سب باتیں عمر بھر کا روگ لگانے کے لیے کافی تھیں لیکن آپؓ پر آفرین ہے کہ جو نعمتیں حاصل تھیں ان پر شاکر اور مسرور رہیں ۔

آپؓ نے حالات کی رو میں بہنے کی بجائے اپنی بقیہ زندگی کو دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کردیا ۔ ''گھر میں ٹکی رہو'' کے قرآنی حکم اور حجاب کی پابندیوں کو بے عملی کی دلیل بنانے کے بجائے ان کو پوری پابندی کے ساتھ اپنے گھر ہی سے قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا اور

نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں ہی افتاء کا منصب حاصل کر لیا۔آپ نے علم پھیلانے کا ذمہ لیا تو اس کا حق ادا کیا۔آپ کا علم بھی کوئی سطحی قسم کا نہ تھا۔ترمذی میں ہے ''ہم اصحاب محمد ﷺ کو کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش نہ آیا کیونکہ عائشہؓ کے پاس اس کا علم موجود پایا'' پھر اس کے اظہار میں نہ جھجکیں ، نہ شرمائیں ، نہ مصلحت آڑے آئی بلکہ جو بات حق تھی وہ بیان کی، چاہے وہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ جاتی ہو۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ علم یکسوئی اور تسلی کے ساتھ کسی مدرسے سے حاصل نہ کیا گیا تھا بلکہ چلتے پھرتے ہی حاصل کیا تھا۔ دینی علوم کے علاوہ آپ کو شاعری، تاریخ اور طب پر بھی عبور حاصل ہو گیا تھا۔

یہاں یہ بات بجا طور پر ذہن میں آسکتی ہے کہ آپؓ کی کوئی اولاد نہ تھی ان ذمہ داریوں سے فارغ تھیں جو ایک ماں کو ساری زندگی مصروف رکھتی ہیں۔ بے شک آپ کی حقیقی اولاد کوئی نہ تھی مگر قرآن مجید کی طرف سے تمام مومنین کی ماں کا جو خطاب ملا تھا آپ نے اس کا مان رکھا ۔امت کا جیسا درد آپ کے دل میں تھا اسی کے تقاضے سے مجبور ہو کر آپؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رفع فساد کے لیے گھر سے قدم نکالا۔گو بعد میں آپؓ اپنی اجتہادی غلطی پر سخت پشیمان ہوئیں مگر اس پورے معاملے میں کسی نے بھی آپ کے خلوص پر شبہ نہ کیا۔سیاست کے میدان میں آپ کا یہ واحد عملی قدم تھا۔ اس سے پہلے اور بعد میں کبھی پوچھنے پر اپنی رائے سے آگاہ کرنے کے علاوہ بلاضرورت آگے آگے ہونے سے گریز کیا۔ بلکہ اپنے آپ کو سماجی خدمات میں مصروف کر لیا۔یتیم بچیوں کو لے کر ان کی تربیت کرتیں اور ان کی شادیاں کرتیں۔ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرتیں ۔اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھتیں۔اپنی ضرورت کے لیے تو ایک جوڑا ہی کافی تھا جسے بار بار دھو کر پہنتی تھیں۔

اسلام کے ابتدائی دور کی تنگی کے بعد فتوحات کے ساتھ ہی خوشحالی کا دور آیا تو خلفائے راشدین نے دیگر لوگوں کے ساتھ ازواج مطہراتؓ کے وظائف مقرر کیے اور مال غنیمت میں سے بھی حصہ دینا شروع کیا۔ عام عورت ہوتی تو عمر بھر کی کسر نکالنے کا سوچتی لیکن نبی کریم ﷺ کی تربیت خاص نے مال کی محبت سے آپ کے دل کو بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک ایک لاکھ درہم کی رقم آئی اور دیکھا گیا کہ سیدہ بلا تاخیر سب بانٹ کر دوپٹہ جھاڑ کر اٹھ گئیں۔ ملازمہ نے یاد دلایا کہ آپ کا روزہ تھا، افطار کے لیے سامان نہیں، اپنے لیے تو کچھ رکھ لیا ہوتا ۔فرمایا: ''تم یاد دلا دیتی''۔

روز روز کی ایسی فیاضی دیکھ کر چہیتے بھانجے کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ خالہ کا ہاتھ روکنا پڑے گا۔اس پر ناراض ہوگئیں۔گو بعد میں مان گئیں۔آپ کھلے دل سے معاف کر دیتیں اور اپنی غلطی کی صورت میں اقرار بھی کر لیتیں۔حضرت عائشہؓ اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے خواتین میں مشہور تھیں۔مزاج کی نرم تھیں، خوددار تھیں لیکن انا پرست نہ تھیں۔اپنے علمی پائے کے لحاظ سے مردوں کی برابری کرتی تھیں بلکہ اکثر سے برتر تھیں۔ایسی بلند مرتبہ خاتون اگر اپنی صنف کی دیگر عورتوں کو کم تر سمجھنے لگے تو کچھ تعجب نہ ہوگا لیکن حضرت عائشہؓ کبھی عورت ہونے پر نہ شرمائیں بلکہ ہمیشہ ہر موقع پر اپنی جنس کی بھرپور نمائندگی کی۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں عورتیں اپنے مسئلے لے لے کر آتیں بعض ایسی حجاب والی باتیں ہوتیں کہ وہ آپؐ سے بیان نہ کر سکتیں تو حضرت عائشہؓ کی مدد چاہتیں، آپ اپنی بہنوں کی مدد کرتیں اور ان کی درخواستیں اور حالات نبی کریمؐ کی خدمت میں پیش کرتیں۔حضورؐ کے انتقال کے بعد بھی عورتوں کے حقوق کی پوری نگہبانی کی۔

سید سلیمان ندوی بیان کرتے ہیں:

> ''جنس نسوانی پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، اجتماعی، سیاسی اور پند و موعظت اور اصلاح دارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجا لا سکتی ہے۔غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گزشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے ام المومنین کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے''۔[۲۹]

فصل دوم

علم حدیث میں خواتین کی خدمات:

حدیث کے لفظی معنی بات چیت کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد آپ ﷺ کے اقوال، تقریر اور آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں روایات جو ہم تک پہنچی ہیں حدیث کہلاتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ساری زندگی قرآن مجید کی تشریح تھی۔قرآن و سنت کا روز اول سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب تک قرآن ہے، صاحب قرآن کی حدیث بھی ساتھ ہے۔جب تک رسول ﷺ رسالت قائم ہے، احادیث رسول ﷺ موجود ہیں۔

نبوت کے بعد سے تئیس (۲۳) سال کی مدت تک آپؐ ہر وقت تعلیم اور ہدایت میں مشغول رہے اور اپنی زبان اور عمل سے لوگوں کو بتاتے رہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ کیا ہے۔اس پیغمبرانہ زندگی میں صحابی مرد اور صحابیہ عورتیں اور خود حضور اکرم ﷺ کے عزیز، رشتہ دار اور حضور ﷺ کی بیویاں سب کے سب آپؐ ہر بات کو غور سے سنتے تھے۔ ہر کام پر نگاہ رکھتے تھے اور ہر معاملہ میں آپ ﷺ سے شریعت کا حکم دریافت کرتے تھے۔

جب آپؐ ہدایت دیتے تھے تو جو لوگ حاضر ہوتے وہ اس ہدایت کو گرہ میں باندھ لیتے یا پھر جب آپؐ کوئی خاص کام خاص طریقے سے کرتے تھے تو دیکھنے والے اس کو بھی ذہن نشین کر لیتے تھے۔ اس طرح یہ اصحاب دوسرے لوگوں سے بیان کر دیتے تھے۔اسی طرح کبھی کوئی شخص آپؐ کے سامنے کوئی کام کرتا تو آپؐ یا تو اس پر خاموش رہتے یا پسندیدگی کا اظہار فرماتے یا پھر منع فرمادیتے تھے، اس سب باتوں کو بھی لوگ محفوظ رکھتے تھے۔ایسی تمام باتیں جو لوگوں نے صحابیات اور صحابہ کرامؓ سے سنیں ان کو حفظ کر لیا اور بعض نے لکھ لیا۔ساتھ میں یہ بھی محفوظ کر لیا کہ یہ خبر ان تک کس طرح پہنچی۔ان ساری روایتوں کو رفتہ رفتہ کتابوں میں جمع کیا گیا اور اس طرح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔

قرآن اللہ کا کلام ہے جو کہ وحی کے ذریعے حضورؐ پر اتارا گیا پھر آپؐ نے اس کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کیا اور اس پر عمل پیرا ہو کر دین کی تبلیغ کی۔آپؐ کے ساتھ جو صحابیات اور صحابہ

کرامؓ تھے انہوں نے حضورؐ سے دین کی تعلیمات سیکھیں اور ان پر عمل کرکے دین اسلام کو پھیلایا۔آپؐ کے بعد انہی صحابیات اور صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے عمل کو اور اللہ کے پیغام کو حدیثوں کے ذریعے ہم تک پہنچایا۔اس لیے قرآن اور حدیث دونوں لازم وملزوم ہیں۔

حضرت عائشہؓ:

حضرت عائشہؓ کے متعلق تو یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنی احادیث جمع کی تھیں اگرچہ ان کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ وہ فرائض جن کے مسائل کا حل حسابی قاعدوں سے ناممکن ہوتا، آپؓ اسے بآسانی حل فرماتی تھیں۔بڑے بڑے صحابہؓ ان سے فرائض کے پیچیدہ حل پوچھوا بھیجتے تھے۔عروہ بن زبیرؓ جن کا شمار ان لوگوں میں ہے جو حضرت عائشہؓ کی روایتوں کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔یہ آپ کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ان کے متعلق مشہور ہے کہ شروع میں انہوں نے بھی اپنے علم کو ایک کتاب میں قلمبند کیا تھا۔ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کا ہونا ضروری ہے کہ سب سے بڑا ذخیرہ ان کا ہی تھا لیکن واقعہ حرہ میں جبکہ مدینہ لوٹا اور برباد کیا گیا تھا تو غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے قصداً اپنی کتاب ضائع کردی تھی۔

آپؓ کی دوسری شاگرد جن کا نام عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی گود میں پرورش پائی تھی، کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مشہور فرمان کی بنیاد پر جس کا ذکر بخاری شریف میں بھی ہے جمع کرلیا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ علم وفضل کے اعتبار سے بڑے بلند مقام پر فائز تھیں۔دینی مسائل دریافت کرنے کے لیے،صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ آپ سے رجوع کیا کرتے تھے سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔تمام صحابہ کرامؓ میں سات عظیم المرتبت ہستیاں وہ ہیں جن سے ہزاروں کی تعداد میں احادیث رسول کریم ﷺ منقول ہیں،جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخرؓ سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔سیدنا عبد اللہ بن عمر بن خطابؓ سے دو ہزار چھ سو تیس،سیدہ عائشہؓ سے دو ہزار دو سو دس،عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ،سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے ایک ہزار، سیدنا سعد بن مالک ابوسعید خدریؓ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔[۳۰]

علم حدیث کا موضوع دراصل ذات نبویؐ ہے اس لیے اس فن کی واقفیت کے ذریعے سب سے زیادہ اُس شخص کو حاصل تھی جس کو سب سے زیادہ آپ کا قرب حاصل تھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قدرتاً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے۔ ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا۔ اس اثناء میں روزانہ حضورﷺ ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے بعد چھ مہینہ تک وہ البتہ دیدار نبوت سے محروم رہیں۔ اُس وقت سے تا دم مرگ اس ذات اقدس سے الگ نہ ہوئیں۔ دوسرے ان کا حجرہ مسجد نبوی جو معلم نبوت کی درسگاہ عام تھا، بالکل متصل تھا۔ اسی بناء پر ازواج مطہراتؓ میں سے بھی کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا حریف نہیں۔

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار، پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اکابر صحابہؓ، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا پایہ شرف محبت، اختصاص کلام اور قوت فہم و ذکاء میں اگرچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بہت بلند تھا، لیکن قدرۃً بیوی کو جو کچھ مہینوں میں معلوم ہوسکتا ہے احباب خاص کو برسوں میں اس کی واقفیت ہوسکتی ہے۔

مکثرین، کثیرا لروایۃ صحابہ جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، سات اشخاص ہیں اور ان میں حضرت عائشہؓ بھی شامل ہیں۔ ان کی وفات ۵۷۔ ۵۸ھ ہے۔[۳۱]

حضرت عائشہؓ کے شاگردوں کی تعداد دوسو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ جن میں قاسم بن محمد، مسروق تابعی، عائشہ بنت طلحہ، ابوسلمہ، عروہ بن زبیرؓ بہت مشہور ہیں۔[۳۲]

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حدیثیں روایت کرتیں اکثر اُن کا پس منظر اور اسباب وعلل بھی بیان کرتیں۔ جو توجیہہ آپؓ کرتیں اُسے باور کرنے کے لیے تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ کورانہ تقلید کو آپؓ پسند نہ کرتیں۔ ہمیشہ نبی کریمﷺ کے اقوال و افعال کی حقیقی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتیں۔ حدیث میں ازواج مطہراتؓ عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہؓ کو فرائض میں بھی خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے صحابہؓ انہی سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تینوں سے پہلو بہ پہلو روایتیں ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہیئے ۔حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں :

''رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جب کوئی جمعہ کو آئے تو ضرور نہائے''۔

اسی طرح کی حدیث کو معمولی ردو و بدل کے ساتھ ابو سعید خدریؓ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے :

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔اسی مسئلہ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ لوگ باری باری آتے تھے اپنے گھروں سے اور مدینہ کے بلند محلوں سے اور عبائیں پہنی تھیں (اونٹوں کے بالوں کی) اور اُن پر غبار پڑتا تھا اور بد بو نکلتی تھی۔ انہی میں سے رسول کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا ۔ اُس دن آپ میرے پاس تھےتو آپ نے فرمایا:اگر تم آج کے دن نہایا کرو تو خوب۔مزید فرمایا: کہ لوگ محنتی تھے اور اُن کے پاس نوکر چاکر تو تھے ہی نہیں اس لیے ان میں بدبو آنے لگی تو ان کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن نہایا کرو۔[۴۳]

وہ جس روایت کو آپ ﷺ سے بلاو اسطہ نہیں سنتی تھیں بلکہ دوسروں سے حاصل کرتی تھیں۔ ان میں سخت احتیاط کرتیں تھیں اور اچھی طرح جانچ لیتی تھیں۔ تب اُس پر اعتماد کرتی تھیں۔ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک حدیث بیان کی، ایک سال کے بعد جب پھر وہ آئے تو ایک آدمی کو بھیجا کہ اُن سے جا کر وہی حدیث پوچھے، انہوں نے بے کم و کاست وہی حدیث بیان کی، اس نے نوٹ کر کے حضرت عائشہؓ کے درمیان دہرائی، سن کر بہت تعجب سے فرمایا کہ خدا کی قسم ! ابن عمرؓ کو بات یاد رہی ہے۔[۴۴]

روایت میں احتیاط:

اسی اُصول کی بنا پر وہ کوئی روایت اگر کسی سے لیتی تھیں، اور کوئی شخص اس روایت کو ان سے دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں، اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ

بیچ کے واسطے جس قدر کم ہو سکیں اور سند اعلیٰ ہو سکے تو بہتر ہے۔

شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا تا کہ ان سے موزوں پر مسح کے متعلق دریافت کروں تو اُنہوں نے فرمایا کہ تم ابو طالب کے بیٹے (علیؓ) سے پوچھو وہ رسول ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ہم نے اُن سے پوچھا :انہوں نے کہا: کہ رسول ﷺ نے مسافر کے لیے مسح کی مدت تین دن تین رات مقرر کی اور مقیم کے لیے ایک دن اور رات مقرر کیا۔[۳۵]

نہ صرف اسی قدر کہ اپنی روایتوں کو انہوں نے مسامحات سے پاک رکھا بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ دوسروں کی روایتوں کی بھی تصحیح کر دیتی تھیں۔فن حدیث بلکہ مذہب اسلام پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاصرین کے مسامحات کی نہایت سختی سے داروگیر اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کی، محدثین کی اصطلاح میں اس کو ادراک کہتے ہیں۔صحابہؓ کے زمانہ تک گو فن حدیث کے اُصول مدوّن نہیں ہوئے تھے۔تاہم ابتدائی مراتب پیدا ہو چکے تھے۔حضرت عائشہؓ نے اپنے معاصرین پر جو استدراکات کئے ہیں غور کرنے سے وہ حسب ذیل وجوہ پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔

فن حدیث میں حضرت عائشہؓ کا سب سے پہلا اُصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کلام الٰہی کے مخالف نہ ہو۔اسی اُصول کی بنا پر انہوں نے متعدد روایتوں کی صحت سے انکار کیا ہے اور ان روایتوں کی اصل حقیقت اور مفہوم کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کیا ہے۔حسنِ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا سب سے پہلا اُصول یہ تھا کہ روایت کلام الٰہی کے خلاف نہ ہو۔

حضرت عمرؓ پر حفصہؓ رونے لگیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میری بیٹی چپ رہو۔کیا تم جانتی نہیں ہو کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردہ پر عذاب ہوتا ہے اس کے گھر والوں کے اُس پر رونے سے"۔[۳۶]

اس بارے میں کئی روایتیں حضرت عمرؓ اور ان کی صاحبزادی سے مروی ہوئی ہیں اور ام المومنین عائشہؓ جو سب فقہاء اور مجتہدوں کی ماں ہیں ان میں کلام فرماتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ ان راویوں کو شبہ ہو گیا۔حضرت ایسا کیوں فرمانے لگے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [۳۷]

ترجمہ: کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اُوپر نہ لا دے گا۔

پھر اوروں کے رونے سے میت پر کیوں عذاب ہونے لگا۔ اور یہ حدیث جس سے حضرت عمرؓ استدلال کرتے ہیں یہ تو حضور ﷺ نے ایک یہودی عورت کے لیے فرمائی تھی کہ لوگ اس کے لیے رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے، غرض اس پر عذاب اس کے کفر کی جہت سے تھا۔ نہ ان کے رونے سے۔ اور علماء نے حضرت عمرؓ کی روایتوں کی یوں تاویل کی ہے کہ مراد ان سے وہ مردہ ہے جو رونے اور نوحہ کرنے کے لیے وصیت کر گیا ہو۔ اس کی وصیت پر عمل ہو تو بیشک اس پر عذاب ہو گا۔ اور جس میت پر لوگ خود روئیں اور اُس نے وصیت نہ کی ہو یا اُس کے دل میں کراہت نوحہ سے ہو تو اُس پر غیروں کے رونے سے کیوں عذاب ہونے لگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھا ئیگا۔

> راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب حضرت عائشہؓ کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کچھ جواب نہ دے سکے۔ [۳۸]

بعض مسائل کی نسبت صحابہؓ میں جو اختلاف روایت ہے وہ کسی قدر اختلاف فہم پر مبنی ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس فہم و ذکاء کا عطیہ ملا تھا۔ انہوں نے اس دولت عظمٰی سے فن حدیث میں خوب فائدہ اُٹھایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک قصہ مذکور ہے کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ لی اور کچھ کھانے پینے کو نہ دیا۔ بلی اسی حالت میں بھوک سے مرگئی اور اس کو اس بناء پر عذاب ہوا۔

ایک بلی کے بدلے ایک عورت کے عذاب کو روایت کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سنا ہے تو فرمایا کہ خُدا کی نظر میں مومن کی ذات بلند ہے کہ ایک بلی کے لیے اس پر عذاب کرے وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی اے لوگو جب آنحضرت ﷺ سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو۔ [۳۹]

اسلام میں حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن شوہر کے گھر میں گزارے۔ اس حکم کے خلاف فاطمہ نامی ایک صحابیہؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے عدت کے زمانہ

میں شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت دے دی تھی۔انہوں نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہؓ کے سامنے اپنے واقعہ کو بطور استدلال کے پیش کیا۔بعض نے قبول کیا اور اکثر نے اس کے ماننے سے انکار کیا۔ اتفاق سے مروان کی امارت مدینہ کے دوران میں اسی قسم کا ایک مقدمہ پیش ہوا، فریق نے فاطمہ کے قول سے استدلال کیا، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فاطمہ پر سخت نکتہ چینی کی۔اور فرمایا کہ فاطمہ کے لیے بھلائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اس واقعہ کو بیان کرے۔ آنحضرت ﷺ نے عدت کی حالت میں ان کو شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت بے شک دی، لیکن سبب یہ تھا کہ ان کے شوہر کا گھر ایک غیر محفوظ اور خوفناک مقام میں تھا۔[۴۰]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور اس میں سے آپؐ کو شانہ (بازو) پیش کیا گیا اور یہ آپؐ کو مرغوب تھا۔ آپؐ نے اسے دانتوں سے توڑ کر کھایا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا دست کا گوشت فی نفسہ پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت روز نہیں ملتا تھا۔ دست کا گوشت پکنے میں جلد گل جاتا تھا اس لیے آپؐ اس کو پسند کرتے تھے۔[۴۱]

حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے ''جس نے وتر نہیں پڑھے اُس کی کوئی نماز نہیں''۔

حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، ہم سب نے ابو القاسمؐ کو کہتے سنا اور اب تک ہم بھولے نہیں کہ وہ پانچ وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی، اُس نے عہد نہیں لیا خُدا چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب کرے، مقصد یہ ہے کہ وتر سنت ہے۔ اُس کے اتفاقی ترک پر یہ عذاب کہ اس کی کوئی نماز قبول نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی بخشش یقینی نہیں رہی حالانکہ یہ عذاب صرف فرائض کے ترک پر ہوگا۔ نہ کہ سنن کے ترک پر۔[۴۲]

ایک دفعہ یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو طلاق لے لینے کا اختیار واپس کر کے اپنے شوہر ہی کو قبول کر لے تو کیا بیوی پر کوئی طلاق پڑے گی، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائیگی لیکن حضرت عائشہ کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس ثبوت میں انہوں نے تخییر کا واقعہ پیش کیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا۔ پس ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا جس کے باعث ہم پر کوئی طلاق نہ

پڑی۔[۴۳]

عہدِ نبوتؐ کے بعد مختلف قوموں کے میل جول، تمدن کی وسعت اور دولت کی فراوانی کے سبب سے عورتوں میں زیب و زینت اور رنگینی آ چلی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ کہ رسول ﷺ زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے خاص الفاظ یہ ہیں:

> حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: کہ رسول کریم ﷺ اگر زمانہ موجودہ کی بناؤ سنگار کرنے والی خواتین کو دیکھتے تو اُنھیں بھی یہودیوں کی طرح مسجد میں داخل ہونیکی ممانعت کر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اے صدیقہؓ! کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا، ہاں۔[۴۴]

صحابہؓ میں حضرت ابن عمرؓ عادی سنن کی تقسیم نہیں کرتے تھے اُن کے نزدیک آپؐ نے جو فعل جس سبب سے کیا، وہ سنت ہے، اسی لئے وہ سفر کے منازل تک میں بھی آپ کی پیروی کرتے تھے، اگر کسی منزل میں اتفاق سے آپ نے طہارت فرمائی تو وہ بھی بلا ضرورت طہارت کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس تفریق کے قائل تھے۔ حج کے موقع پر وادی ابطح میں آنحضرتؐ نے پڑاؤ ڈالا تھا لیکن وہ اُس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں۔

سالم نے کہا کہ ابو بکر و عمرؓ ابطح میں اُترتے تھے۔ زہری نے کہا کہ مجھے عروہ نے خبر دی جناب عائشہ صدیقہؓ سے کہ وہ نہیں وہاں اُترتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول ﷺ جب وہاں اُترتے تھے تو اس لیے کہ وہاں سے روانہ ہو جانا مکہ سے آسان تھا۔[۴۵]

علمی حیثیت سے سیدہ عائشہؓ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ تمام لوگوں میں آپؓ سب سے زیادہ عالمہ تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ اور صحابیات نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہمیں کبھی کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس سے متعلق کچھ معلومات نہ ملی ہوں جیسے ایک مرتبہ مجاہدؒ اور عروہ بن زبیرؓ دونوں مسجد نبوی میں گئے وہاں دیکھا کہ عبد اللہؓ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ اشراق کی نماز پڑھ رہے ہیں ہم نے عبد اللہؓ سے پوچھا کہ اشراق کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا بدعت ہے پھر یہ پوچھا کہ آنحضرت ﷺ

نے کتنے عمرے کیے تھے؟ انہوں نے کہا چار عمرے۔ ان میں ایک رجب کے مہینے میں کیا تھا۔ ہم نے ان کی بات کو کاٹنا برا سمجھا اتنے میں ہم نے حضرت عائشہؓ کے مسواک کرنے کی آواز حجرے میں سے سنی عروہ نے پکار کر کہا: مسلمانوں کی ماں تم نہیں سنتیں ابوعبدالرحمٰن کیا کہہ رہے ہیں۔عروہؓ نے کہا یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چار عمرے کیے تھے۔ اُن میں ایک رجب کے مہینے میں کیا تھا۔ عائشہؓ نے کہا ابوعبدالرحمٰن پر اللہ رحم کرے۔ آنحضرتؐ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں ابوعبدالرحمٰن موجود نہ ہوں۔اور رجب میں تو آپؐ نے عمرہ ہی نہیں کیا۔[۲۶]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا عائشہؓ اگر تیری قوم کی جاہلیت کا زمانہ ابھی تازہ نہ گزرا ہوتا تو میں کعبے کو گرانے کا حکم دیتا اور جتنا حصہ اس میں نکال دیا گیا ہے وہ شریک کر دیتا اور اس کی کرسی زمین دوز کر دیتا اور اس میں دروازے رکھتا ایک پوربی، ایک پچھمی، اور ابراہیم کے پائے پر برابر اُٹھا دیتا۔ اس حدیث کو عبداللہ بن زبیرؓ نے سن کر (اپنی خلافت میں) کعبہ کو گرایا، یزید بن رومان نے کہا میں اس وقت موجود تھا جب عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کو گرایا اور بنایا اور حطیم کو اس کے اندر کر دیا اور میں نے ابراہیم کے پائے کے پتھر دیکھے جو اونٹوں کی کوہانوں کی وضع تھی، جریر بن حازم نے کہا میں نے یزید بن رومان سے پوچھا ابراہیم کا پایا کہاں پر تھا؟ انہوں نے کہا میں تجھے ابھی دکھاتا ہوں پھر میں اُن کے ساتھ حطیم میں گیا۔ انہوں نے ایک جگہ بتلائی کہا یہاں۔ جریر نے کہا میں نے اس کا اندازہ کیا حطیم میں سے چھ ہاتھ ہوگی یا ایسی ہی کچھ۔[۲۷]

جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے لوگ یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور یہ روزہ رکھنا فرض تھا اس مسئلے کو حضرت عائشہؓ نے یوں کھل کر بیان کیا کہ رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اور اُس دن کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا جب اللہ تعالٰی نے رمضان کے روزے فرض کیے، تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص عاشورہ کا روزہ رکھنا چاہے، تو رکھے اور جس کا جی نہ چاہے، تو وہ نہ رکھے۔[۲۸]

آپؐ رات کو جو نمازیں پڑھا کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی ان سے تحقیقی طور سے واقف نہ تھا، وہ کہتی ہیں کہ آپؐ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ رمضان میں آپؐ نے ایک دن تراویح کی نماز پڑھی۔ آپؐ کو نماز

پڑھتے دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے، لوگ انتظار کر کے مایوس ہو کر واپس چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا ''آج شب کو تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کی ادا سے قاصر رہو''۔ [۴۹]

لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہؓ نے مواظبت کے ساتھ اس کو ادا فرمایا۔ اب جن کی نظر اصل حدیث پر ہے، وہ اس کو مستحب ہی سمجھتے ہیں، لیکن جنہوں نے صحابہؓ کی پیروی کی، انہوں نے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ہاں ایک شخص مہمان ہوا۔ آپؓ نے اس کے لیے لحاف کا حکم دیا جس میں وہ سو گیا رات کو اُسے احتلام ہو گیا چنانچہ اس نے اثر احتلام کے ساتھ واپس بھیجنے میں شرم محسوس کرتے ہوئے اُسے پانی میں ڈبو کر بھیج دیا حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

اس نے ہمارا کپڑا کیوں خراب کر دیا صرف انگلیوں سے کھرچنا ہی کافی تھا۔ میں نے کئی مرتبہ آنحضرت ﷺ کے کپڑوں سے (اثر احتلام کو) انگلیوں سے رگڑا ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، کئی فقہا کا یہی قول ہے، جیسے سفیان ثوریؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ یہ کہتے ہیں:

کپڑے پر منی لگ جائے تو صرف کھرچنا کافی ہے دھونا ضروری نہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے حضور ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ پہلی حدیث کے مخالف نہیں اگر چہ کھرچنا اور رگڑنا جائز ہے تاہم مستحب یہ ہے کہ کپڑے پر نشان نہ دکھائی دے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: منی ناک کی رینٹھ کی طرح ہے۔ اسے اپنے (کپڑے) سے مٹا دے اگر چہ اذخر (گھاس) کے ساتھ ہی ہو۔ [۵۰]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاصؓ نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ میرے نطفہ سے ہے تم اس کو اس سے لے لینا۔ فتح مکہ کے سال میں سعد نے اس بچہ کو لے لیا اور ظاہر کیا کہ وہ میرے بھائی کا بچہ ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ بچہ میرا

بھائی ہے دونوں اپنا معاملہ رسول کریمؐ کے پاس لے گئے سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے بھائی نے مجھ کو وصیت کی تھی کہ یہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زمعۃ نے کہا کہ یہ بچہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے عبد بن زمعۃ تو ہی اس بچہ کا وارث ہے یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی وہ بچے سے محروم ہے۔[۵۱]

حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ:

تعارف:

یہ ابو معاویہؓ کی بیٹی زینب ثقفیہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی تھی۔ زینبؓ ایک کاریگر خاتون تھیں جو اپنے ہاتھ سے کام کرتی اور اپنی تیار کردہ مصنوعات کو بیچا کرتی تھیں، اور اس کی آمدن کو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کیا کرتی تھیں۔ دیگر اسلام لانے والوں کے ساتھ انہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی رسول اقدس ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا اور یہ غزوہ خیبر میں شریک ہوئیں۔[۵۲]

خدمت احادیث:

حضرت زینب ثقفیہؓ ان فاضل صحابیات میں سے تھیں جنہوں نے احادیث نبوی ﷺ کو زبانی یاد کرنے کی سعادت حاصل کی، ان سے آٹھ احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ، اپنے خاوند حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ سے احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا، حضرت زینبؓ سے ان کے بیٹے ابو عبیدہؓ اور ان کے بھتیجے بسر بن سعیدؓ نے احادیث روایت کرنیکی سعادت حاصل کی۔[۵۳]

حضرت زینبؓ سے روایت کردہ احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورت کو گھر سے باہر جاتے وقت خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے۔ طبقات ابن سعد میں بسرؓ بن سعید سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب ثقفیہ نے بتایا کہ

رسول کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: کہ جب آپ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے گھر سے روانہ ہوں تو خوشبو نہ لگائیں۔[۵۴]

اُم حبیبہ:

تعارف:

(وفات ۴۴ھ/ ۶۶۴) اُم المومنین رملہؓ بنت ابو سفیانؓ بعثت نبوی ﷺ سے سترہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔[۵۵]

نام ونسب:

نام رملہؓ، کنیت اُم حبیبہؓ، حضرت ابو سفیانؓ کی صاحبزادی ہیں، سلسلہء نسب یوں ہے رملہؓ بنت ابی سفیانؓ صخر بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہؓ بنت ابی العاصؓ تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔سیدہ ام حبیبہؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بہن تھیں اور حضرت عثمانؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔[۵۶]

نکاح:

حضرت اُم حبیبہؓ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش بن رباب ؓ سے ہوا۔ دونوں نے بعثت نبویؐ کے ابتدائی دور میں اکٹھے ہی اسلام قبول کیا۔[۵۷]

ہجرت و اسلام اور حرم نبویؐ میں آمد:

ہجرت حبشہ میں شرکت کی۔شوہر کے عیسائی ہو جانے پر علیحدگی اختیار کر لی۔آنحضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے شاہ حبش نجاشی کے ذریعے نکاح کا پیغام بھجوایا۔[۵۸]

نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سیدہ اُم حبیبہؓ کو پیغام بھیجا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے۔تم کوئی اپنا وکیل مقرر کر دو تا کہ یہ تقریب انجام پا جائے۔سیدہ اُم حبیبہؓ نے یہ خوشخبری سنانے کی خوشی میں ابرہہ کو دو چاندی کے کنگن اور سونے کی انگوٹھیاں دیں اور خالد بن

سعید بن العاصؓ کو اس کی اطلاع دی اور انہی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا۔ اور رسول کریم ﷺ کی طرف سے چارسو دینار مہر ادا کیا۔[۵۹]

حضرت خالدؓ بن سعید نے کھڑے ہو کر کہا میں بھی ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس کے بعد نجاشی نے یہ کہہ کر ولیمہ کا اہتمام کیا کہ بیٹھے رہو۔ انبیاء کرام کی سنت یہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو شادی کا کھانا کھلاتے ہیں۔ اُس رات اُم حبیبہؓ بڑی خوش اور مطمئن سوئیں انھیں اللہ تعالیٰ نے انعام دیا کہ آج رات سے وہ اُم المومنین بن گئیں ہیں۔[۶۰]

یہ نکاح چھ ہجری کے اواخر میں ہوا۔ سیدہ اُم حبیبہؓ حبشہ سے مدینہ منورہ آ گئیں، آپؓ نے یہ سفر بذریعہ بحری جہاز کیا اور مدینہ کی بندرگاہ پر اُتریں۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے تھے۔ جب اس نکاح کی خبر ابو سفیانؓ کو ہوئی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تو اپنی ہار مان گئے۔ چونکہ اس وقت تک وہ خود آنحضورؐ سے لڑتے تھے اور مشرکین مکہ کو بھی آنحضرت ﷺ سے لڑاتے تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کا نام تک مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کو یہ کہاں منظور تھا کہ ان کی صاحبزادی پیغمبر اسلام ﷺ کے نکاح میں جائیں۔ نکاح کی خبر سن کر یوں بولے:

''محمد ﷺ جواں مرد ہیں۔ ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی یعنی ادھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں۔ ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی ہے۔ اس بات کو کہنے کا مقصد اپنی ہار ماننا ہے''۔[۶۱]

علم حدیث میں اُم حبیبہؓ کی خدمات:

اُم المومنین اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ علم وفضل اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ امہات المومنین میں علم حدیث کے حوالے سے تیسرے درجے پر فائز تھیں کیونکہ پہلا درجہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کا تھا اور دوسرا درجہ اُم المومنین اُم سلمہؓ کا تھا۔

اُم حبیبہؓ سے امیر معاویہؓ، عبد اللہ بن عتبہ بن ابی سفیانؓ، عروہ بن زبیرؓ، سالم بن سوار ابن الجراح نے حدیث روایت کی ہے۔ اور خواتین میں سے زینب بنت اُم سلمیٰ مخزومیہ اور صفیہ بنت شیبہ عبدریہ نے روایت کیا۔ اُم حبیبہؓ سے ۶۵ احادیث مروی ہیں۔[۶۲]

بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ جو چیز آگ پر پکی ہو اس کو کھا کر وضو کرنا چاہیے لیکن اُم حبیبہؓ نے اپنی اس حدیث سے ان کی رہنمائی یوں فرمائی:

> انہوں نے کہا نہیں بات یہ تھی کہ آنحضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں آگ کا پکا ہوا کھانا ہم کو کم ملتا (اکثر کھجور یا دودھ پر اکتفاء کرتے اور جب ملتا بھی تو (اس زمانہ میں) ہم لوگوں کے پاس تو ال نہ تھی یہی ہماری ہتھیلیاں تھیں، بازو، پاؤں وغیرہ (انہیں پر ہاتھ رگڑ لیتے) پھر نماز پڑھتے، وضو نہ کرتے۔[۶۳]

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ! کیا آپ کو (دوسری) بنت ابو سفیان میں کوئی دلچسپی ہے؟ فرمایا، پھر میں کیا کروں؟ میں نے عرض کی: نکاح کر لیجیے۔ فرمایا، کیا تم یہ چاہتی ہو؟ میں عرض گزار ہوئی: کہ میں آپؐ کے پاس اکیلی ہوں لہذا میں چاہتی ہوں کہ میری بہن بھی میرے ساتھ شریک ہو جائے۔ ارشاد فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔ میں عرض گزار ہوئی کہ میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے اُم سلمہؓ کی لڑکی کیلئے پیغام دیا ہے؟ فرمایا: اُم سلمہؓ کی لڑکی سے؟ میں نے عرض کی ''ہاں'' فرمایا۔ اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی تب بھی میرے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ مجھے اور اس کے والد کو ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ لہذا میرے لیے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو پیش نہ کیا کرو۔[۶۴]

حضرت اُم حبیبہؓ حضور اکرم ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو اپنے لیے راہ ہدایت سمجھ کر اس پر عمل کرتیں تھیں اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس پر قائم رہیں۔

مسلمانوں کی ماں رسول کریم ﷺ کی بی بی اُم حبیبہؓ نے رسول کریم ﷺ سے سنا کہ کوئی بندہ مسلمان ایسا نہیں کہ اللہ کے واسطے ہر دن میں بارہ رکعت خوشی سے پڑھے سوائے فرض کے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے واسطے ایک گھر جنت میں بناتا ہے یا فرمایا اُس کے لیے ایک گھر جنت میں بنایا جاتا ہے۔ حضرت اُم حبیبہؓ نے فرمایا میں اُس دن سے ہمیشہ بارہ رکعت پڑھتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سننے کے بعد سیدہ ام حبیبہؓ نے کبھی یہ نوافل ترک نہیں کیے۔[۶۵]

ایک مرتبہ حضرت اُم حبیبہؓ نے کہا یا اللہ مجھ کو فائدہ اُٹھانے دے میرے خاوند رسول اللہ ﷺ سے اور میرے باپ ابو سفیانؓ اور میرے بھائی معاویہؓ سے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ

سے وہ چیزیں مانگیں جن کی میعاد مقرر ہو چکی اور دن معین ہو گئے اور روزیاں بٹ گئیں کسی چیز کو اللہ تعالیٰ اس وقت سے پیشتر نہیں کرے گا اور نہ اس کے وقت سے دیر میں کریگا اگر تو اللہ سے یہ مانگتی کہ تجھ کو دوزخ کے عذاب سے بچائے یا قبر کے عذاب سے تو بہتر ہوتا یا افضل ہوتا ۔ اور آپ کے سامنے ذکر آیا بندروں کا اور سوروں کا کہ وہ آدمی جو مسخ ہو گئے تھے ۔ آپؐ نے فرمایا جو لوگ بندر اور سور ہو گئے تھے، ان کی نسل یا اولاد نہیں ہوئی اور بندر اور سور تو ان سے پہلے بھی موجود تھے ۔[۶۶]

حضرت اُم حبیبہؓ سے روایت ہے کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور عبید اللہ حبش کے ملک میں مر گئے ،تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول کریم ﷺ کے ساتھ کر دیا ۔ اور اُم حبیبہؓ کا مہر آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مقرر کر کے ان کو حسنہ کے بیٹے شرجیل کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا، امام ابو داؤد نے کہا حسنہ شرجیل کی والدہ ہے ۔[۶۷]

میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کریں مگر خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کریں ۔ ایک مرتبہ زینبؓ بنت ابی سلمہ اُم المومنین اُم حبیبہؓ پاس گئی جو آنحضرتؐ کی بی بی تھیں انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے ۔ جو عورت اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں مگر خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ کرے ۔ پھر اُم المومنین زینبؓ بنت جحش پاس گئی جب ان کے بھائی مر گئے تھے انہوں نے خوشبو منگوائی اور لگائی ۔ پھر فرمانے لگیں مجھے خوشبو کی کونسی ضرورت ہے ۔ بات یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے جو عورت اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں مگر خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ کرے اُم حبیبہؓ کی سوگ سے متعلق احادیث صحیح بخاری جلد اول میں ہیں ۔[۶۸]

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ :

ذات النطاقین :

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی، ملقب بہ ذات النطاقین ہجرت سے ۲۷ سال قبل قتیلہ بنت عبد العزیٰ کے بطن سے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں ۔ ان کا شمار اسلام لانے میں سبقت لے

جانے والوں میں ہوتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ ہجرت کا آغاز کیا اور مکہ کے قریب غار ثور کو اپنا پہلا مسکن بنایا تو حضرت اسماءؓ رات کے وقت وہاں سامان خورد و نوش بہم پہنچایا کرتی تھیں۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ کو ہجرت کرنے لگے تو اسماء بنت ابی بکرؓ نے آپؐ کا توشہ تیار کیا مگر نہ توشہ باندھنے کے لیے کوئی کپڑا تھا نہ پانی کا مشکیزہ باندھنے کو، آخر اسماءؓ نے ابو بکرؓ سے کہا خدا کی قسم! باندھنے کو کوئی کپڑا نہیں ہے، میری کمر باندھنے کا کپڑا ہے ابو بکرؓ نے کہا: اسی کو دو ٹکڑے کر لے ایک سے مشکیزہ باندھ دے اور دوسرے سے توشہ۔ میں نے ایسا ہی کیا (راوی نے کہا) اس لیے اسماءؓ کو ذات النطاقین کہا جانے لگا۔ اسماءؓ کی شادی زبیر بن عوامؓ سے ہوئی۔[۶۹]

علم حدیث میں اسماءؓ کی خدمات:

حضرت اسماءؓ ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے کثرت کے ساتھ روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے ۵۸ اور بعض جگہ ۵۶ آیا ہے احادیث روایت کیں اور اُن سے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ نے روایت کیا۔ ان سے بعض مرویات ہماری نظروں سے گزری ہیں۔ حضرت اسماءؓ فقیہ اور عالم فاضل صحابیات میں سے تھیں۔ ان کے علم اور فقہ کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو ان کے پوتے عبداللہ بن عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں، کہ میں نے اپنی دادی حضرت اسماءؓ سے کہا: صحابہ کرامؓ جب قرآن سنتے تھے۔ تو اُن کا کیا حال ہوتا تھا۔

فرمایا:

اُن کی آنکھیں آنسو بہاتیں اور اُن کے جسم کانپنے لگتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کیا ہے۔ میں نے کہا دادی جان یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جب اُن میں سے کوئی قرآن سنتا ہے۔ تو غش کھا کر گر پڑتا ہے۔

یہ سن کر انہوں نے کہا:

”میں پناہ مانگتی ہوں اللہ کے حضور شیطان مردود سے“

حضرت اسماءؓ نے ان لوگوں کے طرز عمل کو معیوب سمجھا کہ یہ لوگ قرآن حکیم کو سمجھنے سے قاصر

ہیں۔یہ فہم سلیم سے محروم ہیں اور قرآن کیساتھ ان کا سلوک درست نہیں۔حضرت اسماءؓ کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ صحیح نہج پر دل ملا ہوا تھا اس کی گواہی ان کے خاوند حضرت زبیرؓ دیتے ہیں کہ ایک روز میں اسماءؓ کے پاس آیا وہ نماز پڑھ رہی تھی۔اس نے اپنی نماز کا آغاز سورۃ طور سے کیا تھا۔

میں گھر سے باہر گیا اس وقت وہ اس آیت پر پہنچی تھی۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ[۱]

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز وتند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔

میں نے وہاں کھڑے ہو کر دیکھا کہ وہ اللہ سے پناہ مانگ رہی تھی۔ میں بازار چلا گیا۔پھر واپس آیا تو وہ اسی آیت کو بار بار دہرا رہی تھی اور بدستور نماز پڑھ رہی تھی۔

حضرت اسماءؓ کی عالمانہ شان اور قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ماں سے بھی حضورؐ سے پوچھے بغیر ملنا گوارا نہیں کیا صرف اس لیے کہ وہ مشرک تھی۔ اسماء بنت ابی بکرؓ نے کہا میری ماں جو مشرک تھی (قتیلہ) اپنے باپ (حارث بن مدرکہ) سمیت اس زمانے میں میرے پاس آئی جب آنحضرت ﷺ اور قریش کے کافروں میں صلح تھی تو میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا یا رسول اللہ! میری ماں آئی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اُس سے کچھ سلوک کروں۔کیا میں اُس سے اچھا سلوک کروں آپؐ نے فرمایا ہاں اچھا سلوک کر۔[۱]

سورہ **الممتحنہ** میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے''۔[۲]

یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے جیسے حضرت اسماءؓ نے رسول کریم ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی کا پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔[۳]

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سُنا آپ ؐ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال چل سکتا ہے یا (فرمایا) اس کے سائے میں سو سوار آرام کر سکتے ہیں (یحییٰ کو شک ہے) اس میں سونے کے گھونسلے ہیں اور اس کے پھل مٹکوں جتنے ہیں۔[۴]

اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، کہ رمضان میں ایک دن ہم نے افطار کیا، بدلی اور ابر میں رسول کریم ﷺ کے وقت میں پھر سورج نکل آیا ابو اُسامہ نے کہا۔ میں نے ہشام سے کہا، پھر قضاء کا حکم ہو گا۔ انہوں نے کہا قضاء تو ضرور ہے۔[۵]

آنحضرت سے حضرت اسماءؓ نے جو احادیث روایت کی ہیں وہ صحیحین سنن میں موجود ہیں۔ راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

عبداللہ، عروہ، عباد بن عبد اللہ، عبداللہ بن عروہ، فاطمہ بنت المنذر، ابن زبیر، عبادہ بن حمزہ بن عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، بو بکر و عامر (پسران ابن زبیر) مطلب بن حطب، محمد بن منکدر، مسلم، مصری، ابو نوفل ابن ابو عقرب رضی اللہ عنہم۔[۶]

حفصہؓ بنت عمرؓ:

نام و نسب:

یہ اُم المومنین حضرت حفصہ، عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی ہیں اور ان کی والدہ زینب ہیں جو مظعون کی بیٹی ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے حفصہ خُنیس بن خذاذہی کی بیوی تھیں اور خُنیس کے ہمراہ ہجرت کر گئی تھیں۔ لیکن خُنیس کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہو گیا۔ جب ان کے زوج خُنیس وفات پا گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے رشتہ کا تذکرہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی نے قبول کرنے کی جراٴت نہیں کی۔ پھر آنحضور ﷺ نے یہ رشتہ منظور فرما لیا اور نکاح میں لے آئے۔ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ آنحضور ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی تھی۔ لیکن جب آپ پر یہ وحی

نازل ہوئی کہ حفصہؓ سے رجوع کرلو کیونکہ وہ بہت روزہ رکھتی ہیں۔ رات کو عبادت کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ رہیں گی تو آپ نے حضرت حفصہؓ سے رجوع کرلیا۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کی وفات شعبان ۴۵ھ میں ہوئی جب ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔[۴۷]

سیدہ حفصہؓ سے ساٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ ان کو تعلیم و تفہیم کا بڑا شوق تھا۔ بہت سی صحابیہ و تابعی خواتین ان کے حلقۂ تلامذہ میں داخل رہیں۔ رسول کریم ﷺ نے سیدہ حفصہؓ کی تعلیم کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا۔ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو لکھنا سکھانے کے لیے حضرت شفاء بنت عبداللہ کو مقرر کیا۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں بھی سیدہ حفصہؓ کی خدمات میں عمرو بن رافع کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے لیے مصحف لکھا کرتا تھا۔ حضرت شفاءؓ نے آنحضرت ﷺ کے کہنے پر حضرت حفصہؓ کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر سکھایا تھا۔[۴۸]

حضرت حفصہؓ سے مروی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ اس کے کل غلام آزاد ہیں اگر اس کا خاوند اس کے غلام اور اس کی بیوی میں تفریق نہ کر دے تو اس عورت پر کفارہ لازم ہے۔ مرد تفریق نہ کرے۔ اثرم نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ ابو رافع نے انھیں خبر دی ہے کہ ان کی مالکہ جن کا نام لیلیٰ عجما تھا۔ اُس نے قسم کھائی کہ اگر تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی تو میرے کل غلام آزاد ہیں اور میرا کل مال صدقہ ہے اور میں یہودیہ ہوں اور نصرانیہ ہوں۔ میں حضرت زینبؓ بنت اُم سلمہ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے گیا۔ اس لیے کہ میری یہ مالکہ اکثر ان کا ذکر کرتی تھیں اور ان کی فقہ کی تعریف کیا کرتی تھیں۔ میری بات سن کر وہ میرے ساتھ میرے مکان میں آئیں اور فرمانے لگیں کیا اس گھر میں ہاروت ماروت قید ہیں؟ میری اس مالکہ نے اب اپنا واقعہ اور اپنی قسم ان سے بیان کی تو اُنہوں نے کہا واہ واہ یہودیہ اور نصرانیہ؟

> چھوڑ اس شخص کو اور اس کی بیوی کو ملا جلا رہنے دے۔ پھر میں اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گیا۔ اُم المومنین نے اُسے بلوایا اُس نے جا کر ان سے بھی کل واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بھی فتویٰ دیا کہ یہ قسم کوئی چیز نہیں یہ دونوں میاں بیوی بن کر رہیں۔ اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے

پاس گیا وہ میرے ساتھ میرے گھر آئے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا
میری مالکہ نے ان سے بھی معاملہ بیان کر کے فتویٰ دریافت کیا تو آپ
نے فرمایا تم پتھر کی ہو یا لوہے کی؟ آخر ہو کس چیز کی؟ تمہیں حضرت زینب
نے فتویٰ دیا پھر اُم المومنین نے فتویٰ دیا پھر بھی تمہاری سیری نہ ہوئی؟ اس
نے پھر سے اپنے الفاظ دہرائے کہ میں تو اتنے سخت الفاظ اپنی زبان سے
نکال چکی ہوں۔ فرمایا: ہاں، ہاں یہودیہ! اور نصرانیہ اپنی قسم کا کفارہ دے
اور اسے اور اس کی بیوی کو ملا جلا رہنے دے۔[۷۹]

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کاہن اور نجومی کے پاس جائے اور اُس سے کچھ دریافت کرے اسکی چالیس دن رات کی نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔[۸۰]

حفصہؒ بنت سیرین کے صاحبزادہ ہذیل سردی کے موسم میں انگیٹھی میں لکڑی جلا کر کمرے کو اپنی والدہ کے لئے گرم کرتے تھے تاکہ موصوفہ اس کے ذریعہ تسکین محسوس کریں وہ برابر عبادت اور نماز میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ جب ان کے بیٹے فوت ہو گئے تو فرماتی تھیں کہ بتوفیق الٰہی میں نے کافی حد تک صبر و تحمل سے کام لیا مگر پھر بھی بعض اوقات بے ساختہ دل پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی مزید فرماتی ہیں کہ ایک رات میں سورۃ نحل پڑھ رہی تھی کہ ان آیات پر پہنچی:

''اور تم لوگ عہد خداوندی کے بدلے میں تھوڑی قیمت مت حاصل کرو۔
بس اللہ کے پاس جو چیز ہے وہی تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے اگر تم سمجھ بوجھ
رکھتے ہو۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس
ہے وہ دائم و قائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں
کے عوض ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے''۔[۸۱]

میں ان آیات کو بار بار لوٹا کر پڑھتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری گھبراہٹ والی وہ کیفیت دور فرما دی۔

حفصہؒ رات بھر لمبی نمازیں پڑھتی تھیں کثرت رنج و الم اور حزن و ملال نے انکے دل کو دنیا کی

رنگینوں اور دلفریبیوں سے بیگانہ کرکے خالق ارض و سماء کے ساتھ منسلک کردیا۔ جب سارے رشتے ناپائیدار نظر آئے تو دل نے خالق کائنات سے پائیدار رشتہ جوڑ لیا۔ چنانچہ انہوں نے سربسجود ہو کر کہا ''اے مالک حقیقی! بس تو ہی ہے اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے''۔[۸۲]

حضرت اُم عطیہؓ بنت حارث :

نام ونسب: نسیبہ بنت حارث نام، انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں۔

قبول اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرتﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔ عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی۔ اس کے بعد حضرت اُم عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا۔[۸۳]

جب انصاری خواتین کا حفظ کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے تو حضرت اُم عطیہؓ ان خواتین میں شمار کی جاتی ہیں جنہوں نے خوب اچھا نام پایا۔ حضرت اُم عطیہؓ نے رسول اللہﷺ سے چالیس احادیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ جن میں سے چھ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ ایک ایک حدیث میں دونوں منفرد ہیں۔ حضرت اُم عطیہؓ کے حوالے سے مروی احادیث سنن اربعہ میں مذکور ہیں۔

حضرت اُم عطیہؓ سے حضرت انس بن مالکؓ نے حدیث روایت کی اور اس طرح جلیل القدر تابعین میں سے حفصہؓ بنت سیرین، اس کے بھائی محمد بن سیرین عبدالملک بن عمیر، علی بن اقمر شرجیل اور بعض دیگر تابعین نے حضرت اُم عطیہؓ سے حدیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔[۸۴]

بیعت کے وقت حضرت اُم عطیہؓ نے حضورﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں (کسی مرگ کے موقع پر) آکر نوحہ کر چکے ہیں۔ قبائلی رواج کے مطابق مجھ کو بھی اس کے بدلہ میں

ان کے ہاں جا کر نوحہ کرنا ضروری ہے۔اس کے لیے آپ مجھے بطور خاص اجازت مرحمت فرما دیں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت اُم عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔ان کا مطلب یہ ہے کہ استثناء حضرت اُم عطیہؓ کے لیے خاص تھا۔ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے، اپنی جگہ پر ثابت ہے۔لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال گزر چکا ہے۔[۸۵]

اگر چہ اسلام میں خواتین کو جنازے کے پیچھے چلنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں زیادہ زور نہیں دیا گیا۔حضرت اُم عطیہؓ سے روایت ہے، کہ ہم جنازوں کے پیچھے چلنے سے کی گئیں اور ہم پر تاکید نہ کی گئی (اس کے منع میں)۔[۸۶]

حضرت اُم عطیہؓ نے اپنی ذہانت و فطانت کی بدولت حضور اکرم ﷺ کے ہاں وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ حضور ﷺ ہر معاملے میں انہیں اہمیت دیتے تھے اور شریک ٹھہراتے تھے۔اُم عطیہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی نے انتقال کیا تو آپ ﷺ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ان کو غسل دو تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ مناسب دیکھو تو پانی اور بیری کے پتے سے اور اخیر میں کافور بھی شامل کرو اور تم جب غسل سے فارغ ہو تو مجھے اطلاع دو کہا حضرت اُم عطیہؓ نے جب غسل سے ہم فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے اپنا تہہ بند ہمیں دیا اور کہا کہ یہ ان کے بدن پر لپیٹ دو۔یہ تہہ بند آپ ﷺ نے تبرک کے طور پر دیا۔وہ تہہ بند ہم نے ان کے بدن پر لپیٹ دیا اور ان کے سر کے بالوں کی تین لٹیں کر دیں۔[۸۷]

حضرت اُم سلمیٰؓ:

تعارف:

(۲۸ قبل ھ / ۵۹۵ء۔۵۹ھ/ ۶۷۹ء) اُم المومنین ہند بنت ابو اُمیہ حذیفہ بنی مخزوم سے تھیں۔ والدہ کا نام عاتکہ تھا۔[۸۸]

آپ کا اصلی نام ہند، اور کنیت اُم سلمہؓ، لیکن آپؓ اپنی کنیت کی وجہ سے زیادہ معروف ہیں اس لیے اُم سلمہؓ ہی نام پڑ گیا۔[۸۹]

ان کا پہلا نکاح چچیرے بھائی ابو سلمہ بن عبد الاسد سے ہوا۔ آغاز نبوت ہی میں دونوں میاں بیوی اسلام لائے۔ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں۔ اور اصلاح احوال کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئیں۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملی تو ابو سلمہؓ کے ساتھ آپ بھی نکلیں لیکن سسرال والے ان کے بیٹے کو چھین کر لے گئے۔ دوسری طرف بنومغیرہ آپ کے راستے میں حائل ہو گئے چنانچہ ابو سلمہ نے اکیلے ہی ہجرت کی۔ آپ شام کو اس جگہ پہنچتیں جہاں شوہر سے جدائی ہوئی تھی اور روتی تھیں۔ چند روز بعد بنومغیرہ نے ان کا بچہ ان کے حوالے کر دیا تو انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ ابو سلمہؓ سے آپؓ کے دو لڑکے سلمہ اور عمر اور دو لڑکیاں زینب اور رقیہ تھیں۔

حضرت ابو سلمہؓ ایک جانباز، بہادر سپاہی اور شہسوار تھے۔ ۳ ہجری میں جنگ احد میں وہ نہایت بہادری سے لڑے مگر ان کا بازو ایک زہریلے تیر سے شدید زخمی ہو گیا۔ اس حالت میں ۴ ہجری میں وفات پائی۔ عدت گزرنے کے بعد نکاح کے بہت سے پیغام آتے رہے لیکن آپ انکار کرتی رہیں۔ بالآخر آنحضور ﷺ نے آپ کو پیغام بھجوایا اور ۴ھ کو ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔ آپ آنحضورؐ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

اُمہات المومنین میں سب سے زیادہ عمر آپ ہی نے پائی۔ وفات کے بعد بقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ بڑی بلند سیرت اور فیاض تھیں نہایت دانا اور معاملہ فہم تھیں۔ فہم مسائل میں خاص ملکہ تھا۔ آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صنفِ نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے میں اُم سلمہؓ کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ان سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔[۹۰]

علم حدیث میں حضرت اُم سلمیٰؓ کی خدمت:

سیدہ اُم سلمہؓ نے حضور ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد ان کی قربت سے بہت فائدہ اُٹھایا اور آپ ﷺ کے ارشادات کو محفوظ کرتی رہیں اور علمی استفسارات کے ذریعہ اپنا علم بڑھاتی رہیں۔ پھر انہوں نے اس علم کی نشر و اشاعت بھی کی۔ علم حدیث میں ان کے شاگردوں میں صحابہؓ اور تابعینؒ بھی

شامل ہیں۔

اُم المومنین سیدہ عائشہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بھی ان کے شاگردوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ تین سو اٹھہتر حدیثیں سیدہ اُم سلمہؓ سے مروی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ملفوظات و ارشادات کو تمام ازواج مطہرات، یاد کرتی تھیں۔ مگر سیدہ اُم سلمہؓ اور سیدہ عائشہؓ کے ہم پلہ کوئی نہیں تھیں۔ [۹۱]

سیدہ اُم سلمہؓ کو احادیث کی سماعت کا بہت شوق تھا۔ حضور ﷺ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو وہ پورے انہماک کے ساتھ اُسے سنتیں اور پھر زبانی یاد کر لیتیں جس کا اندازہ حضرت اُم سلمہؓ کی اس حدیث سے ہوتا ہے، سیدہ اُم سلمہؓ کو حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا، ابھی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ''یا ایھاالناس'' ہی نکلا تھا کہ مشاطہ کو حکم دیا کہ بال باندھ دو اس نے کہا اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو آپ ﷺ نے ''یا ایھا الناس'' ہی کہا ہے، سیدہ اُم سلمہؓ عنہا کھڑی ہو گئیں، اپنے بال خود باندھے اور ناراض ہو کر بولیں کیا ہم ''یا ایھا الناس'' میں شامل نہیں۔ اس کے بعد مکمل توجہ اور خشوع و خضوع سے پورا خطبہ سنا۔ [۹۲]

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ نا قابل شکست ہے۔ اہل ایمان باہمی تعلقات میں اس طرح بندھے اور جڑے ہوتے ہیں جس طرح جسم کے اعضاء باہم دگر گوں ہوتے ہیں کہ جسم انسانی کے کسی حصے کو اگر تکلیف ہوتی ہے تو اس کا درد سارے جسم میں محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی مومن کسی دکھ یا مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو سب مومنوں کو اس تکلیف کی شدت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کے ازالے کے لیے سراپا تعاون بن جاتے ہیں۔

مومنوں کے اتحاد و یگانگت کی مثال تو ایسی ہے جیسے عمارت کی اینٹیں۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ میں پھنس کر عمارت کو مضبوط و مستحکم بنا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان بھی دوسرے مسلمان کی تقویت اور تائید کا باعث بنتا ہے نہ کہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

میں بھی انسان ہوں، تم اپنے جھگڑے کے فیصلے میرے پاس لے آتے ہو۔

مقدمے کے فریقین میں سے ایک زیادہ باتونی اور چرب زبان ہوتا ہے میں تو
جو سنوں گا اُسی کے مطابق فیصلہ دے دوں گا لیکن یاد رکھو اگر میں نے کسی کو اس
کے بھائی کا حق دلوا دیا تو گویا میں نے اُسے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیدیا۔[۹۳]

دور جاہلیت کے عرب قبائل شاہانہ طرز زندگی اپنائے ہوئے تھے یہاں تک کہ کھانے پینے کے لیے جو برتن وہ استعمال کرتے تھے وہ بھی چاندی کے ہوتے تھے۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔اُم المومنین حضرت اُم سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جوشخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں غٹ غٹ جہنم کی آگ اُتارتا ہے۔[۹۴]

مسلمان عورت کے لیے پردے کا حکم بھی ان امتیازات میں سے ہے جس میں وہ مردوں سے ممتاز ہے۔اسی وجہ سے اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے۔اس کا مقصد مسلمان عورت کا تحفظ ہے۔ مسلمان عورت کی عزت و ناموس اور اس کی کرامت و نجابت کی حفاظت اور اس کو شبہات سے بچانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تو مرد اور عورت کو باہمی اختلاط سے روک دیا ہے اور دوسرے عورت کے لیے حجاب (پردے) کی پابندی کو ضروری قرار دیا ہے۔ پس عورت کے لیے پردہ ایسے درخت کی حیثیت رکھتا ہے جس کے سائے میں وہ سکون محسوس کرتی اور اس کے دامن میں پناہ حاصل کرتی ہے۔ پردے کا حکم کس حد تک ہے اس کا اندازہ حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث سے ہوتا ہے۔

اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت میمونہؓ رسول خُدا ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ یکایک اُم مکتوم کے (نابینا) بیٹے آپ کی خدمت میں تشریف لائے رسول خُدا ﷺ نے فرمایا (اے اُم سلمہ و میمونہؓ) تم دونوں ان سے پردہ کرو (اُم سلمہؓ کہتی ہیں) میں نے عرض کیا اے رسول خُدا ﷺ! یہ تو اندھے ہیں ہمیں دیکھتے نہیں۔ آپ نے جواب دیا کیا تم دونوں بھی اندھی ہو کہ اُسے نہیں دیکھ سکتیں۔[۹۵]

حضرت اُم سلمہؓ حضور اکرم ﷺ کی ہم شناس ہونیکی وجہ سے ہر مسئلے کے متعلق آسانی سے فتویٰ دے دیتیں تھیں کہ کونسے موقع پر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

اُم سلمہؓ سے روایت ہے، کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قربانی ہو اور وہ اُس کو ذبح کرنا چاہتا ہو عید کے روز تو جب سے چاند ہو ذوالحجہ کا وہ اپنے بال اور ناخن نہ کترائے یہاں

تک کہ قربانی کرے۔[۹۶]

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے نبی کریمؐ کی خدمت میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا آپ نے اسے تناول فرمایا اور پھر وضو کیے بغیر نماز کے لئے تشریف لے گئے ۔ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا جن احادیث میں اس قسم کا کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے۔ وہاں محض ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ اصطلاحی وضو مراد نہیں ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں تھے آپ نے ایک پیش خدمت لڑکی کو بُلایا جو آپ کی خادمہ تھی یا شاید بی بی، اُم سلمہؓ کی، لڑکی نے آنے میں دیر لگائی، تو رسول کریم ﷺ کے چہرے مبارک پر ناخوشگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، بی بی اُم سلمہ اُٹھ کر پردہ کے پاس گئیں تو دیکھا کہ لڑکی مسواک سے کھیل رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر قیامت کے دن پاداش کا خطرہ نہ ہوتا تو اسی مسواک سے تجھے مارتا''۔

محمد بن الہشیم نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ لڑکی کسی جانور سے کھیل رہی تھی، جب حضرت اُم سلمہؓ اسے لیکر نبی کریمؐ کی خدمت میں آئیں تو کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! یہ قسم کھاتی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی آواز نہیں سُنی ، اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ لڑکی کے ہاتھ میں اس وقت مسواک تھی ۔[۹۷]

ایک بار حضرت جبرائیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے پاس بی بی اُم سلمہؓ بیٹھی تھیں، وہ آنحضرت ﷺ سے باتیں کرنے لگے، آنحضرت ﷺ نے بی بی اُم سلمہؓ سے پوچھا (تم جانتی ہو) یہ کون ہیں، انہوں نے کہا وحیہ کلبیؓ ہیں۔ اُم سلمہؓ فرماتی ہیں ہیں جب تک حضور اکرم ﷺ مسجد میں جانے کے لیے کھڑے ہوئے، میں یہی سمجھتی رہی کہ وہ وحیہ تھے، یہاں تک کہ میں نے آنحضرت ﷺ کا خطبہ سنا آپ ﷺ نے جو باتیں اس شخص سے کی تھیں وہ جبرائیل کی طرف منسوب کیں۔ معتمر کہتے ہیں میرے والد سلیمان نے کہا میں نے ابو عثمان نہدی سے پوچھا تم نے یہ حدیث کس سے سنی، انہوں نے کہا اسامہ بن زید سے۔[۹۸]

حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ :

نام ونسب :

شفاء نام، قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، شفاء بنت عبد اللہ بن عبدشمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی ابن کعب بن لوئی، والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح : خشمہ بن حذیفہ عدی سے نکاح ہوا۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔

خدمت احادیث :

حضرت شفاءؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جنکی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک ۱۲ ہے۔ راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابو بکر و عثمان اور ابو سلمہ، حضرت حفصہؓ اور ابو اسحاق شامل ہیں۔

وفات : وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد : اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل وکمال :

> جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا۔ جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرتؐ سے انہوں نے استغناء کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی تھی، اور فرمایا تھا کہ حفصہؓ کو بھی سکھا دو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا۔ چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں :
>
> **بسم اللہ صلو صلب جبر تعو زا من افوا ھھا فلا تفر احدا اللھم اکشف الباس رب الناس** [99]

حضرت ربیع ؓ بنت معوذ بن عفراء :

نام ونسب :

ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے، ربیع بنت معوذ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام اُم تزید تھا، جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھیں، حضرت ربیعؓ اوران کے تمام بھائی عفراء کی اولا دمشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔[۱۰۰]

حضرت معوذ بن عفراء کی بیٹی الربیع کی شادی خانہ آبادی ایاس بن بکیر لیثی سے ہوئی جومشہور اورکبار مہاجرین میں سے تھے۔اس شادی کے نتیجے میں محمد بن ایاس پیدا ہوئے ۔حضرت الربیع بنت معوذؓعظیم المرتبت خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ رسول اقدس ﷺ کبھی کبھاران کے گھر بھی تشریف لے آیا کرتے تھے۔اگر یہ کوئی تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتی تو آپ اُسے بخوشی قبول کرلیا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا شرف ہے جس میں جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔جس روز اس عظیم المرتبت خاتون کی شادی ہوئی مبارکباد دینے کے لئے رسول اقدس ﷺ خودان کے گھر تشریف لائے ۔[۱۰۱]

خدمت احادیث :

حضرت ربیع ؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ اورحضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں ، مثلاً عائشہؓ بنت انس بن مالک ،سلیمان بن یسار ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نافع، عبادہ بن الولید ، خالد بن زکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسرکے پوتے) محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان۔[۱۰۲]

حضرت ربیعؓ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بعض اوقات ان کے گھر آتے، وضو کرتے، نماز ادا کرتے، کھانا کھاتے اورقدرے آرام کیا کرتے ۔اس سے کئی شرعی احکامات اس خاتون جنت کے علم میں آتے۔ کبارصحابہ کرامؓ اسی وجہ سے ان کی بہت قدرکیا کرتے تھے۔ مشاہدات اوراحادیث سننے کا اکثر ان سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ربیع بنت معوذؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لاتے، مجھے پانی لانے کا حکم دیتے، میں اس کا اہتمام کرتی، میں آپ کو وضو کراتی۔ پھر اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں آپ نے تین مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ دھوئے تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔ ایک ایک مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین تین مرتبہ دھوئے۔ سر کا مسح دو مرتبہ اس طرح کیا کہ پیشانی سے پیچھے گردن کی طرف لے گئے اور واپس لائے۔ اور دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی جانب انگلیاں پھیریں اور تین مرتبہ اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔[۱۰۳]

ربیع بنت معوذ بن عفراء سے انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ میرے جلوے کے روز (جس روز ان کے خاوند نے ان سے صحبت کی) میرے پاس تشریف لائے اور میرے بچھونے پر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (یہ ربیع نے خالد سے کہا) اور کچھ چھوکریاں اس وقت دف بجا رہی تھیں۔ بدر کے دن جو ان کے بزرگ مارے گئے، ان کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ ایک چھوکری ان میں (گاتے گاتے) یہ کہنے لگی: ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے یعنی کل کیا ہوگا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ مت کہہ اور پہلے جو کہہ رہی تھی وہ کہہ۔[۱۰۴]

اُم سلیمؓ:

نام و نسب :

سہلہ یا رملہ نام، اُم سلیم کنیت، غمیصا اور رمیصاء لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، اُم سلیم بنت ملحان بن خالد یزید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیکتہ بنت مالک بن عدی بن یزید مناۃ تھا، آبائی سلسلہ سے حضرت اُم سلیمؓ سلمہ بنت یزید کی پوتی تھیں، سلمٰی، عبد المطلب جدِ رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھیں، اسی بناء پر اُم سلیمؓ آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح: مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔[۱۰۵]

علم و فضل سے فہم و بصیرت، جرأت و شجاعت، صبر و تحمل، جود و سخا اور مہر و وفا کی پیکر انصاری خواتین میں ممتاز مقام پر فائز، جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ، رشتے میں رسول اکرم ﷺ کی خالہ، عظیم المرتبت صحابی حرام بن ملحان کی بہن جس نے اسلام قبول کرنے کے

بعد کمال استقامت کا مظاہرہ کیا۔جس کے خاوند مالک بن نضر نے ہزار جتن کیے کہ یہ اسلام سے منحرف ہو جائے لیکن اس نے اسلام کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا، جس نے نا مساعد حالات میں اپنے بیٹے حضرت انس بن مالکؓ کو مسلسل کلمہ طیبہ کی تلقین کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہونیکی ترغیب دی یہاں تک کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوگئیں۔

اسلام :

مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے، اُم سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی، اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے، اور وہیں انتقال کیا، ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا، لیکن اُم سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا، یعنی ابوطلحہ مشرک تھے، اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کرسکتی تھیں۔غرض ابوطلحہؓ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا، اور اُم سلیمؓ کے سامنے آکر کلمہ پڑھا، حضرت اُم سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو، ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا، میرا مہر اسلام ہے حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب وغریب مہر تھا۔[۱۰۶]

عام حالات:

نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد رسول کریم مدینہ میں تشریف لائے۔حضرت اُم سلیمؓ اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئیں اور کہا، اس کو آپکی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ یہ میرا بیٹا ہے، آپ اس کے لئے دعا فرمائیں، آنحضرتﷺ نے دعا فرمائی۔[۱۰۷]

فقہ و احادیث :

حضرت اُم سلیمؓ سے چند حدیث مروی ہیں جن کو حضرت انسؓ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ ابوسلمہ اورعمرو بن عاصمؓ نے روایت کیا ہے۔لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔

وفات:

حضرت اُم سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔[۱۰۸]

حضرت میمونہؓ

تعارف:

نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ، آپ قبیلہ ہوازن کے الحارث کی صاحبزادی اور حضرت عباسؓ کے رشتے کی بہن تھیں۔ آپ اپنے شوہر ابو رقم کی وفات کے بعد مکہ میں رہنے لگیں جہاں سرور مقبول ﷺ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ رسول کریم ﷺ سے آپ کی شادی مکہ کے شمال مغربی گاؤں سرف میں ہوئی، یہاں ولی کے طور پر آپ کے بھائی حضرت عباسؓ پیش ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ۵۰۰ درہم شادی کا تحفہ تھا۔ آپ نے ۶۱ھ ۔ ۶۸۱ء میں سرف ہی میں انتقال فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا مدفن عین اُس جگہ ہے جہاں آپ کی شادی ہوئی۔[۱۰۹]

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میمونہ کا پہلا نام برۃ تھا، رسول کریم ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا۔ والد کا نام حارث بن حزن تھا جو قبیلہ بنو ہلال میں سے تھا۔ اور والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ اُم الفضل لبابتہ الکبریٰ، لبابتہ الصغریٰ، عصماء اور عزۃ، ماں اور باپ کی جانب سے حضرت میمونہؓ کی سگی بہنیں تھیں۔ اُم الفضل لبابتہ الکبریٰ کی شادی عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی اور اسے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ لبابتہ الصغریٰ کی شادی ولید بن مغیرہ سے ہوئی جس سے خالد بن ولید پیدا ہوئے جنہیں تاریخ اسلام میں عظیم جرنیل کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ عصماء بنت حارث کی شادی ابی بن خلف سے ہوئی۔ اور عزۃ بنت حارث کی شادی زیاد بن عبد اللہ بن مالک سے ہوئی۔ اسماء بنت عمیس، سلمیٰ بنت عمیسؓ اور سلامتہ بنت عمیسؓ ماں کی جانب سے حضرت میمونہؓ کی بہنیں تھیں۔

اسماءؓ بنت عمیس کی پہلی شادی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوئی، ان سے تین بیٹے عبد اللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ جب جعفرؓ بن ابی طالبؓ شہید ہوئے تو اسماء بنت عمیس کی شادی حضرت

ابو بکر صدیقؓ سے ہوئی۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ فوت ہوئے تو اسماءؓ بنت عمیس کی شادی حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ ہوئی۔ جن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ دوسری ماں جائی سلمٰی بنت عمیس کی شادی حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب سے ہوئی۔ تیسری ماں جائی بہن کی شادی عبداللہؓ بن کعب سے ہوئی۔ اس طرح ہند بنت عوف مکہ معظّمہ کی وہ تاریخی خاتون ہے جسے رسول اقدس ﷺ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ سید الشہداء حمزہؓ بن عبد المطلب، عباسؓ بن عبد المطلب، جعفرؓ بن ابی طالب اور علی بن ابی طالبؓ کی خوش دامن ہونیکا اعزاز حاصل ہوا۔

میمونہؓ بنت حارث کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن جلد ہی میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی۔ اس کے بعد ابورحم بن عبدالعزیٰ عامری قریشی سے نکاح ہوا۔ وہ بھی فوت ہوگیا تو میمونہؓ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئیں۔ ۷ہجری میں رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ میمونہؓ کے دل میں یہ خیال انگڑائیاں لے رہا تھا کہ کاش مجھے حرم نبوی میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ یہ خیال اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اپنی اس دلی رغبت کا تذکرہ اس نے اپنی بہنوں سے بھی کیا۔ اس نے کہا میرے قبیلہ ہلال کی بھی رسول اقدس ﷺ کے ساتھ وہ نسبت قائم ہونی چاہیے جو اس سے پہلے بنو تمیم، بنو عدی، بنو اُمیہؓ بنو مخزوم، بنو اسد اور بنو مصطلق قبائل کو حاصل ہو چکی ہے۔

چونکہ دیگر ازواج مطہرات کا تعلق ان قبائل کے ساتھ تھا۔ میمونہؓ کی بہن لبابۃ الکبریٰؓ نے اپنے خاوند عباسؓ بن عبدالمطلب سے تذکرہ کیا کہ میری بہن میمونہؓ کی یہ دلی خواہش ہے کہ ان کی شادی رسول کریم ﷺ سے ہو۔ آپؐ ان کے چچا ہیں، آپؐ کو وہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپؓ بات کر کے دیکھیں شاید یہ کام بن جائے اور ہماری بہن کے دل کی مراد پوری ہو جائے۔ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے اس موضوع پر رسول اقدس ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے جعفرؓ بن ابی طالب کو یہ کام سپرد کیا تا کہ وہ میمونہؓ سے نکاح کا اہتمام کرے۔ رسول کریم ﷺ عمرہ القضاۃ سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت میمونہؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ جب ان کی نگاہ چہرۂ نبوت پر پڑی تو بے ساختہ پکار اُٹھیں ''اونٹ اور اس پر جو سوار ہے یہ سب اللہ اور اس کے رسول کے لیے وقف ہے''۔[۱۱]

اس طرح حضرت میمونہؓ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ھبہ کر دیا۔ ان کا یہ انداز

دیکھ کر لوگوں میں چیمگوئیاں بھی ہوئیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پیشکش کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیا آسمان سے یہ حکم نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا[۱]

اے نبی ﷺ بے شک ہم نے حلال کردی ہیں تمہارے لیے تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کر دیئے ہوں۔ اور وہ لونڈیاں جو تمہاری ملکیت میں آئیں اس مال غنیمت میں جو عطا کیا ہے اللہ تمہیں اور (حلال کر دی ہیں) تمہاری چچا زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد (بہنیں) جنہوں نے ہجرت کی ہے تمہارے ساتھ اور کوئی مومن عورت اگر ھبہ کرے اپنے نفس کو نبی کے لیے اگر نبی بھی چاہے۔ تو (حلال ہے) اس سے نکاح کرنا (یہ رعایت) خالصتاً تمہارے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہمیں خوب معلوم ہے کہ کیا فرض کیا ہے ہم نے مومنوں کے لیے ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (تمہیں ان حدود سے مستثنیٰ کر دیا ہے) تا کہ نہ رہے تم پر کوئی تنگی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

عمرۃ القضاۃ کی ادیگی کے لیے رسول اقدس ﷺ نے تین دن مکہ معظّمہ میں قیام کیا۔ چوتھے دن صبح کے وقت حویطب بن عبد العزیٰ چند مشرکین کو ساتھ لے کر آیا۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے کہا: آپ نے عمرہ ادا کرلیا ہے اب آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ معاہدے کے مطابق مکہ میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ دن ہمیں اور یہاں رہنے دو۔ میں یہ

چاہتا ہوں کہ میمونہؓ سے شادی کا اہتمام مکہ میں ہی ہو اور آپ لوگ بھی شادی کے کھانے میں شریک ہوں۔ اس نے کہا: ہمیں کھانے کی کوئی طلب نہیں، بس آپ یہاں سے چلے جائیں۔

نبی کریم ﷺ وہاں سے چلے اور مکہ سے دس میل دور سرف مقام پر پڑاؤ کیا اور یہیں شادی کا اہتمام کیا گیا، نبی کریم ﷺ کا غلام ابو رافع حضرت میمونہؓ بنت حارث کو اونٹ پر بٹھا کر سرف مقام پر لے آیا تھا۔ یہاں سہاگ رات میں رسول اقدس ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا ورنہ پہلے ان کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ شادی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد کی تھی۔

حضرت میمونہؓ ازواج مطہرات کی فہرست میں سب سے آخر میں شامل ہونے والی تھیں۔ ان کے بعد آپ نے کسی بھی خاتون سے شادی نہیں کی۔ شادی کے وقت حضرت میمونہؓ کی عمر چھبیس سال تھی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت میمونہؓ کو مسجد نبوی کے ساتھ متصل بنایا گیا حجرہ تفویض کر دیا گیا۔ اس میں رہائش پذیر ہوئیں۔ دیگر ازواج مطہرات نے انھیں خوش آمدید کہا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔[۱۱۲]

خدمت احادیث:

اُم المومنین سیدہ میمونہؓ نے اُمت مسلمہ تک ان کے دینی و روحانی پیشوا محمد مصطفیٰ ﷺ کے اقوال و ارشادات اور اُن کی خانگی و عائلی زندگی کی تفصیلات پہنچانے کا کام پوری ذمہ داری اور کمال جزم واحتیاط سے انجام دیا۔ سیدہؓ سے ۷۶ احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری اور پانچ صحیح مسلم میں منقول ہیں اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان سے احادیث بیان کرنیوالے راویوں میں حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؓ، عبدالرحمٰن بن سائبؓ، عبید اللہ الخوانی اور عطا بن یسارؓ جیسے جلیل القدر اور ثقہ افراد شامل ہیں۔[۱۱۳]

ویسے تو اُم المومنین سیدہ میمونہؓ کی بیان کردہ احادیث میں دین کی بنیادی تعلیمات اور احکام شریعت کے متعلق اتنا تنوع اور اتنی ہمہ گیری پائی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے اکثر شعبوں پر حاوی ہیں۔

سیدہ حضرت میمونہؓ سے مروی ہے، حضور ﷺ نے ایک مردہ بکری پڑی ہوئی دیکھی۔ حضور ﷺ

نے دریافت فرمایا یہ بکری کس شخص کی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا میمونہؓ کی۔حضورﷺ نے فرمایا۔اگر وہ اس کی کھال سے فائدہ اُٹھاتی تو اس پر کوئی گناہ نہ تھا۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مردار ہے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے صرف مردار کا کھانا حرام کیا ہے نہ کہ اُس کی کھال یا بال یا سینگوں سے فائدہ اُٹھانے کو۔[۱۱۴]

بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو گھی ناپاک ہو جاتا ہے اسے پھینک دینا چاہیے لیکن صحابہ کرامؓ و تابعین کوئی بھی فعل کرنے سے پہلے ازواج مطہرات سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا تو آپ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی کھاؤ۔[۱۱۵]

سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے غسل کے لیے پانی کا اہتمام کیا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ غسل فرمانے لگے۔تو آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر رکھ کر مٹی سے رگڑا اور پھر اُسے دھو ڈالا۔اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ پھر چہرے کو دھویا پھر سارے جسم پر پانی بہانے کے لیے سر پر پانی ڈالا۔پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔پھر آپ کو رومال پیش کیا گیا لیکن آپ ﷺ نے اُس سے جسم نہ پونچھا۔[۱۱۶]

حضرت اسماء بنت یزیدؓ حدیث نبوی ﷺ کی حافظہ تھیں۔انہیں آستانہء نبوت میں عرصہ دراز تک رہنے کا موقع میسر آیا۔حدیث رسول ﷺ کے جو الفاظ کان میں پڑتے انہیں زبانی یاد کر لیتیں۔ مزید برآں علم کے ساتھ انھیں بہت زیادہ شغف تھا۔اور دینی مسائل دریافت کرنے کے لئے سوالات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں، خاص طور پر نبی کریمؐ سے مسائل دریافت کرنے کے سلسلے میں بڑی جرأت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں یہی وجہ ہے کہ انصاری خواتین میں انہیں سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ۸۱ احادیث روایت کیں۔[۱۱۷]

حضرت اسماءؓ سے جلیل القدر تابعین کی جماعت نے حدیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا

اوران سے سنن اربعہ، یعنی ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی احادیث مروی ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت اسماءؓ کے حوالے سے ایک روایت اپنی کتاب ''ادب المفرد'' میں بیان کی ہے۔ ابن عساکرؒ نے حضرت اسماءؓ کے روایت کرنیکی عمدگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت اسماءؓ نے نبی کریم ﷺ سے بہت عمدہ احادیث بیان کی ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے جو احادیث مروی ہیں وہ تفسیر، اسباب نزول، احکام، شمائل، مغازی، سیرت اور فضائل پر مشتمل ہیں۔ حضرت اسماءؓ سورہ مائدہ کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

''کہ جب سورہ مائدہ نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی عصباء پر سوار تھے اور میں نے اس کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ جب ساری سورۃ مائدہ نازل ہو چکی تو اونٹنی کے اگلے بازو شدید دباؤ کی وجہ سے لڑکھڑا رہے تھے۔

حضرت اسماءؓ قمیض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ قمیض پہننا پسند فرماتے۔ اور آپکی قمیض کی آستین ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھی۔[۱۱۸]

حضرت سودہؓ بنت زمعہ:

ایک رات انھیں حسب معمول بڑی پرسکون اور گہری نیند آئی مگر وہ رات ان کے لیے دوسری راتوں سے مختلف ثابت ہوئی کیونکہ اس رات انہوں نے ایک سہانا خواب دیکھا۔ جب وہ علی الصبح بیدار ہوئیں تو ان پر ایک ناقابل بیان خوشگوارسی کیفیت طاری تھی۔ اپنے شوہر کو بتایا گزشتہ رات میں نے ایک عجیب اور انوکھا خواب دیکھا ہے۔

شوہر نے پوچھا: بتاؤ تو آخر وہ خواب کیا ہے؟

اُنہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند میری گود میں اُتر آیا ہے پھر انہوں نے اپنے شوہر سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو اُس نے بتایا کہ میں تھوڑے عرصے کے بعد انتقال کر جاؤں گا اور پھر تمہارا نکاح محمد ﷺ سے ہوگا کیونکہ دنیا کا چاند تو محبوب خدا، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔

رب کائنات اپنے ہر کام کی حقیقت سے خود ہی بخوبی واقف ہے اُس کی ذات علیم بھی ہے اور

بصیر بھی ہے، اس نیک خاتون کے سچے خواب کی تعبیر بھی سچ ثابت ہوئی اور رب قدیر کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد ان کا شوہر اچانک بیمار ہوا اور چند ہی دنوں میں داعیِ اجل کو لبیک کہتا ہوا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ یوں وہ خاتون بیوہ ہو گئیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کچھ عرصہ بعد واقعتاً انکی شادی ہادیِ کون و مکان حضرت محمد ﷺ سے ہوگئی جس سے انکی زندگی میں نہ صرف حسین وجمیل انقلاب آیا بلکہ اُم المومنین کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ و تابندہ ہوگیا۔

قریش کے ایک معزز قبیلے عامر بن لوئی سے تعلق رکھنے والے ایک شخص زمعہ نے عرب کے مشہور خاندان بنی نجار کی ایک خاتون شموس بنت قیس سے نکاح کیا۔ جس سے ایک بیٹی تولد ہوئی، والدین نے اُس کا نام سودہ رکھا۔ اس بچی کے نانا اور قیس کی بہن سلمیٰ ہادی کونین ﷺ کے پر دادا ہاشم کی زوجہ محترمہ تھیں اور یوں حضرت سودہؓ کا نسبی تعلق حضرت محمد ﷺ کے خاندان سے پہلے ہی تھا۔

حضرت سودہ بنت زمعہؓ بچپن ہی سے نیک سیرت اور باکردار تھیں، جب سن شعور کو پہنچیں تو آپؓ کے والد زمعہ نے اپنی رفیقہ حیات شموس کی رضا مندی سے آپؓ کی شادی اپنے چچا کے بیٹے سکران بن عمرو بن عبد شمس سے کردی۔ حضرت سودہؓ اور سکرانؓ کو رب رحمٰن ورحیم نے ایک خوبصورت بیٹا عطا کیا، جس کا نام انہوں نے عبد الرحمٰن رکھا جو مشرف بہ اسلام ہوا، اور اُس نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جنگ جلولا میں شہادت کا رُتبہ حاصل کیا۔

حرم نبوتؐ میں رہنے کی وجہ سے حضرت سودہؓ شب و روز ارشادات ختم الرسل ﷺ سے فیضیاب ہوتی تھیں، لیکن کتب احادیث میں ان سے محض پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صحیح بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت یحییٰؓ بن عبد الرحمٰن بن اسعد نے ان سے روایت کی ہے۔ مردہ جانور کی کھال استعمال میں لانا جائز ہے کیونکہ جانور حرام ہے چمڑا نہیں، جس طرح حضرت سودہؓ نے مری ہوئی بکری کا چمڑا رنگ لیا اور اسے خوبصورت بنا دیا پھر اسے اتنا زیادہ استعمال کیا کہ وہ بوسیدہ ہوگیا۔

اگر والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور مناسک حج ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو ان کی اولاد ان کی جانب سے حج ادا کرسکتی ہے جیسا کہ حضرت سودہؓ کے حوالے سے یہ روایت ہے:

آپؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا باپ بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا آپؐ نے فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اُسے ادا کرو تو یہ تمہاری جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا؟ اُس نے جواب دیا جی ہاں قبول کر لیا جا ئیگا۔آپؐ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو۔ حضرت سودہؓ کی اس روایت سے حج بدل کا جواب ثابت ہوتا ہے۔ [۱۱۹]

فصل سوم

علم فقہ میں خواتین کی خدمات:

دنیا بھر میں آج تک جتنے مذاہب آئے ہیں ان میں سے اسلام نے سب سے زیادہ جامع، واضح اور مکمل قوانین دیئے ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے آسان اور قابل عمل ہیں۔ ان قوانین کے مجموعہ کو فقہ اسلامی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

فقہ کے لغوی معنی: اس سمجھ بوجھ کے ہیں جس سے آدمی کسی بات یا کسی عمل کی حقیقت اور نتیجے تک پہنچ جائے۔ اصطلاحی اعتبار سے شریعت کے عملی احکام کو ان کے مآخذ اور تفصیلی دلائل کے ذریعے جاننے کا نام فقہ ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ محرم اسرار دوست کی بہ نسبت بیوی بہت کچھ جان سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ ہمہ تن مثال اور اُسوہ تھے اس لیے گویا آپؐ کا ہر فعل قانون تھا، اس بناء پر آپ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لیے ناممکن تھے۔ متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہؓ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بناء پر کوئی مسئلہ بیان کر دیا اور حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر اُس کو رد کر دیا، اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہؓ ہی کا قول مستند ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورت کو نہاتے وقت چوٹی کھول کر بالوں کو بھگونا ضروری ہے، حضرت عائشہؓ نے سُنا تو فرمایا:

> وہ عورتوں کو یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ اپنے چوٹیاں منڈوالیں، میں آنحضرت ﷺ کے سامنے نہاتی تھی اور بال نہیں کھولتی تھی۔[۴۰]

حضرت ابوہریرہؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مرد کے سامنے سے عورت یا گدھا یا کتا گزر جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ سُن کر غصہ آیا کہ تم نے ہم عورتوں کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا ہے میں آنحضرت ﷺ کے سامنے پاؤں پھیلائے سوئی رہتی (حجرہ میں جگہ نہ تھی) آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف رہتے جب آپؐ سجدے میں جاتے ہاتھ سے ٹھوکر دیتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا دیتی۔ کبھی ضروری

ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی۔[۱۲۱]

بعض لوگوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو یمنی چادر میں کفنایا گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، اتنا صحیح ہے کہ لوگ اس غرض سے چادر لائے تھے لیکن آپؐ کو اس میں کفنایا نہیں گیا۔[۱۲۲]

حضرت ابن عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے شاگرد سے بیان کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ لوگوں نے عند التذکرہ حضرت عائشہؓ سے اس کو بیان کیا، بولیں، خدا عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔[۱۲۳]

حضرت عائشہؓ کے فضل و کمال کے جو دلائل و شواہد گزر رہے ہیں، ان سے قیاس ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنی زندگی کے بقیہ چالیس برس کس مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت سے بسر کئے ہوں گے لیکن ہمارے پاس خوش قسمتی سے ایسی تحریری شہادتوں کا ذخیرہ بھی موجود ہے جس سے یہ قیاس یقین اور قطعیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، خلفائے اسلام، علمائے صحابہؓ، عام مسلمانان بلا و مشکلات کی حالت میں اسی آستانہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محدثین نے کثرت و قلت فتاویٰ کی بناء پر علمائے صحابہ کے تین طبقات قرار دیئے ہیں، طبقہ اول جس کے فتاویٰ جات اگر مستقلاً علیحدہ علیحدہ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔

طبقہ دوم میں وہ اشخاص ہیں جن کے الگ الگ فتاویٰ ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں، تیسرے طبقہ کا مجموعہ، فتاویٰ ایک رسالہ کے برابر ہے۔

طبقہ اول میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور آخراً زوجہ رسول ﷺ، جگر گوشہ صدیقؓ ام المومنین عائشہؓ، ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں کہ اگر ایک جگہ جمع کیے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔[۱۲۴]

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا، اور آخر زمانہ تک بقیہ خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں بھی وہ ہمیشہ اس منصب پر ممتاز رہیں، حضرت قاسم جو صحابہ کے بعد مدینہ کے ساتھ مشہور تابعیوں

میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں ''حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور سے افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتوے دیتی رہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مخصوص صحابہ کبار کے علاوہ اورلوگوں کو افتاء کی اجازت نہ تھی، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کے علم اور واقفیت پر کس درجہ اعتماد تھا۔

امیر معاویہؓ دمشق میں حکومت کرتے تھے، لیکن ضرورت پڑتی تو قاصد شام سے چل کر باب عائشہؓ کے سامنے کھڑے ہوکر سلطان وقت کے لیے مسائل دریافت کرتا ۔[۱۲۵]

مدینہ طیبہ اکابر صحابہ کا مرکز تھا، خلافت شیخین تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت ابو درداؓ، حضرت زید بن ثابتؓ کا شانہء اسلام کے اساطین علم فتویٰ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی۔ ان کے بعد نو جوان صحابہؓ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کے سرعسکر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، جابر بن عبد اللہؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو ہریرہؓ تھے، حضرت عائشہؓ اس کم سنی اور کم عمری کے باوجود اول ہی دور سے اکابر صحابہؓ کی زندگی ہی میں افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، بڑے بڑے صحابہ کبارؓ مختلف امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ جو فقہ اور اجتہاد میں حضرت عائشہؓ کے برابر تھے، وہ بھی بعض مسائل میں حضرت عائشہؓ سے پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ علمائے صحابہ میں داخل ہیں، وہ بھی اس آستانہ سے بے نیاز نہ تھے۔[۱۲۶]

حضرت عائشہؓ کا سالانہ حج کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ موسم حج میں حضرت عائشہؓ کے خیمہ میں جو کوہ ثبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا، سائلوں اور مستفتیوں کا ہجوم ہوتا، کبھی خانہ کعبہ میں زمزم کی چھت کے نیچے بیٹھ جاتیں اور تشنگان علم کا سامنے ہجوم رہتا۔ لوگ ہر قسم کے مسائل پوچھتے، اور وہ قرآن و حدیث سے سب کے جواب دیتیں۔ جن مسائل میں صحابہؓ میں اختلاف پیش آتا، لوگ فیصلہ کے لیے انہی کی عدالت میں رجوع کرتے۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی مجھے ایک

مسئلہ میں اصحاب محمد رسول اللہ ﷺ کا اختلاف بہت شاق گزرا، آپ کی رائے کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے اس کا جواب دیا۔حضرت ابو موسیٰؓ کو اس جواب سے تسلی ہوگئی، اور کہا: کہ آپ کے بعد اب کسی سے اس مسئلہ کو نہ پوچھوں گا۔[۱۲۷]

حضرت ابو درداءؓ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر اتفاقاً کسی نے وتر تہجد کے خیال سے نہیں پڑھے اور صبح ہوگئی تو وتر کا وقت نہیں رہتا۔لوگوں کو تسکین نہ ہوئی، حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، آپؓ نے فرمایا: وتر ساری راتوں میں رسول کریم ﷺ پڑھا کرتے یہاں تک کہ آخر میں پہنچ گئے سحر کے وقت پر۔[۱۲۸]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں اکابر صحابہؓ میں سے ہیں ان میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعوؓ افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کو کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں میں تاخیر فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے فتویٰ چاہا، دریافت کیا کہ ان میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا! عبداللہ بن مسعودؓ۔فرمایا آنحضرت ﷺ کی عادت شریف یہی تھی۔[۱۲۹]

حالت احرام میں موزہ پہننا درست نہیں۔اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہوتو موزہ کا بالائی حصہ کاٹ دینا چاہیے کہ جوتا بن جائے۔حضرت ابن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں موزے کاٹ لیں لیکن ایک تابعیہ نے ان سے حضرت عائشہؓ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل کیا تو انہوں نے اپنا قول واپس لے لیا۔[۱۳۰]

ثمامہ بن حزن قشیری سے روایت ہے میں حضرت عائشہؓ سے ملا ان سے نبیذ کے متعلق پوچھا انہوں نے ایک حبشی لونڈی کو بلایا اور کہا اس سے پوچھ وہ رسول کریم ﷺ کے لیے نبیذ بنایا کرتی تھی اس نے کہا میں آپ کیلئے مشک میں رات کو نبیذ بھگوتی اور ڈاٹ لگا دیتی اور پھر لٹکا دیتی صبح کو آپ اس میں سے پیتے۔[۱۳۱]

کریب جو ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ راوی ہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد الرحمٰن بن ازہرؓ اور مسور بن مخرمہؓ ان سب نے مجھے حضرت عائشہؓ بی بی رسولؐ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہماری طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کرو اور اُن دو رکعتوں کا حال پوچھو جو بعد عصر کے پڑھی جاتی ہیں اور یہ عرض کرو کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ پڑھتی ہیں اور یہ بھی خبر پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ اس

سے منع فرماتے تھے۔

ابن عباسؓ نے کہا میں تو حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کے پڑھنے سے باز رکھتا تھا۔ کریب نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور وہ بات پوچھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ اُم سلمہؓ سے پوچھو (اس سے معلوم ہوا کہ مفتی کو اگر معلوم ہو کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو سائل کو اُس کے پاس بھیج دے اور اس میں حسد نہ کرے) پھر میں ان لوگوں کے پاس آیا اور حضرت عائشہؓ کے جواب کی ان کو خبر دی۔ پھر ان لوگوں نے مجھے وہی پیغام دے کر اُم سلمہؓ کے پاس روانہ کیا، جو میں حضرت عائشہؓ کے پاس لے گیا تھا۔

تب اُم سلمہؓ نے فرمایا سُنا تھا میں نے رسول کریم ﷺ سے کہ آپ منع کر تے تھے۔ پھر میں نے آپ کو پڑھتے دیکھا۔ جب میں نے آپ کو پڑھتے دیکھا اور آپؐ عصر پڑھ چکے تھے اور میرے گھر میں آئے اور میرے پاس قبیلہ بنی حرام انصارین کی چند عورتیں بیٹھی تھیں تو میں نے ایک لڑکی کو بھیجا اور اس سے کہا کہ تم حضرت کے بازو کی طرف کھڑی رہنا اور ان سے عرض کرنا کہ اُم سلمہؓ گزارش کرتی ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ ! میں سنتی تھی کہ آپؐ ان رکعتوں سے منع فرماتے تھے اور پھر آپؐ کو پڑھتے دیکھتی ہوں۔ پھر اگر آپؐ تمہاری طرف اشارہ کریں ہاتھ سے تو پیچھے کھڑی رہنا۔

معلوم ہوا کہ اشارہ کرنے سے نماز نہیں جاتی۔ اُم سلمہؓ فرماتی ہیں: پھر اس لڑکی نے ایسا ہی کیا اور آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ پیچھے ہٹ گئی، جب آپؐ پڑھ چکے تو آپؐ نے فرمایا کہ اے بنتِ ابی اُمیہ! تم نے اُن رکعتوں کا حکم پوچھا جو عصر کے بعد میں نے پڑھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور وہ اپنی قوم کا پیغام لائے تو میں اُن میں مشغول رہا اور ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا سو وہ یہی تھیں۔[۱۳۲]

علم فقہ میں حضرت میمونہؓ کی خدمات :

اسلام دین فطرت ہے، قابل عمل، سہل اور سادہ ہے لیکن دین میں غلو کرنے والے اسے پیچیدہ، سخت، مشکل اور عام لوگوں کے لئے ناقابل عمل بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ دین کے معاملے میں یہ شدت اور یہ حدت بھی دین میں تحریف کی ہی ایک قسم ہے۔ لیکن اہل ایمان پر ان کی روحانی شفیق ماؤں کا یہ ناقابل فراموش عظیم احسان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں دین کی

تعلیمات کو اصل صورت میں پیش کیا، بالخصوص ان مسائل اورمعاملات کے بارے میں جن کا تعلق خاص طور پر طبقہ نسواں سے ہے۔اس کی چند مثالیں اُم المومنین سیدہ میمونہؓ کے حوالے سے پیش کی جاتی ہیں۔

ایک عورت سفر پر جانیکی تیاری کر کے رخصت ہونے کے لئے سیدہؓ کے پاس آئی آپؓ نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ اُس نے بتایا کہ میں سخت بیمار ہوگئی تھی اور صحت کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ میں نے اس نااُمیدی کی حالت میں منت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہوگئی تو بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گی۔ خُدا نے مجھے صحت عطا فرما دی۔اب میں اپنی منت پوری کرنے بیت المقدس جارہی ہوں۔

یہ سُن کر اُم المومنین نے از راہ شفقت و محبت فرمایا: تم بیت المقدس میں جانے کے بجائے مسجد نبوی میں ہی نماز پڑھ لو۔ اس طرح منت بھی پوری ہو جائیگی اور ثواب زیادہ ہو گا۔ اللہ کو مسجد نبویؐ، مسجد اقصیٰ سے زیادہ محبوب ہے۔اس میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں ہزارگنا زیادہ اجروثواب کا موجب ہے۔ چنانچہ اس خاتون نے اُم المومنین کے مشورے پر عمل کرکے اپنے آپ کو سفر کی بے پناہ تکالیف وہ مصائب سے بچا لیا۔[۱۳۳]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> اے نبی، لوگ آپ سے خاص ایام کے حکم کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے، اس میں عورت سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں۔[۱۳۴]

اس قرآنی حکم کی روشنی میں عہد صحابہؓ میں بھی کچھ لوگوں کا تصور یہ تھا کہ ان ایام میں عورت ایسی گندی اور ناپاک ہو جاتی ہے کہ اگر وہ کسی چیز کو ہاتھ لگا دے تو وہ بھی گندی اور نجس ہو جائیگی۔ اس تصور اور اس خیال سے گھریلو زندگی میں بے شمار تکلیف دہ اور پریشان کن پیچیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں۔

اُم المومنین سیدہ میمونہؓ نے رسول کریم ﷺ کے طرز عمل کی روشنی میں اس معاملے کی وضاحت کی اور اس کی تشریح وتوضیح کے سلسلے میں اپنی نجی زندگی کے گوشے بھی اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کے سامنے کھول کر رکھ دیئے حالانکہ ان نجی حالات کا اخفا ہر خاتون کا فطری اور بنیادی حق ہے لیکن انہوں نے اپنی روحانی اولاد کی بھلائی کیلئے اس بے مثل ایثار سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہی ان کی عظمت ہے۔

ایک دفعہ سیدہؓ کے بھانجے عبداللہؓ ابن عباسؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی حالت پراگندہ تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر پریشان حالی کے آثار نمایاں تھے۔ سیدہؓ نے ان سے پوچھا۔تم نے اپنی یہ حالت کیا بنا رکھی ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا۔

میری بیوی ہی میرے بالوں میں کنگھا کیا کرتی تھی اور وہی انہیں بناتی سنوارتی تھی۔ آجکل وہ خاص ایام کی حالت میں ہے۔اس لیے میں نے اس سے بالوں میں کنگھا کرانا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر اُم المومنین سیدہ میمونہؓ نے محبت بھرے انداز میں فرمایا: ''واہ'' بیٹے، کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں۔ ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں اور حضور ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوتے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے۔

اسی طرح انہیں یہ بات سمجھاتے ہوئے کہ عورتیں اگر ایسی حالت میں ہوں تو ان کے کسی چیز کے چھو لینے سے وہ چیز ناپاک نہیں ہو جاتی، نہایت بلیغ انداز میں فرمایا: ہم اُن، ایام خاص، کی حالت میں مصلیٰ لاکر آپؐ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر بچھا دیتی تھیں۔ اسی طرح اس امر کو ذہن نشین کرانے کے لیے کہ ایسی حالت والی خاتون کے جسم سے کوئی چیز یا کپڑا لگ جائے تو وہ بھی نجس و ناپاک نہیں ہو جاتا۔ ''سیدہؓ نے رسول کریم ﷺ کے اُسوہ اور طرزِ عمل کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ رسول کریم ﷺ اپنے گھر میں بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپؐ کے پاس حالت حیض میں یوں لیٹی ہوتی تھی کہ مجھے آپؐ کا کپڑا لگ جایا کرتا تھا۔[۱۳۵]

''خاص ایام''میں خواتین کی حیثیت کے مسئلے کے علاوہ ایک اور معاملہ کو احتیاط پسند افراد نے دینی جذبے کے تحت خاصا پیچیدہ اور مشکل بنا رکھا تھا۔ وہ معاملہ تھا۔ ناپاکی کی حالت میں پاک ہونے کے لیے غسل میں حزم و احتیاط۔ سیدہ میمونہؓ نے اپنی دینی اولاد کو اس سہل اور آسان انداز سے روشناس کرایا جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے عمل سے اخذ کیا تھا۔ فرماتی ہیں: ''میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے''۔[۱۳۶]

حضرت میمونہؓ کی دینی خدمات نہ صرف زندگی کے معاشرتی مسائل کو بیان کرتی ہیں بلکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں انکی خدمات کو نظر انداز کیا جا سکے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے اُسوہ حسنہ کی روشنی میں دین کی تعلیمات کو اصل صورت میں پیش کیا اور

خواتین کے مسائل اور معاملات کو بیان کیا۔

فقہ میں حضرت اُم سلمیٰؓ کی خدمات:

علمی حیثیت سے اگر چہ تمام ازواج مطہراتؓ بلند مقام و مرتبہ رکھتیں تھیں تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمیٰؓ کا ان میں کوئی ثانی نہیں تھا۔آپؓ دونوں ازواج کا علم بہت زیادہ تھا۔آپ دونوں لوگوں کے ہر قسم کے مسائل حل کر دیتی تھیں۔

سیدہ اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔اس وقت ایک مخنث وہاں بیٹھا ہوا تھا۔حضور ﷺ نے اُسے عبد اللہ بن اُمیہ سے کہتے ہوئے سُنا اے عبد اللہ، دیکھو اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کل طائف فتح کرلو تو غیلان کی بیٹی ضرور حاصل کرنا، وہ اس قدر پلی ہوئی ہے کہ جب سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں۔اس کی یہ گفتگو سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: آئندہ یہ مخنث تمہارے پاس نہ آئے۔[۱۳۷]

اگر کسی کو نظر لگ جائے تو پڑھ کر دم کرنا چاہیے۔سیدہ اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کے منہ پر چھائیاں تھیں،تو آپؐ نے فرمایا: اُس پر پڑھ کر دم کرو کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔[۱۳۸]

اُم سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کو مصیبت پہنچے اور وہ یہ کہے جو اللہ نے حکم کیا ہے کہ ہم سب اللہ کا مال ہیں اور ہم سب اُسی کی طرف جانے والے ہیں۔ یا اللہ مجھے اس مصیبت کا ثواب دے اور اس کے بدلہ میں اس سے اچھی عنایت فرما مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر چیز اس کو دیتا ہے۔اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ (یعنی ان کے شوہر) انتقال کر گئے تو میں نے کہا اب ان سے بہتر کون ہو گا اس لیے کہ ان کا پہلا گھر تھا جس نے رسول کریمؐ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر میں نے یہی دعا پڑھی (**اللهم سبے وأخلفت خيراً منها**) تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہؓ کے بدلے رسول کریم ﷺ کو شوہر بنا دیا۔کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے میرے پاس حاطب بن ابی بلعتہ کو روانہ کیا۔ وہ مجھے حضرت کا پیغام دینے آئے میں نے عرض کیا کہ میری ایک بیٹی ہے اور مجھ میں غصہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کی بیٹی کے لیے تو ہم اللہ سے دعا کریں

گے کہ اللہ ان کو بیٹی کی فکر سے بے غم کر دے گا اور ان کے غصہ کے لیے ہم دعا کریں گے کہ وہ اللہ کھو دے گا۔

اُم سلمہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیمار کے پاس آوَ یا میت کے پاس تو اچھی بات کہواس لیے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں رسول کریمؐ کے پاس آئی اورعرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ: ابوسلمہ کا انتقال ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا: یوں دعا کر **اللہم اغفرلی** سے **حسنہ** تک یعنی اے اللہ مجھے اور اُس کو بخش دے اور مجھے اُس سے اچھا بدل عطا فرما کہتی ہیں کہ میں نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اچھا بدل عطا کیا یعنی محمد ﷺ۔

اُم سلمہؓ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ ابو سلمہؓ کی عیادت کو آئے اور اُن کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں پھر ان کو بند کر دیا اور فرمایا کہ جب جان نکلتی ہے تو آنکھیں اس کے پیچھے لگی رہتی ہیں۔اور لوگوں نے ان کے گھر میں رونا شروع کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: اپنے لیے اچھی ہی دعا کرو اس لیے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔پھر آپؐ نے دعا کی یا اللہ بخش دے ابی سلمہؓ کو اور بلند کر درجہ ان کا ہدایت والوں میں۔اور تو خلیفہ ہو جا اُن کے باقی رہنے والے عزیزوں میں اور بخش دے ہم کو اور اُن کو اے پالنے والے حاکموں کے اور کشادہ کر ان کی قبر کو اور روشنی کر اس میں۔

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ اُم سلمہؓ نے کہا جب ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا: یہ مسافر پرائی زمین میں مرگیا۔میں اس کے لیے ایسا روؤں گی کہ لوگوں میں اس کا خوب چرچا ہوگا۔غرض میں نے رونے کی تیاری کی ایک عورت اور آگئی مدینہ کے اُوپر کے محلّہ سے وہ چاہتی تھی کہ میرا ساتھ دے اتنے میں رسول کریم ﷺ اس کے آگے آئے اور فرمایا کہ کیا تو شیطان کو بلانا چاہتی ہے اس گھر میں جس میں سے اللہ نے اس کو دو بار نکالا ہے۔اُم سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں رونے سے باز رہی اور نہ روئی۔[۱۳۹]

بدعت کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ صراط مستقیم یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد سنت رسولؐ کی پیروی کی جائے۔یہی اصل دین ہے اور جو کوئی اس سے انحراف کرتا ہے وہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے اور اس کی بات رد کر دینے کے قابل ہے۔

اُم المومنین اُم سلمہؓ سے روایت ہے لوگوں سے حوض کوثر کا ذکر سنتی تھیں اور رسول کریم ﷺ سے نہیں سنا تھا، ایک دن چھوکری میرے کنگھی کر رہی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے

تھے اے لوگو! یہ سن کر میں نے چھوکری سے کہا سرک جا میرے پاس سے وہ بولی آپؐ نے مردوں کو بلایا ہے نہ کہ عورتوں کو میں نے کہا: لوگوں میں میں داخل ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارا پیش خیمہ ہوں گا حوض پر تو تم ہوشیار رہو کوئی تم میں سے ایسا نہ ہو میرے پاس آئے پھر ہٹا دیا جائے جیسے بھٹکا ہوا اونٹ ہٹایا جاتا ہے میں کہوں گا یہ کیوں ہٹائے جاتے ہیں؟ جواب ملے گا تمہیں معلوم نہیں انہوں نے تمہارے بعد نئی نئی باتیں نکالیں (طرح طرح کی بدعتیں)۔[۱۴۰]

دین اسلام بہت سہل ہے اور اس میں اتنی آسانیاں ہیں کہ اگر دین اسلام کو مکمل طور پر سمجھ لیا جائے تو اس پر عمل کرنا بالکل بھی مشکل نہیں جس طرح اُم سلمہؓ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بیمار تھیں طواف نہ کر سکتیں تھیں تو حضور ﷺ نے انہیں سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے طواف کرنے کا حکم دیا۔[۱۴۱]

حضرت اُم سلمیٰؓ نے احادیث کے علم کے حصول میں شرم و حیا کا لحاظ نہیں کیا بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھول کر بیان کیا اور اس کے متعلق مکمل معلومات لے کر لوگوں کے سامنے پیش کیں۔ اُم سلمہؓ سے روایت ہے، کہ رسول کریم ﷺ کے پاس جب ازار کا ذکر آیا تو عورت کے ازار کا بھی میں نے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ! عورت کیا کرے (یعنی اگر عورت ازار دراز نہ کرے تو کھلنے کا اندیشہ ہے) آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک بالشت تک دراز کرے پھر اُم سلمہؓ نے عرض کیا کہ ستر تو پھر بھی کھل جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ہاتھ سے زیادہ نہ۔[۱۴۲]

اگرچہ احادیث میں کثرت سوالات سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن دین کے بارے میں اس قدر تو سوال پوچھنے کی اجازت ہے کہ دین کی کسی بات کو سمجھنا مقصود ہو یا کسی مسئلہ میں کوئی فتویٰ حاصل کرنا ہو یا دین میں بصیرت حاصل کرنے کے لیے سوال کیا جائے۔ اس قسم کا سوال کرنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو ایسے سوالات پوچھنا واجب ہے جیسے احکام دین کے بارے میں دریافت کرنا وغیرہ۔ جیسے صحابیات و ازواج مطہرات کا طرز عمل دیکھنے میں آتا ہے۔

سیدہ حفصہؓ مزاج شناس رسول تھیں۔ مزاج کے اعتبار سے طبیعت میں شگفتگی، بے باکی اور جسارت تھی۔ لہذا رسول کریم ﷺ سے سوالات پوچھ لیا کرتی تھیں اور اللہ کے نبی ﷺ کے سوالات

کے جوابات بھی مفصل دے دیتی تھیں۔ اُم مبشر انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدہ حفصہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہونگے۔

حضرت حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتے ہیں:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا [۱۴۳]

ترجمہ: اور تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، مگر اس کے بعد اس میں یہ بھی تو ہے کہ!

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ [۱۴۴]

ترجمہ: پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو جب ان سوال و جواب کی خبر ہوئی تو آپؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے کہا: بیٹا! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جن کے سامنے تو اس طرح کے سوالات کرتی ہے وہ اللہ کے محبوب پیغمبرؐ ہیں۔ وہ جو بھی ارشاد فرمائیں خاموشی اور ادب سے سن لیا کرو۔ اور سوال نہ کیا کرو" حضرت حفصہؓ نے کہا" ابا جان! عائشہؓ بھی سوال کر لیتی ہیں" حضرت عمرؓ نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا" بیٹا! میں نے تجھے پہلے بھی کہا تھا کہ عائشہؓ کی نقل نہ کیا کرو۔ کہیں اس طرح کے طرز عمل سے اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا۔ ہمیشہ ادب، احترام، اطاعت اور فرمانبرداری، اپنا شعار بنائے رکھنا۔ [۱۴۵]

سیدہ حفصہؓ کو اختلاف اُمت سے شدید نفرت تھی۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبد اللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے۔ کیونکہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نذر ہوگئی تھیں۔ ایک دن وہ اپنی بہن سیدہ حفصہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپؓ دیکھ رہی ہیں لوگوں کا کیا حال

ہے؟ لیکن سیدہ حفصہؓ نے کہا: گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے نہ جانے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے سے ان میں اختلاف نہ ہو جائے۔[۱۴۶]

اُمہات الکتب میں سے اکثر میں تو اس کا ذکر ہی نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی لیکن بعض کتب میں اس کا ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دے دی تھی اور جب اس بات کا علم حضرت عمر فاروق کو ہوا تو اُنہیں بہت رنج ہوا کہ میں نے اسلام کے لیے جو خدمات سر انجام دی ہیں اس کا صلہ مجھے اس صورت میں ملے گا یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا بالآخر اللہ میاں نے ان کی بات سُن لی اور حضرت جبرائیل علیہ اسلام حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور رجوع کا حکم دیا اور اسطرح رسول کریم ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے رجوع کر لیا۔[۱۴۷]

اسلامی ریاست میں خلیفہ کا انتخاب عوامی رائے سے ہوتا ہے۔ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی جاتی ہے اور خلیفہ کے لیے چند نام تجویز کر کے دے دیئے جاتے ہیں اور مجلس شوریٰ کو ہدایت کر دی جاتی ہے کہ وہ اصحاب الرائے افراد سے مشورہ کرکے کسی ایک کا نام تجویز کر دیں۔ اگر چہ چاروں خلفائے راشدین کے انتخاب کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن عوام کی رضامندی کا دخل ہر طریقے میں کارفرما ہے۔اسلامی ریاست میں باپ کے بعد بیٹے کو ولی عہد یا جانشین نامزد کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ میں اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گیا انہوں نے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے باپ کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے، میں نے کہا ایسا نہیں کریں گے۔انہوں نے کہا وہ ایسا ہی کریں گے میں نے قسم کھائی کہ میں اُن سے اس کا ذکر کروں گا پھر میں چُپ رہا دوسرے دن صبح کو بھی میں نے ان سے نہیں کہا لیکن میرا حال ایسا تھا جیسے کوئی پہاڑ کو ہاتھ میں لئے ہو (قسم کا بوجھ تھا) آخر میں لوٹا اور ان کے پاس گیا انہوں نے لوگوں کا حال پوچھا میں بیان کرتا گیا پھر میں نے کہا: میں نے لوگوں سے ایک بات سنی تو قسم کھالی کہ آپ سے ضرور اس کا ذکر کروں گا وہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے اور اگر آپ کا کوئی چرانے والا ہو اُونٹوں کا یا بکریوں کا پھر وہ آپ کے پاس چلا آئے ان اونٹوں یا بکریوں کو چھوڑ کر تو آپ یہ سمجھیں گے کہ وہ جانور برباد ہو گئے۔

اس صورت میں آدمیوں کا خیال بہت ضروری ہے میرے اس کہنے سے ان کو خیال ہوا اور

ایک گھڑی تک وہ سر جھکائے رہے (فکر کرنے لگے پھر سر اُٹھایا اور کہا کہ اللہ جل جلالہ، اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور میں اگر خلیفہ منتخب نہ کروں تو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کیا اور اگر خلیفہ منتخب کروں تو حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ کیا ہے۔عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا پھر قسم خدا کی جب اُنہوں نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے برابر کسی کو نہیں کرنے والے اور وہ خلیفہ منتخب نہیں کریں گے۔ [۱۴۸]

حضرت حفصہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم اپنی جوان عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کیا کرتے تھے، ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اُتری، اُس نے اپنی بہن سے نقل کیا (اور کہا کہ میری بہن کے شوہر نے بارہ غزووں میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کیا تھا، اور چھ غزووں میں میری بہن ان کے ہمراہ تھیں) انہوں نے کہا، کہ ہم زخمیوں کی دوا کیا کرتے تھے اور مریض کی تیمارداری کرتے تھے (ایک مرتبہ) میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس برقع نہ ہوتو اس کو باہر نکلنے میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ والی کو چاہیے کہ وہ اپنا برقع اُسے اُڑھالے، اور اُسے چاہیے کہ خیر (مجالس) میں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو۔ [۱۴۹]

حضرت حفصہؓ بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کو عمرہ سے حلال ہو جانے کا حکم دیا تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو ہمارے ساتھ حلال ہونے سے کیا چیز مانع ہے ؟ آپؐ نے فرمایا:

میں نے قربانی کا جانور بھیج دیا ہے اور سر کو چپکا لیا ہے پس میں اپنا قربانی کا جانور ذبح کرنے تک تاخیر کروں گا ۔ [۱۵۰]

عالم کے لیے مناسب ہے کہ مسائل علمیہ کو اپنے مطالعہ میں رکھے ۔ ذہن کو علم سے زیادہ دور ہونے کا موقع نہ دے اس پر ذُہول و نسیان کا پردہ نہ پڑنے دے کیونکہ علم بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے اور بہت جلد ذہن سے نکل جاتا ہے۔مومن کے لیے جس قدر علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اسی قدر اس پر عمل کرنا بھی ضروری و لابدی ہے۔ بزرگوں نے علم کو مال و دولت کے مشابہہ ٹھہرایا ہے۔انسان مال کے حصول میں چار مدارج طے کرتا ہے تب کہیں جا کر تکمیلی درجہ پر پہنچتا ہے۔ پہلے اس کو حاصل کرنا

ہے اور اس راہ میں اپنی جان کھپاتا ہے پھر حاصل کر کے محتاجی سے خلاصی و نجات پاتا ہے۔ دوسروں سے غنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے پھر حاصل کی ہوئی دولت کو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور اپنی محنت سے خود فائدہ اٹھاتا ہے۔

ان تین مرحلوں کے بعد اپنی کمائی ہوئی دولت میں دوسروں کا حق بھی جانتا ہے اور اس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ بس علم کے تکمیلی پہلو تک پہنچنے میں عالم کو بھی ان چار مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔ ایک طالب علمی کا دور پھر علم حاصل کرنے اور مکمل عالم ہو جانے کا زمانہ پھر اس حاصل کردہ علم سے خود فائدہ اٹھانے کا دور یعنی اپنے علم پر پہلے خود عامل ہونا، اس کے بھی بعد علم کو دوسروں تک پہنچانے کا دور آتا ہے جس میں عالم فیض یاب نہیں فیض رساں بنتا ہے، جو کچھ لے چکا ہوتا ہے اس کو بانٹتا ہے۔ عالم باعمل کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کہ خود بھی روشن ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرتا ہے یا مثلاً مشک کہ خود بھی خوشبودار ہے اور دوسری اشیاء کو بھی خوشبو دار بناتا ہے اور عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے چاقو چھری تیز کرنے کی سان کہ اوروں کو تیز اور دھار دار بنا کر کاٹنے کے قابل بنائے اور خود نہ کاٹ سکے۔ یا مثلاً سوئی کہ کپڑے سی سی کر ننگوں کو ڈھکے اور خود ننگی کی ننگی ہی رہے یا چراغ کی بتی کہ دوسروں کو روشن کرتی جائے اور خود جلتی جائے اور فنا ہوتی جائے۔

گویا تمہارا خود عمل تمہاری بات کی تردید کرے اور تم کو جھٹلائے ،کان تم سے بھلائی سنیں ،آنکھیں بھلائی نہ دیکھ سکیں اس سے جاہل دھوکے میں پڑتے ہیں اور غلط راہ لگتے ہیں۔ وہ عالم کی بات کو چھوڑ کر اس کے عمل کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ایک شخص ایک چیز کھائے اور دوسروں سے کہے کہ تم یہ نہ کھانا یہ زہر ہے تو لوگ اس کو جھوٹا جانیں گے اور کہیں گے کہ یہ زہر ہوتا تو خود نہ کھاتا ۔ اس لیے بجائے نفرت کے لوگوں کو اس کی طرف رغبت ہوگی۔

صحابیات کی علمی خدمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے ذریعے سے جو علم بھی ہم تک پہنچا ہے اس پر وہ خود بھی عمل پیرا تھیں۔

فصل چہارم

علم اسرار الدین میں خواتین کی دینی خدمات:

علم اسرارالدین اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کیے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی عمرؓ، علیؓ، حضرت زیدؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے اس کے اصول وقواعد منجمد کیے ہیں۔ باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کر دی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہیں۔[۱۵۱]

اس فن میں صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کیے ہیں مثلاً: عہد نبوت ۔حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ حضورؐ بیت الخلاء سے نکلتے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے:

"وغفرانک"

اے اللہ میں تیری بخشش کا طلبگار ہوں۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا منع ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اُسکی تصدیق نہ کرو کیونکہ آپؐ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔

استنجا ہمیشہ پانی سے کرنا چاہیے ۔حضرت معاذہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے (عورتوں سے) فرمایا کہ اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پانی سے استنجا کیا کریں۔ کیونکہ مجھے ان سے شرم آتی ہے اس لیے

کہ رسول کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[۱۵۲]

مومن اور مسلمان جس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں، نماز اس کا عملی اظہار، شہادت اور ثبوت ہے۔نماز کی اس قدر اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ نماز مخلوق کا اپنے دل، زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے عبودیت اور بندگی کا اظہار ہے۔ اس کی مہربانیوں اور لاتعداد احسانات کا شکر ادا کرنا ہے۔ خالق کائنات کی حمدو ثنا ہے اور اس کی عظمت و کبریائی اور توحید و یکتائی کا اقرار کرنا ہے۔نماز اپنے آقا کے حضور میں جسم و جان کی بندگی ہے۔ خالق ومخلوق کے درمیان وابستگی کا ذریعہ ہے۔ نماز کی شرائط سات ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی رہ گئی تو نماز نہ ہوگی۔ ان شرائط میں ایک شرط ستر پوشی ہے یعنی جسم کے ان حصوں کو چھپانا مرد اور عورت کے لیے فرض ہے۔مرد کے لیے ناف سے لے گھٹنوں تک اور عورت کے لیے چہرے، ہتھیلی اور پاؤں کے علاوہ سارے جسم کا چھپانا فرض ہے۔ جوان لڑکی کی بغیر چادر نماز نہیں ہوتی اس لیے کہ نماز میں ستر پوشی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جوان لڑکی کی بغیر چادر کے نماز قبول نہیں (یعنی بغیر چادر اوڑھے)۔[۱۵۳]

مسجد کا نام آتے ہی پاکیزگی اور صفائی کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے، انہیں صاف ستھرا رکھنے اور اُن میں خوشبو (چھڑکنے) کا حکم دیا۔[۱۵۴]

شوہر کی رضامندی عورت کو جنت میں لے جائے گی اور اس کی ناراضگی جہنم کا باعث بنے گی۔ حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو عورت اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو، وہ جنتی ہے۔[۱۵۵]

نماز پورے خشوع وخضوع اور عاجزی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔نماز پورے ادب کے ساتھ پڑھنی چاہیے کیونکہ نماز میں بندہ اپنے پروردگار کے سامنے اس کی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ گویا کہ نمازی اس وقت اللہ کے روبرو پیش ہوتا ہے۔نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔حضرت عائشہؓ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا برا جانتی تھیں اور کہتی تھیں یہودی لوگ ایسا کرتے ہیں۔[۱۵۶]

پانی، نمک اور آگ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو اگر کوئی مانگے تو انکار کرنا جائز نہیں بلکہ

فوراً دے دینی چاہیے ۔ یہ اشیاء انسانی ضرورت کے لیے اہم ہیں ۔ان چیزوں کے استعمال سے انسان کو فائدہ ہوتا ہے اوراس کے عوض دینے والے شخص کوثواب ملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا جائز نہیں ہے آپ نے فرمایا پانی نمک اور آگ پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ پانی کے معاملہ کوتو میں نے سمجھ لیا (یعنی اس کے نہ دینے سے لوگوں کو اور جانوروں کو کس قدر تکلیف پہنچے گی) لیکن نمک اور آگ کی بات سمجھ میں نہیں آئی ۔آپ نے فرمایا حمیرا (گلاب کے پھول کی مانند سرخ رنگ) جوشخص کسی کوآگ دے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے کو یا اس نے وہ تمام چیزیں جواس آگ پر پکائی گئی ہیں صدقہ کیں ۔جس شخص نے کسی کونمک دیا گو یا اس نے اس تمام چیز کا صدقہ دیا جس کواس نمک نے ذائقہ دار بنایا اورجس نے مسلمان کوایک بار پانی پلایا اس جگہ جہاں پانی ملتا ہےتو گو یا اس نے ایک غلام آزادکیا اورجس نے ایسی جگہ مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی دستیاب نہیں ہوتا اس نے گو یا اس کو زندہ کر دیا ۔[۱۵۷]

جب غلام میاں بیوی کوآزاد کرنے کا ارادہ کیا جائے تو حدیث ہے کہ پہلے مردکوآزاد کیا جائے پھرعورت کو۔ کیونکہ اگرعورت کو پہلے آزاد کیا تو وہ کہے گی کہ اس کا خاوند غلام ہے۔اس صورت میں وہ فسخ نکاح کا دعویٰ کرسکتی ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے دو غلامو ں کو جومیاں بیوی تھے آزادکرنے کا ارادہ کیا نبیؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا پہلے مردکوآزادکرو پھرعورت کوتا کہ عورت کوفسخ نکاح کا اختیار نہ رہے۔[۱۵۸]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شریعت کے سارے احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں ،لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احکام کے بہت سے مصالح خود بتائے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو احکام دیئے اُس کی مصلحتیں کبھی خود ظاہرفرمادی ہیں ،اور کبھی کسی نے پوچھا تو بتا دیا ہے، صحابہ میں جو لوگ شریعت کے رازدان تھے، وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ تھے،لیکن اسرارشریعت کی زیادہ واقفیت حضرت عائشہؓ کوتھی اورانہوں نے سربمہرخزانوں کو سب سے زیادہ وقف عام کیا۔ چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل احادیث کے اوراق اورصفحات ہیں۔

عائشہ صدیقہؓ نے خبر دی کہ افلح ابوالقیس کا بھائی میرے دروازے پر آیا اوراجازت چاہی اندر

آنے کی۔ وہ ان کا رضائی چچا تھا۔ بعد اس کے کہ پردہ کا حکم اتر چکا تھا، سو میں نے اسے نہ آنے دیا پھر جب جناب رسول اللہ ﷺ آئے تو میں نے آپؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے آنے دو۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جو ولادت سے حرام ہوتا ہے وہی رضاعت سے بھی حرام ہوتا ہے۔[۱۵۹]

یعنی دودھ اس کے بھائی کی بیوی نے پلایا (بھاوج اور دیور میں کوئی نسبتی تعلق نہیں ہے جو حرمت ثابت ہو)۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں وہ تمہارا چچا ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احکام کے اندر مصالح عقلی کو بھی تلاش کرتی تھیں۔

وہ نمازیں جو چار رکعات ہیں، قصر کی حالت میں صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساکت کر دی گئی ہیں لیکن اصل واقعہ سنو۔ فرماتی ہیں:

> اُم المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: فرض ہوئی نماز دو، دو رکعت حضر میں بھی اور سفر میں بھی پھر سفر کی نماز ویسی ہی رہی اور حضر کی بڑھا دی گئی۔[۱۶۰]

یعنی جب نمازیں فرض ہوئیں تو چاہے وہ سفر کی نماز ہو یا حضر کی دونوں دو، دو رکعت فرض ہوئی تھیں لیکن بعد میں سہولت کی خاطر سفر کی نماز وہی دو رکعت رہی جبکہ حضر کی نماز بڑھا دی گئی۔

احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ عصر کی اور صبح کی نماز پڑھ لینے کے بعد پھر کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں۔ بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ عبادت کا خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

> اُم المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز سے ایک سجدہ قبل غروب آفتاب پا لیا یا صبح سے قبل طلوع اس نے وہ نماز پالی اور سجدہ سے مراد رکعت ہے۔
>
> حضرت عمرؓ کو وہم ہوا، آپ نے نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو دیکھ کر نماز پڑھے۔[۱۶۱]

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو یا آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ کا گمان نہ ہو۔ اسی قسم کی روایتیں اور صحابہ سے بھی بخاری میں مروی ہیں۔

عدل خدا کی صفت ہے اور پورا نظام کائنات عدل پر قائم ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر کام کر رہی ہے اور کائنات کی کوئی شے ایک دوسرے کے دائرے میں مداخلت نہیں کرتی۔ اسلام اعتدال اور توازن برقرار رکھنے پر زور دیتا ہے اور عدالتی معاملات میں بھی عدل کے ساتھ کام لینے پر زور دیتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اے اللہ! جس شخص کو میری اُمت کے کسی کام کا والی اور متصرف بنایا گیا ہو اور وہ میری اُمت پر مصیبت و مشقت ڈالے تو تو بھی اس پر مصیبت و مشقت ڈال اور جو شخص (یعنی حاکم و والی) میری اُمت پر رحم و نرمی کرے تو بھی اس پر رحم و نرمی کر۔ بہترین انسان وہ ہے جو انصاف سے کام لے اور اس میں سچ بات کہنے اور سننے کی ہمت ہو۔

مزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تم جانتے ہو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سایہ میں سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے صحابہ نے عرض کیا:

> اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا وہ لوگ عرش الٰہی کے سایہ میں سب سے پہلے جائیں گے جن سے حق بات کہی جائے تو وہ اس کو قبول کر لیں (یعنی وہ امیر اور حاکم جو حق بات کو سنیں اور قبول کریں) اور جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جائے تو وہ خرچ کریں اور لوگوں پر اس طرح حکومت کریں جس طرح اپنے اوپر حکومت کی جاتی ہے (یعنی لوگوں پر اس طرح حکومت کریں جس طرح اپنی ذات پر حکم کرتے ہیں)۔[۱۶۲]

فرماتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی عہدہ دیا جائے تو وہ اس میں سے اپنے خاندان کی کفالت کے لیے خرچ لے سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے کہا میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کے مصارف کے لئے کافی تھا اب میں مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے ابو بکرؓ کے اہل و عیال بیت المال سے کھائیں گے اور ابو بکرؓ مسلمانوں کیلئے اس مال میں کام کرے گا (یعنی مال کو حاصل کرنے اور خرچ کرنے کی خدمت انجام دے گا)۔[۱۶۳]

مال کی تقسیم میں لونڈی غلام کا لحاظ نہیں رکھنا چاہیے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس میں نگینے بھرے ہوئے تھے آپ نے ان نگینوں کو بیبیوں اور لونڈیوں پر تقسیم کر دیا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے والد (یعنی ابو بکرؓ) آزاد اور غلام دونوں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔[۱۶۴]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا گیا ہو تو کھاتے وقت بسم اللہ کہہ کر کھایا جا سکتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس جگہ ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے شرک کا زمانہ بہت قریب ہے (یعنی نو مسلم ہیں) یہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ زبح کے وقت خُدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں آپ نے فرمایا تم کھاتے وقت بسم اللہ کہہ کر کھالیا کرو۔[۱۶۵]

زیادہ کھانا اچھا عمل نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کھایا جائے جو بھوک کو مٹا سکے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ فرمایا آپؐ نے اس غلام کے آگے کھجوریں ڈال دیں غلام بہت سی کھجوریں کھا گیا رسول کریم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا زیادہ کھانا بے برکتی کا سبب ہے۔پھر اس غلام کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔

کھانا ہمیشہ ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیے اور یہ برکت کا موجب ہے۔حضرت اسما بنت ابو بکرؓ فرماتیں ہیں کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو وہ اس کو ڈھانک کر رکھ دینے کا حکم دیتیں چنانچہ اس کو ڈھانک کر رکھ دیا جاتا یہاں تک کہ اسکی بھاپ نکل جاتی (یعنی اسکی گرمی کم ہو جاتی یا بالکل ٹھنڈا ہو جاتا) اور یہ فرماتیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ کھانے میں سے گرمی کا نکل جانا بڑی برکت کا موجب ہے۔[۱۶۶]

عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ پورا جسم پردے میں شامل ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتیں ہیں کہ اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اسماءؓ! عورت جب بالغ ہو جائے تو منا سب نہیں ہے کہ اس کا کوئی عضو دیکھا جائے مگر یہ اور اشارہ کیا اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں

کی طرف ۔[۱۲۷]

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں جس طرح رسول کریم ﷺ سب سے بڑے آدمی تسلیم کیے جاتے ہیں اسی طرح حضرت عائشہؓ تاریخی لحاظ سے سب سے بڑی عورت ہیں ۔جس طرح ان کے محترم شوہر نے دنیا میں ایک سچا مذہب پھیلا کر بہت بڑا احسان کیا ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ نے بھی ان کی تعلیمات شائع کر کے امت کو مرہون منت کیا ہے بعض محدثین کا قول ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ نہ ہوتیں تو نصف علم حدیث ضائع ہو جاتا ۔

محدثین کے اس قول میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جس طرح سے انہوں نے شریعت کے اسرار و مصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور بکثرت مسائل کے علل واسباب بیان کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں ۔

فصل پنجم

عبادات میں خواتین کی دینی خدمات:

عبادت سے مراد وہ خاص اعمال ہیں جو بندہ اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ ان اعمال کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اس کی واحدانیت، اس کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ ان عبادات سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کا مقصد انسان کے نزدیک اللہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ان ہی اعمال سے انسان کی بے چارگی اور عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی کو عبادت کہتے ہیں۔

دنیا میں عبادات کے مختلف تصور پائے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل مختلف قسم کے مذاہب کے ماننے والے اپنے طریقوں، رسم و رواج کے ذریعے عبادت کرتے تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد اسلامی طرز پر عبادات شروع کی گئیں۔ آج بھی دنیا میں عبادات کے مختلف طریقے پائے جاتے ہیں۔اس ضمن میں دنیا میں عبادات کے دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ جاہلی تصور عبادت:

جاہلی تصور عبادت سے مراد وہ تصور عبادت ہے جس میں انسان دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جس طرح انسان دوسروں کی خوشامد سے خوش ہوتا ہے اسی طرح دیوتاؤں کی خوشامد کی جائے، ان کے آگے سر جھکایا جائے تو وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔

۲۔ جوگیانہ یا راہبانہ تصور:

عبادت کا دوسرا تصور جوگیانہ یا راہبانہ ہے۔اس طریقہ عبادت میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب کو راضی کرے اور اس کے گناہ بخشے جائیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ معاشرے کو چھوڑ کر کسی جنگل میں چلا جائے اور وہاں پر تنہا اپنے رب کا ذکر کرے۔ یہ تصور ان لوگوں کے ذہن میں ہے جو دنیا اور آخرت یعنی دین اور دنیا میں تفریق کرتے ہیں۔ان کے خیال میں دین اور دنیا دو الگ الگ ہیں۔

لیکن اسلام کی آمد سے دنیا میں روشنی کی کرن نمودار ہوئی۔ اسلام نے تمام باتوں کو غلط ثابت کیا اورانسانوں کی بھلائی کے لیے ہرقدم پر ان کی راہنمائی کھول کر بیان کردی۔اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے ساتھ عبادت کے تصور کو بھی متعارف کرایا۔

اسلام کا تصورِعبادت ان دونوں تصورات سے مختلف ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ انسان ایک اللہ کا بندہ ہے اور انسان کو اس دنیا میں اسی رب کی عبادت کے لیے بھیجا گیا ہے جس نے اس کائنات کی تخلیق کی۔ اللہ نے انسان کو اپنا نائب مقرر کیا ہے۔

اس نقطۂ نظر کی رو سے مندرجہ بالا دونوں تصورات غلط قرار پاتے ہیں۔اسلام کے تصورِعبادات میں انسان کے لیے عبادت کی حدود مقرر کر دی گئی ہیں۔ مثلاً انسان کو اسی رب کی عبادت کرنی چاہیے جس نے اسے بنایا ہے۔، اس کے لیے دنیا، زمین و آسمان، ہوا، پانی، روشنی کا انتظام کیا۔اس تصور میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہزاروں فرشتے موجود ہیں لیکن اللہ اپنے بندے کو دنیا میں بھیج کر اس کی آزمائش کرتا ہے کہ آیا وہ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے یا دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اللہ اور اس کی عبادات کو بھول جاتا ہے۔

ان عبادات میں سے ایک عبادت نماز کی ادائیگی ہے۔نماز میں انسان اللہ تعالیٰ کی بڑائی، اس کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اور اپنا سر اس کے حضور بڑی عاجزی کے ساتھ جھکاتا ہے۔ انسان مکمل آداب کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کی بندگی کرنے کا اظہار کرتا ہے۔

نفلی روزہ توڑنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بعد میں اس کی قضاء کی جاسکتی ہے۔ ایک مرتبہ فتح مکہ کے دن حضرت فاطمہؓ آئیں اور رسول کریم ﷺ کی بائیں طرف بیٹھ گئیں اُم ہانی آپؐ کی دائیں طرف تھیں ایک لونڈی ایک برتن لائی جس میں کچھ پینے کی چیز تھی اس نے آپؐ کو وہ برتن پکڑوا دیا۔ آپؐ نے اس سے پیا پھر اُم ہانی کو پکڑا دیا۔اُنہوں نے اس سے پیا کہنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے افطار کیا ہے جبکہ میں روزہ سے تھی آپؐ نے فرمایا تو کسی چیز کی قضاء کر رہی تھی۔ اس نے کہا نہیں فرمایا اگر روزہ نفلی تھا تجھے کچھ نقصان نہیں ہے۔[۱۶۸]

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اُم عمارۃؓ کے گھر تشریف لے گئے، اس نے آپؐ کے لیے کھانا منگوایا۔ آپؐ نے فرمایا کھا۔اس نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا روزہ دار کے پاس جس

وقت کھانا کھایا جائے فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ کھانے والے فارغ ہوں۔[۱۶۹]

دوسری ازواج مطہراتؓ کی طرح حضرت جویریہؓ بھی بہ عبادت گزار تھیں۔ایک مرتبہ نبی کریمؐ صبح کے وقت ان کے ہاں سے نکلے۔صبح کی نماز کا ارادہ فرمایا اور آپؐ کی زوجہ جویریہؓ مصلیٰ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب آپؐ چاشت کے وقت واپس آئے تو وہ اُسی جگہ بیٹھی ہوئیں تھیں فرمایا تو اسی حالت میں رہی جس میں میں آپؐ سے جدا ہوا اور واپس آیا۔اس نے کہا: ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے پاس سے نکلنے کے بعد میں نے چار ایسے کلمے کہے ہیں اگر تیری آج کے دن کی ساری عبادت کو اس کے برابر تولا جائے تو وہ اس سے بھاری ہوں گے۔حضرت جویریہؓ نے پوچھا، وہ الفاظ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

”میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اور اسکی تعریف کرتا ہوں اسکی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اسکی مرضی کے مطابق اور اس کے عرش کے بوجھ کے برابر اور اس کے حکموں کی سیاہی کے برابر“۔[۱۷۰]

حضرت اُم سلمہؓ ہمیشہ صبح کی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتی تھیں کیونکہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز کے بعد فرمایا کرتے، اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والا علم اور قبول کیا گیا عمل اور پاکیزہ رزق کا سوال کرتا ہوں۔

مزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سُنا فرماتے تھے جو شخص مسجد اقصیٰ سے لے کر مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا احرام باندھے اس کے پہلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں یا آپؐ نے فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔[۱۷۱]

ایک مرتبہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا رمضان میں نماز کا کیا دستور تھا۔آپؓ نے جواب دیا کہ رسول کریم ﷺ (رات میں) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔خواہ رمضان کا مہینہ ہوتا یا کوئی اور پہلے آپؐ چار رکعت پڑھتے۔ ان کا حسن و ادب اور انکی طوالت الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ پھر آپؐ تین رکعت پڑھتے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا! کہ میں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ : آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟

اس پر آپؐ نے فرمایا:

کہ عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔

مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں حضرت عائشہؓ کی منزلت معلوم تھی۔ حضور ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو محبت تھی وہ ان کے عمدہ اوصاف اور عقلمندی کی وجہ سے تھی۔ اکثر جب آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو انہی سے گفتگو فرماتے اور ان کی باتیں سنتے۔ حضرت عائشہؓ کی فصاحت و بلاغت ضرب المثل تھی۔ نہایت مسلسل اور معقول گفتگو کرتی تھیں۔ اس وجہ سے آپ ان کی باتوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ میں سے کسی کو کسی مسئلے کے متعلق وضاحت چاہیے ہوتی تو سب سے پہلے وہ حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوتے، یہ جاننے کے لیے کہ جب رسول کریم ﷺ رات کو بیدار ہوتے ہیں تو وہ سب سے پہلے کیا پڑھتے ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب آپ رات کو بیدار ہوتے دس بار اللہ اکبر کہتے، دس بار **الحمدللہ**، دس بار **سبحان اللہ**، دس بار **سبحا ن الملک القدوس**، دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور دس بار **لا الـه الا اللـه** کہتے۔ پھر فرماتے اے اللہ میں تیرے ساتھ دنیا کی تنگی اور قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر نماز تہجد شروع کرتے۔[۲۷]

رسول کریم ﷺ کو امہات المومنین کی بہ نسبت ان کے ساتھ زیادہ محبت اور انسیت تھی اور ان کی بہت قدر کرتے اور عزت کرتے تھے۔ ہر مسئلے کو ان کے سامنے کھول کر بیان کرتے۔ نصف شعبان کی رات بہت اہمیت کی حامل ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو جانتی ہے اس رات کیا واقع ہوتا ہے یعنی نصف شعبان کی رات اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس میں کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: اس رات میں سال میں ہونے والا ہر بچہ لکھا جاتا ہے اور اس سال میں بنی آدم میں فوت ہونے والا لکھ دیا جاتا ہے۔ اس رات ان کے اعمال بلند کیے جاتے ہیں اور اس رات لوگوں کے

رزق اُتر تے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ہر شخص اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہوگا؟ فرمایا ہاں ! کوئی نہیں جو جنت میں داخل ہو مگر اللہ کی رحمت سے تین بار فرمایا میں نے کہا اور آپ بھی نہیں اے اللہ کے رسولؐ؟ آپؐ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا ورفرمایا میں بھی نہیں جب تک اللہ کی رحمت مجھ کو نہ ڈھانکے۔ تین مرتبہ فرمایا۔[۱۷۳]

ایک مرتبہ معاذہؓ عدویہ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا رسول کریم ﷺ ہر مہینے کے تین روزے رکھتے تھے۔انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا مہینے کے کونسے دنوں میں روزے رکھتے تھے؟ کہا آپؐ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینہ میں کونسے دن ہوں لیکن دوسری روایت میں عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔حضرت اُم سلمہؓ کی ایک روایت سے ہر مہینے کے تین روزوں میں پہلا سوموار یا جمعرات کا ثابت ہے اور دوسری روایت میں رسول کریم ﷺ دنوں میں زیادہ ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھتے اور فرماتے۔ یہ دو دن مشرکوں کی عید کے ہیں میں ان کی مخالفت کرنا پسند کرتا ہوں۔[۱۷۴]

حضرت عائشہؓ اگرچہ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتیں تھیں لیکن پھر بھی جب حضرت عائشہؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگیں: کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ کاش میں ایک درخت ہوتی کہ اللہ کی پاکی میں رطب اللسان رہتی اور پوری طرح سے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتی۔کاش میں مٹی کی بوٹیوں میں سے کوئی بوٹی ہوتی اور قابل ذکر شے نہ ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اگرتم مجھ سے ملنا چاہتی ہوتو تم دنیا پر مسافر کے توشہ کی مانند قناعت کرواور امراء کی مجلسوں میں نہ اُٹھو بیٹھو اور کپڑوں کو جب تک ان میں پیوند کام دیتے ہیں پرانا نہ سمجھو۔[۱۷۵]

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مشغلہ ہوتا ہے۔حضرت فاطمہؓ کو قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ حتیٰ کہ بچوں کو بہلاتے ہوئے، روٹیاں پکاتے ہوئے قرآن مجید پڑھتی تھیں بلکہ آپ ہر کام کی مشقت بھی قرآن سرائی کی حلاوت میں بھول جاتی تھیں۔

سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ:

''جناب سیدہ چکی پیستی جاتی تھیں اور کلام اللہ پڑھتی جاتی تھیں۔ کلام اللہ میں جب کوئی نکتہ تشریح طلب ہوتا تو حضور پر نور ﷺ سے استفسار فرماتی تھیں۔ اسی لیے آپؓ کو کلام اللہ پر اتنا عبور اور فہم تھا کہ ارشاد فرماتی ہیں:

ترجمہ: اللہ کی سب تعریف کہ اس نے مجھے اپنی کتاب کے کسی نکتہ سے حیران نہیں کیا۔[۱۷۶]

بیماری کی حالت میں حضرت عائشہؓ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کرنے کی تلقین فرماتیں۔ ایک مرتبہ جب رسول کریم ﷺ بیمار ہوئے تو آپؐ سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس پڑھکر اپنے اُوپر دم کیا کرتے۔ جب آپؐ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو میں انھیں آپؐ پر پڑھتی اور اُن کی برکت کی اُمید رکھتے ہوئے اپنا ہاتھ پھیرا کرتی اور اسی طرح سے رات کو جب بھی نبی کریم ﷺ اپنے بستر پر آرام فرما ہوتے تو اپنی دو ہتھیلیوں کو جمع کر کے ان پر سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس پڑھ کر دم کرتے، پھر اُنھیں اپنے جسم انور پر پھیرتے جہاں تک ہو سکتا آپؐ اپنے سر اقدس اور چہرہ مبارک سے ابتداء فرماتے اور جسم انور کے سامنے کے حصے پر۔ غرض تین مرتبہ ایسا ہی کرتے۔[۱۷۷]

انسان پر اتنا ہی عمل واجب ہے جس کے کرنے کی اس میں طاقت ہو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (ایک دن) میرے پاس آئے، اس وقت ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا، فلاں عورت، اور اس کی نماز (کے اشتیاق اور پابندی) کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا ٹھہر جاؤ، (سن تو لو) تم پر اتنا ہی عمل واجب ہے جتنے کی تمہارے اندر طاقت ہے۔ اللہ کی قسم! (ثواب دینے سے) اللہ نہیں اکتاتا، مگر تم عمل کرتے اُکتا جاؤ گے۔ اور اللہ کو دین (کا) وہی (عمل) زیادہ پسند ہے جس کی ہمیشہ پابندی کی جا سکے۔ (انسان بغیر اکتائے اسے انجام دے)۔[۱۷۸]

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تو کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں پھٹ گئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے گئے۔ آپؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ

بنوں۔[۱۷۹]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے میں نے سنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات اور دن ختم نہ ہوں گے۔ جب تک لات اورعزیٰ پھر نہ پوجے جائیں گے ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو سمجھتی تھی۔ جب اللہ نے یہ آیت اُتاری ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو غالب کرے سب دینوں پر اگر چہ بُرا مانیں مشرک لوگ'' کہ یہ وعدہ پورا ہونے والا ہے (اور سوا اسلام کے) اور کوئی دین دنیا میں غالب نہ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا ایسا ہو گا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا۔ جس کی وجہ سے ہر مومن مر جاوے گا یہاں تک کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں دانے برابر بھی ایمان ہو گا مر جائے گا اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں بھلائی نہیں ہے پھر وہ لوگ اپنے (مشرک) باپ دادا کے دین پر لوٹ جائیں گے۔[۱۸۰]

حضرت عائشہؓ نے جہنم کو یاد کیا اور رونے لگیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کیوں روتی ہو انہوں نے کہا مجھ کو جہنم یاد آئی میں رونے لگیں آپ اپنے گھر کے لوگوں کو یاد کریں گے قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین مقاموں میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا ایک تو ترازو کے پاس جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اسکی ترازو ہلکی اُتری یا بھاری۔ دوسرے جس وقت کہا جائے گا۔ آؤ پڑھو اپنی اپنی کتاب جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی کتاب کدھر سے ملے گی داہنے ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے یا پیٹھ کے پیچھے سے، تیسرے پل صراط پر جب وہ جہنم پر رکھا جائے گا اور بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو گا جب تک اس سے پار نہ ہو جائیں گے۔[۱۸۱]

حضرت زینبؓ بنت مہاجر احمسیّہ:

علامہ ابن سعدؒ نے ان کا شمار تابعات میں کیا ہے اور ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں) ایک عورت کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئی۔ وہاں میں نے ایک خیمہ گاڑ لیا اور کسی سے بات نہ کرنے کی نذر مان لی، پھر ایک صاحب نے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا ''السلام علیکم''۔

میرے ساتھ والی عورت نے سلام کا جواب دیا۔ ان صاحب نے پوچھا۔۔۔'' میں نے جس کو

سلام کیا تھا اس نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟" میری ساتھی عورت نے کہا" یہ خاموش ہے اور اس نے کلام نہ کرنے کی منت مان رکھی ہے"۔

انہوں نے کہا "اے عورت کلام کر کیونکہ کلام نہ کرنے کی منت ماننا جاہلیت کی رسم ہے"۔

میں نے کہا: " آپ کون ہیں؟ اللہ آپ پر رحم فرمائے"۔

انہوں نے کہا "میں ایک مہاجر ہوں"۔

میں نے کہا "آپ کن مہاجروں میں سے ہیں"۔

انہوں نے کہا "قریش سے"۔

میں نے پوچھا "قریش کے کس قبیلے سے؟"

انہوں نے کہا "تم تو بڑی سوال کرنے والی ہو، میں ابو بکرؓ ہوں"۔

میں نے کہا: "اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! ہمارا جاہلیت کا زمانہ تازہ تازہ ہے اور ہم میں سے بعض بعض سے بے خوف نہیں۔ اب اللہ نے ہمیں اسلام کی نعمت عطا کی ہے یہ کب تک باقی رہے گی؟"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: "جب تک تمہارے امام صحیح رہیں گے"۔

میں نے پوچھا "امام کون ہیں؟"

فرمایا "کیا تمہاری قوم میں شرفاء نہیں ہیں جن کی بات مانی جاتی ہے"۔

میں نے کہا "ہاں"۔

فرمایا "یہی امام ہیں"۔[۱۸۲]

حضرت معاذہ عدویہؒ:

حضرت معاذہؒ بنت عبداللہ عدویہؒ کا شمار جلیل القدر تابعات میں ہوتا ہے۔ بصرہ کی رہنے والی تھیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شاگرد تھیں۔ ام المومنینؓ کی بہت سی حدیثیں ان کی زبانی مروی ہیں۔ زہد و عبادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں اور اپنے دور کی عظیم المرتبت

عارفات میں شمار ہوتی تھیں۔ ان کی شادی صلۃ بن اشیم سے ہوئی تھی۔

جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو انہوں نے دل میں یہ عہد کیا کہ اب کبھی بستر اور تکیہ استعمال نہیں کریں گی۔ یہ عہد انہوں نے تا دم مرگ نبھایا۔ ان کو ہر وقت موت کا دھیان رہتا تھا۔ صبح ہوتی تو خیال کرتیں کہ بس آج آخری دن مہلت کا ہے اور آج ہی مجھ پر موت وارد ہو جائے گی۔ جب رات ہوتی تو خیال کرتیں کہ بس یہ زندگی کی آخری رات ہے، جس قدر یادِ خدا ہو سکے کرلو۔ چنانچہ اسی طرح دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتیں تھیں۔ رات کو نیند کا غلبہ ہوتا تو اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتیں اور نفس سے مخاطب ہو کر فرماتیں:

''نیند تیرے سامنے ہے، قبر میں سونے کا خوب موقع ملے گا''۔

رات دن میں کئی سو نوافل، سنن و فرائض کے علاوہ پڑھتیں۔ ایک دن کسی نے ان سے کہا:

''اے معاذہؓ! تم اپنے نفس کو ضرورت سے زیادہ تکلیف دیتی ہو''۔

آپؓ نے فرمایا:

''تکلیف کیسی بھائی، رات کو جب نیند آتی ہے تو نفس سے کہتی ہوں کہ اب خدا کی یاد کر۔ جب زندگی کی شام ہو گی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سوتے رہنا۔ دن کو بھوک لگتی ہے تو نفس سے کہتی ہوں کہ اب کام کرنے کا وقت ہے، رات کو فرصت سے کھالینا۔ بھلا یہ بھی کوئی تکلیف کی بات ہے''۔

ایک دفعہ بیمار پڑیں، طبیب نے نبیذ تجویز کی۔ جب نبیذ تیار ہوئی اور انہوں نے اس کا پیالہ ہاتھ میں لیا تو دعا کی۔ ''خداوندا تو جانتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نبیذ پینے سے منع فرمایا ہے''۔ خدا کی قدرت پیالہ اسی وقت ان کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ اچھی ہو گئیں۔

حضرت معاذہؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت ام عمروؓ سے بھی روایت کی ہے اور ان سے ابو عاصمؒ، ابو قلابہؒ، قتادہؒ، یزید الرشکؒ اور حسن بصریؒ کی والدہ نے روایت کی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ نے انہیں ثقہ اور حجۃ کہا ہے۔ ابن حبانؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

جعفر بن کیسانؒ سے روایت ہے کہ میں نے معاذہؒ کو پیروں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انہوں

نے دونوں ٹانگوں اور پیٹھ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا اور ان کے چاروں طرف عورتیں تھیں۔ حضرت معاذہؒ کا سال وفات معلوم نہیں ہے۔[۱۸۳]

بی بی عفیرہ عابدہؒ:

بی بی عفیرہ عابدہؒ بصرہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مشہور شاگرد حضرت معاذۃ عدویہؒ سے کسب فیض کیا اور علم وعرفان میں اتنا بلند مقام حاصل کیا کہ اپنے دور کی عارفات کا ملہ میں شمار ہوئیں۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھیں۔ خوف خدا سے اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آخری عمر میں نابینا ہو گئیں۔

کسی نے کہا، ''بڑی بی اندھا ہونا بڑی بدنصیبی ہے''۔

بی بی عفیرہؒ نے جواب دیا:

''اللہ تعالٰی کے روبرو شرمندہ ہونا اس نابینائی سے زیادہ بدنصیبی ہے اور دل کا خدا کی جانب سے اندھا ہو جانا اس سے بھی بڑی بدنصیبی ہے''

روح بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عفیرہ عابدہؒ سے کہا:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات کو سوتی نہیں ہیں''۔

یہ سن کر وہ رونے لگیں اور فرمایا:

''میں خود چاہتی ہوں کہ کچھ سو لوں لیکن تم خود ہی بتاؤ میں کیسے سو سکتی ہوں جبکہ انسان کے دونوں محافظ (مقررہ فرشتے) دن اور رات کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتے''۔

ایک دفعہ کچھ عابد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ بی بی عفیرہؒ نے فرمایا:

''بھائیو! اگر گنہگاروں کی زبانیں خدا بند کر دیتا تو یہ بڑھیا گونگی ہوتی مگر خیر دعا مانگنا سنت ہے۔ اللہ جنت کے ہیروں سے تمہاری مہمانی فرمائے میرے اور تمہارے دلوں میں اپنے کرم سے موت کی یاد ڈالے اور مرتے دم تک ایمان سلامت رکھے''۔[۱۸۴]

بی بی خنساء بنت خدامؓ:

حضرت حفص بن عمر الجعفیؒ فرماتے ہیں کہ خنساء بنت خدامؒ یمن کی رہنے والی تھیں ۔ وہ بڑی پاکباز، عبادت گزار اور خدا ترس خاتون تھیں ۔ انہوں نے چالیس سال متواتر روزے رکھے جس کی وجہ سے ہڈی اور چمڑہ ایک ہوگیا تھا۔ وہ یادالٰہی میں اس قدر روتی رہتی تھیں کہ رفتہ رفتہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ۔امام طاؤس بن کیسان اورامام وہب بن کیسان بھی ان کی بہت تعظیم کرتے تھے ۔ جب رات آجاتی اور ہرطرف سناٹا چھا جاتا تو ان کی دردو اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوتی ۔

''اے خالق ارض و سما میں کب تک اس دنیا میں قید رہوں گی مجھے جلد نجات دے تاکہ میں تیرا وعدہ پورا ہوتا ہوادیکھ سکوں''۔پھر ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور پھر وہ دیر تک روتی رہتیں۔ ان کے رونے کی آواز پڑسیوں تک بھی پہنچتی رہتی ۔

مومن دنیا میں اسی رضا مندی کی فضا میں جیتا ہے جب وہ اپنے رب کے ہاتھ میں ساری طاقت دیکھتا ہے اور دنیا کو اسی کی قدرت کا مظہر پاتا ہے اوراس کے کاموں سے وہ ہر طرح راضی و خوش ہےتو اب ہر حال سے وہ راضی ہے ہر کیفیت سے وہ خوش ہے،کوئی بے چینی اس کے دل تک راہ نہیں پاتی، کوئی تشویش اس کے مضبوط دل کونہیں ہلا سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سچا مومن سکون و اطمینان کا مالک ہوتا ہے۔اضطراب اور بے چینی سے نا آشنا اور ناواقف ہوتا ہے۔

پرور دگار کی عظمت و بزرگی جب تک دل میں سرایت نہ کر جائے مومن دینی اور اخلاقی بہت سے مدارج طے نہیں کرسکتا بلکہ اس کے خلاف اس میں مذہبی اور اخلاقی بہت سے عیب پیدا ہو جاتے ہیں۔ دل میں تکبر وغرور کے جذبات موج زن ہوتے ہیں ۔ خود پسندی کا مادہ رونما ہوتا ہے۔خود کو بڑا دوسرے کو چھوٹا جاننے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کی قدرومنزلت اس کے دل میں گھٹ جاتی ہے۔ کو پروردگار کی عظمت سےنظر ہٹنے پر بہت سے مصائب کا دروازہ کھلتا ہے۔ ظاہر ہے جومومن اللہ کی عظمت و جلال پر اپنی نظر جمائے رکھے گا اوراس کی بے پناہ سطوت و جبروت کا خیال دل میں باقی رکھے گا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے وجود کوبھی حقیر و ناچیز جانے گا اپنی خلقت کو دیکھ کر خود کی حقیقت اس کی نظر سے گر جائے گی تو اس میں تواضع و خاکساری، عاجزی و فروتنی جیسی خوبیاں جڑ پکڑیں گی اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ حقیر خود کو جانے گا۔

سب سے بڑا اپنے مولا اور آقا خدا تعالیٰ کو اور اپنی حقارت اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت کا لامحالہ یہ تقاضا ہو گا کہ یہ اللہ کے سامنے جھکے گا اللہ کے ہر حکم کو بسر و چشم تسلیم کرے گا اور کبھی اس کے فرمان سے سرتابی نہ کرے گا۔ اسی طرح دوسرے انسانوں کے سامنے بھی یہ عاجزی اختیار کرے گا۔ خوش خو اور بااخلاق ہو گا یا یوں سمجھئے کہ پروردگار عالم کی بڑائی میں سب کی بڑائیاں اور بزرگیاں، اس کی نظر میں گم ہوئی معلوم ہوں گی۔ حتیٰ کہ خود کو بھی اس میں گم پائے گا اور بدیں صورت تکبر و غرور جو ایک بہت بڑا مہلک مرض ہے اس کی جڑ کٹ جائے گی اور خود پسندی جو اخلاقی زندگی کے لیے تقریباً مرض الموت ہے وہ بھی بالکل مٹ جائے گی۔ دوسرے رخ میں تواضع و خاکساری پیدا ہوگی جو ایک دیندار مومن کا روشن جو ہر ہے جس سے ہر چیز میں آب و تاب آتی ہے۔ عبادت مقبول ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو انسان محبوب ہو گا اور بندوں کو بھی پیارا ہو گا۔ [۱۸۵]

اُم مبشر الانصاریہ رضی اللہ عنہا:

انصار کی جن خواتین نے دنیا کی خواتین میں اچھے اثرات چھوڑے ان میں سے ایک ام مبشر بنت البراء بن معرور الانصاریہؓ بھی تھیں۔ آپ زید بن حارثہؓ کی بیوی تھیں۔ آپ نے ابتداء میں ہی اسلام کو پہچان لیا تھا اور مسلمان ہوئی تھیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور اسلام میں سبقت لے جانے اور والد کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے رسول اقدس ﷺ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔

ان کے والد قوم بنو سلمہ کے نقیب تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی بیعت کی۔ یہ ستر صحابہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔ یہ بڑے عالم و فاضل، متقی، صاف دل تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے قبلے کی طرف اپنا رخ پھیرا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے ایک مہینہ پہلے ماہ صفر میں دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ جب نبی کریم ﷺ مدینے تشریف لائے تو صحابہ کرام کے ہمراہ ان کی قبر پر آئے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ وفات کے وقت انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد ان کا منہ قبلے جانب کر دیا جائے۔ لوگوں نے ان کی اس وصیت پر عمل کیا۔

ام مبشرؓ اپنے علم و فقہ اور مرتبے کے اعتبار سے مشہور و معروف تھیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کبار صحابہ کرام میں سے تھیں۔ ام مبشرؓ کا حدیث رسول ﷺ سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ نبی کریم ﷺ کے گھر ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے اکثر و بیشتر

انکی ملاقات رہتی، خاص طور پر ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے بہت زیادہ ملاقات رہتی تھی اس لیے وہ حدیث کو اچھی طرح زبانی یاد کرلیا کرتی تھیں۔

آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے دس احادیث روایت کیں۔ ام مبشرؓ اس مشہور و معروف حدیث کی راویہ بھی ہیں جس میں اہل بدر کے فضائل و مناقب اور اہل بیعت کے فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں۔

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے گھر یہ ارشاد فرمایا: ''جو بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا یعنی وہ سب جنتی ہیں''۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ام مبشر کے گھر تشریف لائے۔ انہیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آپؐ کی باتیں اور توجیہات سننے کا اعزاز نصیب ہوا۔ بلاشبہ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے۔ حضرت ام مبشرؓ اس زیارت کا حال بیان کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے، میں بھی ایک کھجور کے درخت کے پاس بیٹھی تھی۔ آپؐ نے پوچھا اس درخت کو کس نے لگایا ہے، مسلمان نے یا کافر نے؟

میں نے عرض کی:

مسلمان نے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

کوئی مسلمان اگر ایک پودا لگاتا ہے یا فصل بوتا ہے، اس سے کوئی انسان، پرندہ یا جانور کھاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

یہ جلیل القدر صحابیہؓ پوری زندگی علم و عمل سے آراستہ رہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب وفات پائی تو آپؐ اس سے راضی تھے۔ حضرت ام مبشرؓ خلفائے راشدین کے زمانے میں زندہ و سلامت رہیں اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد میں بھر پور حصہ لیا۔ ان کے حالات زندگی اور واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے آخری ایام میں انہوں نے وفات پائی یا خلافت راشدہ کا دور ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد وفات پائی مگر تاریخ میں ان کی تاریخ وفات اور جائے وفات کا کوئی ذکر نہیں

ملتا۔ اللہ ام مبشر سے راضی ہوا۔ انہیں جنت کی بشارت دی جس کی وسعت ارض و سماء کے مطابق ہے اورانہیں متقی لوگوں کے ساتھ نجات عطا کی۔ یہ لوگ رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہوئے اور سدا بہار نعمتوں کے مستحق ٹھہرے۔[۱۸۶]

تبصرہ

ایک بندۂ مومن کو ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ وہ اپنی اصل منزل مقصود پر پہنچ جائے کیونکہ اس دنیا کو وہ ایک عارضی قیام گاہ تصور کرتا ہے اور اس دنیا میں اپنا جی اٹکا کر نہیں رہ جاتا، بلکہ اس کی نظر آخرت کی منزل پر ہوتی ہے۔ دنیا ایک پل یا راہ گزر کی طرح ہے اور راہگیر کو ہمیشہ منزل کی جستجو رہتی ہے۔ راستے کی کوئی دلفریبی و رعنائی اس کے دامن نگاہ کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ راستہ کتنا ہی پر کشش اور دلفریب کیوں نہ ہو، اصل اہمیت ومقصود تو منزل ہی کا ہے۔ یہ حالت اس دنیا کی ہے۔ یہ ایک راستہ ہے آخرت کی طرف جائے گا۔ دنیا اصل منزل نہیں بلکہ حصول منزل کا ایک ذریعہ ہے۔

دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی اس کی دلفریبیوں اور رنگینیوں میں کھو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ آخرت کو ہر لمحہ اپنی نگاہوں میں رکھے اور اس دنیوی زندگی کو چند روزہ مہلت سمجھتے ہوئے اس مہلت سے پورا پورا فائدہ اٹھائے تا کہ آخرت کی منزل آسان ہو اور وہاں کی سرخروئی حاصل ہو۔

پہلی صدی ہجری کی خواتین کو ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو سکے ہم زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں اس لئے کہ ہم اس دنیا میں محض امتحان کے لئے بھیجی گئی ہیں اور اس کا حساب آخرت میں ہونا ہے۔ بعض خواتین تو پوری پوری رات عبادات میں مشغول رہتی تھیں کسی لمحہ بھی نہیں سوتی تھیں۔ ان کے انہی کارناموں کی وجہ سے وہ اپنے وقت کی بہترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور ان کی یہ خدمات تا قیامت لوگوں کے دلوں میں زندہ و پائندہ رہیں گی۔

حوالہ جات ۔ باب: اول

۱۔ امام ابی الحسن علی بن محمد الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، تحقیق: الشیخ خلیل مامون۔ بیروت لبنان: دارالمعرفتہ، ج:۱۰،ص ۳۱۲

۲۔ ایضاً، ج:۵،ص ۳۰۰

۳۔ محمد بن سعد۔ طبقات ابن سعد، ترجمہ : راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج :۸، ص ۴۷۷۔۴۷۸

۴۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن ، باب، جمع القرآن جمعیۃ المکتہ الاسلامی، ۱۴۲۱ھ، ج:۳،ص ۱۰۴۸

۵۔ امام حافظ علامہ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ، مترجم : محمد اصغرمغل ۔کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، ج :۲، ص ۳۸۹

۶۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ،ترجمہ راغب اصفہانی،کراچی:نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ ، ج: ۸،ص ۱۱۳

۷۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد ، ترجمہ: علامہ وحیدالزمان، کتاب الصلوٰۃ، باب ''گھروں میں مسجد بنانے کا بیان''،کراچی: محمد سعیدا اینڈ سنز،س ن ،ج : اول،ص ۱۴۳

۸۔ القرآن ۔سورۃ القمر: ۵۴: ۴۵

۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب:تفسیر قرآن، باب'' حافظ علی صلوٰۃ والصلوٰۃالوسطیٰ کا بیان''،کراچی: نورمحمد اصح المطابع ،س ن ، ج : دوم،ص ۱۶۱

۱۰۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی ، دلائل النبوۃ ومعرفتہ احوال صاحب الشریعتہ ، تحقیق :الدکتورعبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء، ج : ۷،ص ۱۴۵

۱۱۔ القرآن: ۳۳: ۳۴

۱۲۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۷۱ء، ج:۲، ص ۳۰۸

۱۳۔ القرآن: ۶:۲۳

۱۴۔ القرآن: ۱۷۳:۲

۱۵۔ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، مئوطا امام محمد، کتاب الطلاق، باب ''قروکا اور طلاق کی عدت اور حائضہ کی طلاق کابیان''، کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن ص ۲۷۸

۱۶۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب'' ولقد راہ نز لۃ اُخری سے کیا مراد ہے اور رسولؐ نے حق جل شانہ کومعراج کی رات میں دیکھا تھا یانہیں''، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: اول، ص ۳۰۱

۱۷۔ القرآن: ۶: ۱۰۳

۱۸۔ القرآن: ۴۲:۵۱

۱۹۔ القرآن: ۵۳: ۱۳

۲۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب: تفسیر قرآن، باب ''تفسیر سورۃ النجم''، کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن، ج: دوم، ص ۲۵۱

۲۱۔ القرآن: ۴: ۱۲۳

۲۲۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ترجمہ: مو لا نا ظہور الباری اعظمی، نظر ثانی: حافظ مو لا نا انور کتاب تفسیر القرآن، لاہور: حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، س ن، ج: اول، ص ۸۹۱

۲۳۔ القرآن: ۵۲:۲۷

۲۴۔ القرآن: ۳۳:۳۳

۲۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۵۰۰

۲۶۔ مولوی عبدالرحمن صاحب جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، نفحات الانس، مترجم : مولانا حافظ سید احمد علی صاحب چشتی نظامی، لاہور: اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار، ص ۶۵۵

۲۷۔ علامہ حافظ ابوالفداء، عمادالدین ابن دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی، اردو بازار، ج : سوم، ص ۱۸۶

۲۸۔ ایضاً، ج: ۳، ص ۱۸۶

۲۹۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، ج : ۳، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص ۲۲۷

۳۰۔ السیدہ زینب بنت علی فواز العاملیۃ، الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور، تحقیق : محمد امین ضناوی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ج: ۲، ص ۵۰

۳۱۔ ایضاً، ج: ۲، ص ۴۹

۳۲۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی شیخ الحدیث حافظ محمد اسحاق، تذکرۃ الحفاظ، تقدیم وتہذیب : منیر احمد سلفی، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ج: ۱، ص ۴۵

۳۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ''جمعہ کا بیان''، لاہور: فرید بک سٹال اردو بازار، ج : اول، ص ۲۹۵

۳۴۔ صحیح البخاری، دیباچہ صحیح البخاری، کراچی: تاجران کتب قرآن محل، ج : اول، ص ۶۲

۳۵۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی، مسند ابو داؤد الطیالسی، مترجم: مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، باب: وضو کے مسائل اور دستار و موزوں پر مسح کرنے کا بیان، کراچی: ادارۃ القرآن پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۱ء، ج: اول، ص ۵۷، ۵۸

۳۶۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب'' جنازوں کا بیان''، ج: دوم، ص ۳۴۶

۳۷۔ القرآن :۱۵:۱۷

۳۸۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب'' جنازوں کا بیان''، جلد دوم، ص ۳۴۷

۳۹۔ ایضاً، باب: جو جانور ستاتا نہ ہو اس کو تکلیف دینا حرام ہے جیسے بلی کو، ج: ششم، ص ۱۹۰

۴۰۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب: الطلاق واللعان، باب'' تین طلاق والی عورت کے لیے نان و نفقہ نہیں''، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء، ج: اول، ص ۴۱۴

۴۱۔ ایضاً ، ابواب طعام، باب'' رسول کریمؐ کا پسندیدہ ترین گوشت''، لاہور: فرید بک سٹال اردو بازار، س ن ، ج : اول، ص ۸۷۳

۴۲۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب'' نماز شب اور وتر کے ایک ہونے کا بیان''، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج : دوم، ص ۲۳۰، ۲۳۱

۴۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب'' طلاق میں اپنی عورت کو اختیار دینا''، کراچی : مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، س ن، ص ۲۵۰

۴۴۔ ایضاً، باب'' بزمانۂ امن خواتین کو مساجد میں جانے کی اجازت اور خوشبو لگا کر باہر نکلنے کی ممانعت''، ص ۴۶

۴۵۔ ایضاً ، باب : کوچ کے دن محصب میں اترنا مستحب ہے، جلد سوم، ص ۳۴۶

۴۶۔ صحیح البخاری، ابواب العمرۃ، باب'' آنحضرتؐ نے کتنے عمرے کیے ہیں''، ج : اول، ص ۷۲۷، ۷۲۸

۴۷۔ ایضاً، کتاب المناسک، باب: مکہ کی فضیلت اور کعبے کی بناء کا بیان، ج : اول، ص ۸۹

۴۸۔ ایضاً، کتاب المناسک، باب''نبی کریمؐ کا مکہ میں اترنے کا بیان''، ج :اول، ص ۵۸۷، ۵۸۸

۴۹۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب'' تراویح کا بیان''، کراچی : مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج : دوم، ص ۲۴۰

۵۰۔ ترمذی شریف، ابواب الطہارۃ، باب''غسل کے بعد وضو''، ج : دوم، ص ۱

۵۱۔ علامہ حافظ ابن قیم، زادالمعاد، مترجم : رئیس احمد جعفری، کراچی : نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ۱۹۷۵ء، ج : ۴، ص ۲۷۴

۵۲۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ج : ۱۰، ص ۱۳۱

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۵۴۔ ایضاً ، ص ۱۳۱

۵۵۔ ایضاً، ص ۲۹

۵۶۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۵۷۔ علامہ حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، الھدایہ والنھایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳،۴، ص ۵۶۱

۵۸۔ ایضاً، ص ۵۶۲

۵۹۔ لابی بکر احمد بن حسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱، ج: ۳، ص ۴۶۱، ۴۶۲

۶۰۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ''ابوسفیان کی فضیلت''، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: دوم، ص ۲۴۰

۶۱۔ لابی بکر احمد بن حسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء، ج: ۳، ص ۴۵۹

۶۲۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران، معرفۃ الصحابہ، تحقیق: محمد حسن اسماعیل، سعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ج: ۵، ص ۱۵۶

۶۳۔ صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ''رومال کے بیان میں''، لاہور: حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، ج: سوم، ص ۲۲۹

۶۴۔ ایضاً، کتاب النکاح، باب ''بیوی کی بیٹیاں حرام ہیں''، ج: سوم، ص ۸۲

۶۵۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، باب ''سنتوں کی فضیلت اور ان کی گنتی کا بیان''، کراچی: مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، س ن، ج: دوم، ص ۳۲۲

۶۶۔ ایضاً، باب ''عمر اور روزی اور رزق تقدیر سے زیادہ نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے''، ج: دوم، ص ۲۱۴، ۲۱۵

۶۷۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی، سنن ابو داود، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب الصلوۃ، باب ''مہر کا بیان''، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ج: اول، ص ۱۴۳

۶۸۔ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ''عورت کا اپنے خاوند کے سوا اور کسی پر سوگ کرنا''، ج: اول، ص ۵۵۸، ۵۵۹

۶۹۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ، مترجم : علامہ عبداللہ العمادی،کراچی : نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء ، ج : سوم،ص ۲۰

۷۰۔ القرآن: ۵۲:۲۷

۷۱۔ محمد بن سعد ، طبقات ابن سعد ، ترجمہ : راغب رحمانی ،کراچی : نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج : ۸، ص ۳۳۲،۳۳۳

۷۲۔ القرآن ، ۸:۶۰

۷۳۔ صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر ، باب''۲۵۸''، ج : دوم،ص ۲۳۵

۷۴۔ ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی، جامع ترمذی،مترجم : محمد صدیق سعیدی ہزاروی، مولانا علامہ، باب : اہل جنت کا لباس ،ج : دوم،ص ۱۸۱

۷۵۔ ابو داؤدسلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد، مترجم : علامہ وحیدالز ماں ، باب ۲۰۱ ''اگر آفتاب ڈوبنے سے پہلے روزہ کھول لے''، ج : دوم،ص ۲۳۹

۷۶۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰،ص ۶۲

۷۷۔ شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، اکمال فی اسماء الرجال، باب'' متراجم اکسی''، لاہور: نعمانی کتب خانہ،س ن،ص ۳۲۱

۷۸۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران ، معرفتہ الصحابہ، تحقیق محمد حسن اسماعیل، سعد عبدالحمید السعدنی ، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ ، ج : ۵ ،ص ۲۶۱

۷۹۔ الامام المحدث شمس الدین ابوعبداللہ ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ترجمہ: محمد جونا گڑھی، کراچی : نفیس اکیڈمی، ج : دوم،ص ۹۰

۸۰۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، مترجم : مرزا حیرت دہلوی، باب'' فال کوئی کا بیان''، لاہور: ایور نیو بک پیلس،س ن ، ج : دوم،ص ۴۲۵

۸۱۔ القرآن : ۹۵:۱۶۔۹۶

۸۲۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، نفحات الانس، مترجم: جناب مولانا حافظ سید احمد علی صاحب چشتی نظامی، لاہور: اللہ والے کی دکان کشمیری بازار، ص ۶۵۵

۸۳۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج: ہشتم، ص ۳۲۱، ۳۲۲

۸۴۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۲۵۵

۸۵۔ ایضاً، ص ۲۵۶

۸۶۔ ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داود، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب الصلوٰۃ، باب عورتوں کا جنازے کے ساتھ جانا منع ہے"، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ج: دوم، ص ۵۶۳

۸۷۔ ایضاً، باب "میت کو کیونکر غسل دیا جائے"، ص ۵۵۴، ۵۵۵

۸۸۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۱۱۵

۸۹۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۳۰۶

۹۰۔ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج: ۱۰، ص ۲۴۹

۹۱۔ ایضاً، جلد: ۱۰، ص ۲۴۹

۹۲۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، باب" حوض کوثر اور اس کی صفتوں کا بیان"، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: اول، ص ۱۹

۹۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب: الاحکام، باب "اگر غلط طریقہ سے عدالت کسی کو کوئی شے دلوا دے"، کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن، ج: دوم، ص ۴۶۷، ۴۶۸

۹۴۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، باب "مرد یا عورت کسی کو سونے یا چاندی کے برتن میں کھانا یا پینا درست نہیں، کراچی: حدیث منزل، س ن، ج: پنجم، ص ۲۸۰

۹۵۔ صحیح البخاری ، کتاب الغسل، باب: صاح اوراس طرح کے دوسرے برتنوں سے غسل کرنا، لاہور: ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، ج: دوم، ص ۱۵

۹۶۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی، سنن ابو داؤد ، مترجم : علامہ وحید الزمان ، ج : دوم، باب : ۴۴ ''جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہوتو وہ ذوالحجہ کے دس دن تک بال نہ کترائے نہ منڈائے''، ص ۴۰۷

۹۷۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب زندگی، اردو ترجمہ الادب المفرد، مترجم: سید عبدالقدوس ہاشمی، کراچی : نفیس اکیڈمی، ص ۸۸

۹۸۔ بخاری شریف ،کتاب التفسیر، باب ''کتاب قرآن کی فضیلت کے بیان میں''،ص ۱۰۸۹

۹۹۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران ، معرفۃ الصحابہ، تحقیق : محمد حسن اسماعیل، سعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان : دارالکتب العلمیہ ، ج : ۵ ،ص ۲۶۱

۱۰۰۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰،ص ۱۰۶

۱۰۱۔ ایضاً، ص ۱۰۶

۱۰۲۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۱۰۳۔ امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب: الطہارت، باب ''باب سر کے پچھلے حصے سے مسح شروع کرنا''، کراچی: نور محمد اصح المطابع، س ن ، ج : اول،ص ۹۳

۱۰۴۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ۴۷۹، ج : دوم،ص ۵۶۳

۱۰۵۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰،ص ۱۱۶

۱۰۶۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ،مترجم :علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج : ۱۰ص ۴۵۴

۱۰۷۔ الجامع الترمذی، ابواب المناقب، باب ''مناقب حضرت انس بن مالک''، ج : دوم،ص ۳۹۶

۱۰۸۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ، ترجمہ : مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج : ۸، ص ۳۹۰

۱۰۹۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران ، معرفۃ الصحابہ، تحقیق : محمد حسن اسماعیل، سعد عبدالحمید السعدنی ، بیروت لبنان : دارالکتب العلمیہ ، ج: ۵ ،ص ۱۶۹

۱۱۰۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ ج : ۱۰،ص ۲۴۹

۱۱۱۔ القرآن: ۳۳: ۵۰

۱۱۲۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰، ص ۲۴۸

۱۱۳۔ ایضاً، ص ۲۴۹

۱۱۴۔ ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داود ، ترجمہ: علامہ وحیدالزمان، کتاب الصلوۃ، باب ''مردار کی کھال کا بیان''، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز ، ج : سوم،ص ۱۶۱

۱۱۵۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، الجامع الترمذی، باب ''اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے، کراچی: نورمحمد اصح المطابع ،س ن ، ج : اول،ص ۶۱۳

۱۱۶۔ صحیح البخاری، باب ۱۸۰:''غسل جنابت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا بیان'' ، ج : اول، ص ۱۷۸

۱۱۷۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ج : ۱۰، ۱۴۱۳ھ، ص ۳۴

۱۱۸۔ امام حافظ امام الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۂ مائدہ، کراچی: نورمحمد اصح المطابع ،س ن ، ص ۳۳

۱۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۱

۱۲۰۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، ترجمہ: وحید الزمان، علامہ، باب "عورتیں غسل میں چوٹیاں کھولیں یا نہ کھولیں"، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: اول، ص ۴۴۵

۱۲۱۔ ایضاً، باب "مسائل سیر کا بیان"، ج: دوم، ص ۸۳

۱۲۲۔ ایضاً، باب "جنازوں کا بیان"، ج: دوم، ص ۴۴۵

۱۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب "ایلا کا بیان"، کراچی: مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، س ن، ص ۲۵۱

۱۲۴۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلیشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج: دوم، ص ۱۲۶

۱۲۵۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد اسحاق، تقدیم وتہذیب: منیر احمد سلفی، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ج: ا، ص ۴۵

۱۲۶۔ الجامع الترمذی، ابواب المناقب، باب "حضرت عائشہؓ کی فضیلت"، ج: دوم، ص ۴۰۶

۱۲۷۔ الجامع الترمذی، ابواب المناقب، باب "حضرت عائشہؓ کی فضیلت"، جلد دوم، ص ۴۰۶

۱۲۸۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، ترجمہ: وحید الزمان، علامہ، باب "نماز شب اور وتر کے ایک ہونے کا بیان"، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: دوم، ص ۲۳۰

۱۲۹۔ الجامع الترمذی، باب "افطار میں جلدی کرنا"، ج: اول، ص ۲۸۸

۱۳۰۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، ترجمہ: وحید الزمان، علامہ، باب "موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان"، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، س ن، ج: اول، ص ۴۱۱

۱۳۱۔ ایضاً، باب "جس نبیذ میں تیزی نہ آئی ہو اور نہ اس میں نشہ ہو وہ حلال ہے"، ج: پنجم، ص ۲۳۸، ۱۳۹۔

۱۳۲۔ ایضاً، باب "جن وقتوں میں نماز منع ہے ان کا بیان"، ج: دوم، ص ۲۸۵، ۲۸۶

۱۳۳۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: علامہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، کراچی، فروری ۱۹۷۰ء، ج: ہشتم، ص ۹۲

۱۳۴۔ القرآن : ۶۵:۴

۱۳۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ،مترجم : علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج: ہشتم، ص ۱۸۴

۱۳۶۔ ایضاً، ص ۱۸۴

۱۳۷۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، وحید الزمان ،علامہ، باب'' زنانہ اجنبی عورتوں کے پاس نہ آئے''، کراچی: ، مکتبہ سعودیہ،حدیث منزل، س ن، ج : پنجم،ص ۳۴۸

۱۳۸۔ ایضاً، باب'' ظہر اور نملہ اور زہر کے لیے منتر کرنا مستحب ہے''، ص ۳۵۸

۱۳۹۔ ایضاً، باب'' جنازوں کا بیان''، کراچی : مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، ن، ج : دوم،ص ۳۵۸

۱۴۰۔ ایضاً، باب''حوض کوثر اور اس کی صفتوں کا بیان''، ص ۱۹

۱۴۱۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ''ضرورت کی بناء پر مسجد میں اونٹ لے جانے کا بیان''، ج : اول،ص ۲۴۳

۱۴۲۔ ابوداودسلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داود ، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب الصلوٰۃ، باب ''عورت ازار کو کتنا لٹکاوے''، کراچی : محمد سعید اینڈ سنز ،ج : سوم،ص ۲۶۸

۱۴۳۔ القرآن: ۱۹:۷۱

۱۴۴۔ ایضاً ۱۹:۷۲

۱۴۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ : راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج :۸،ص ۲۵۹

۱۴۶۔ صحیح البخاری ،کتاب المغازی، باب: ''جنگ خندق کا بیان اسے احزاب بھی کہتے ہیں'' کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب قرآن محل، ج : ۶،ص ۵۶۳

۱۴۷۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب'' طلاق کا بیان''، کراچی : مکتبہ سعودیہ،حدیث منزل، س ن ،ص ۲۴۶

۱۴۸۔ صحیح مسلم، ،جلد پنجم، باب: ''خلیفہ بنانا اور نہ بنانا''، ص ۱۱۶، ۱۱۷

۱۴۹۔ صحیح مسلم، ،جلد ششم، باب: ''فتنوں اور قیامت کی نشانیوں کا بیان''، ص ۳۶۲، ۳۶۳

۱۵۰۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ترجمہ مولانا اختر فتح پوری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ۵، ص ۲۵۰۔۲۵۱

۱۵۱۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ شیخ الحدیث حافظ محمد اسحاق تقدیم وتہذیب منیر احمد سلفی اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور پاکستان ۱۹۸۱ء، ج: ا، ص ۴۵

۱۵۲۔ الجامع الترمذی، باب ''طہارت کا بیان''، جلد اول، ص ۵۷، ۶۱

۱۵۳۔ ایضاً، باب ''جوان لڑکی کی نماز بغیر چادر کے مقبول نہیں''، ص ۱۸۸

۱۵۴۔ ایضاً، باب ''مسجدوں میں خوشبو کرنے کے متعلق''، ص ۲۵۶

۱۵۵۔ ایضاً، الجامع الترمذی، باب ''بیوی پر خاوند کا حق''، ج: اول، ص ۴۲۴

۱۵۶۔ ایضاً، کتاب بدء الخلق، باب ''بنی اسرائیل کے حالات کا بیان''، ج: دوم، ص ۳۵۷

۱۵۷۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری۔ مشکوٰۃ شریف، مترجم شیخ عبدالحق محدث دہلوی، باب ''پاک روزی اور حلال چیز کا بیان''، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب، س ن، ج: دوم، ص ۵

۱۵۸۔ ایضاً، باب ''لونڈی کو آزادی کے بعد اختیار دینے کا بیان''، ص ۱۰۲

۱۵۹۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، وحید الزمان، علامہ، باب ''دودھ پلانے کے مسائل''، کراچی: مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، س ن، ج: چہارم، ص ۵۶

۱۶۰۔ ایضاً، باب ''مسافر کی نماز کا بیان''، ج: دوم، ص ۱۹۷

۱۶۱۔ ایضاً، باب ''جس نے نماز کی ایک رکعت پا لی اس نے نماز پا لی''، ص ۱۴۷

۱۶۲۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری مشکوٰۃ شریف، ترجمہ: مرزا حیرت دہلوی، باب ''حکومت کا بیان''، لاہور: ایورنیو بک پیلس، س ن، ج: دوم، ص ۲۲۷، ۲۳۱

۱۶۳۔ ایضاً، باب ''حکام کی تنخواہ وغیرہ کا بیان''، ص ۲۴۰

۱۶۴۔ ایضاً، باب ''جنگ کے بغیر کفار کے مال کا بیان''، ص ۳۲۲

۱۶۵۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب ''گنواروں اور انکے مانند لوگوں کے ذبیحہ کا حکم''، ج: سوم، ص ۲۵۰

۱۶۶۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ: مرزا حیرت دہلوی، باب ''باب کھانوں کا بیان''،

لاہور: ایور نیو بک پیلس، س ن، ج: دوم، ص ۳۵۷

۱۶۷۔ ایضاً، باب ''لباس کا بیان''، ص ۳۸۳

۱۶۸۔ مشکوٰۃ شریف، باب ''روزوں کی قضاء کا بیان''، لاہور: ایور نیو بک پیلس، س ن، ج: اول، ص ۴۴۰

۱۶۹۔ ایضاً، باب ''لیلۃ القدر کا بیان''، ص ۴۵۱

۱۷۰۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج: سوم، ص ۳۳۵

۱۷۱۔ صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب ''نبی کریمؐ کا رات میں بیدار ہونا رمضان اور دوسرے مہینوں میں''، لاہور: حذیفہ اکیڈمی الفیصل مارکیٹ، س ن، ج: اول، ص ۴۶۶

۱۷۲۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب: ''رکوع اور سجود میں کیا فرق ہے''، لاہور: فرید بک سٹال اردو بازار، ج: اول، ص ۶۷۳

۱۷۳۔ مشکوٰۃ شریف، باب ''قیام رمضان کا بیان''، لاہور: ایور نیو بک پیلس، ج: اول، ص ۲۷۷

۱۷۴۔ ایضاً، باب ''نفلی روزوں کا بیان''، ص ۴۴۳، ۴۴۷

۱۷۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۰ء، ج: ہشتم، ص ۱۰۰، ۱۰۳

۱۷۶۔ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج: ۱۵، ص ۹۸

۱۷۷۔ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب ''دو سورتوں کی فضیلت''، جلد سوم، ص ۳۶

۱۷۸۔ صحیح مسلم، باب: ''ہمیشگی والے عمل کی فضیلت''، کراچی: مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، ج: دوم، ص ۲۰۰۶

۱۷۹۔ صحیح مسلم، باب ''عمل بہت کرنا اور عبادت میں کوشش کرنا''، ج: دوم، ص ۳۳۰، ۳۳۱

۱۸۰۔ ایضاً، جلد ۶، باب، ''فتنوں اور قیامت کی نشانیوں کا بیان''، ص ۳۸۱، ۳۸۲

۱۸۱۔ سنن ابو داؤد، باب ''ترازو کا بیان جس میں اعمال تولے جاویں گے''، ج: سوم، ص ۵۱۳

۱۸۲۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب، ''ایام جہالت کا بیان''، لاہور: ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، ج: سوم، ص ۸۴۷ تا ۸۴۸

۱۸۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، نفحات الانس، مترجم: جناب مولانا حافظ سید احمد علی صاحب چشتی نظامی، لاہور: اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار، ص ۶۵۲

۱۸۴۔ جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی ابن الجوزی۔ صفۃ الصفوۃ، حیدر آباد دکن: دائرہ المعارف العثمانیہ القائمۃ بمدینۃ، ۱۳۵۶ھ، ج: ۴، ص ۲۱

۱۸۵۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۹۰۔۹۱

۱۸۶۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مہران، معرفۃ الصحابہ، تحقیق: محمد حسن اسماعیل، سعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ج: ۵، ص ۳۷۸

باب دوم

مذہبی خدمات

حضور اکرم ﷺ نے جب دنیا میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو آپ ﷺ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جہالت کے اس دور میں جب انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا۔لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے ۔ امیر و غریب کی تفریق تھی۔ رنگ اور نسل ،عربی و عجمی، آقا و غلام کا تصور عام تھا۔ لوگ جہالت کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے تھے۔عورتوں کی عزت و احترام ناپید تھی۔معاشرے میں حرام و حلال کا تصور نہیں تھا۔لوگ شرک پر شرک کیے جاتے تھے۔ بتوں کی پوجا عام تھی۔ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔لوگوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ معاشرے میں برائیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

ایسی صورت حال میں نبی پاک حضرت محمد ﷺ نے مذہب کو عام کرنے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری لی۔ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی کے ذریعے قرآن پاک کی آیات نازل کی گئی تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو سچائی اور برائی میں فرق بتا سکیں اور اللہ کی وحدانیت کو کھول کر بیان کرسکیں۔

مذہب کو عام کرنے اور دین کی تبلیغ کرنے کے لیے حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے بڑی سختیاں برداشت کیں۔ آپؐ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ اسلام کا نام لینے والوں کو تپتی ریت پر لٹایا گیا ۔ جان سے ماردینے کی دھمکیاں دی گئیں، لالچ دیا گیا لیکن آپ ﷺ کے پیروکاروں نے ان تمام سختیوں کو اللہ کی رضا کے لیے نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا۔

کافروں کے ساتھ جو مذہب کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کئی مرتبہ جنگیں بھی لڑی گئیں اور ان میں آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں نے جام شہادت بھی نوش فرمایا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔ آپ ﷺ اور

آپ کے اصحاب نے پیار و محبت سے دین کی تبلیغ کی۔سختی کا جواب نرمی سے دیتے تھے اور لوگوں کا دل جیت لیتے تھے۔لوگوں کو ایمانداری، سچائی اور نیکی کی راہ دکھائی ۔ اچھے اور برے کی تمیز سکھائی، رنگ اور نسل کے فرق کو مٹایا، غلاموں کو آزاد کیا۔

جب کوئی کافر آپ ﷺ کا مذاق اڑاتا تو آپ ﷺ اس کا برا نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو اپنے نیک عمل سے سیدھے راستے پر لاتے تھے۔آپ ﷺ اس راستے سے گزرتے تھے وہاں ایک بڑھیا اپنے مکان سے اسی وقت آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتی تھی۔ایسا ناپاک عمل اس بڑھیا کا روز کا معمول تھا۔ایک دن آپ ﷺ وہاں سے گزر رہے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس بڑھیا نے کوڑا نہیں پھینکا ۔آپ ﷺ کو اس بڑھیا کا انتظار تھا۔جب اس بڑھیا نے ایسا نہیں کیا تو آپ ﷺ کو تشویش ہوئی ۔معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ بڑھیا آج بیمار ہے۔آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین تھے اور ویسے بھی بیمار کی خیریت نہ معلوم کرتے تو یہ آپ ﷺ کی شان کے خلاف تھا۔لہذا آپ ﷺ اس بڑھیا کے گھر گئے خیر یت دریافت کی۔ آپ ﷺ نے اس بڑھیا کے گھر کو صاف کیا اور اس کی خدمت کی۔ حضور ﷺ کا یہ عمل دیکھ کر بڑھیا بہت متاثر ہوئی کہ کہاں اتنی بڑی شان وشوکت کے مالک اور کہاں میں! لہذا وہ بڑھیا مسلمان ہوگئی ۔

یہ حضور ﷺ کا عمل ہی تھا جس نے دنیا کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا۔ ان کے ساتھ صحابہ کرام او رصحابیات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ دین اسلام ایک سچا مذہب ہے جس میں معاشرے کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔اسی لیے دیکھتے ہی دیکھتے اسلام پھیلنا شروع ہوگیا اور اس علاقے میں جہاں آپ ﷺ کے رشتے دار بھی آپ ﷺ کے دشمن بن گئے تھے اسلام کے نور نے وہ روشنی پھیلا دی کہ آج تک اس روشنی سے مسلمان فیض یاب ہو رہے ہیں ۔

فصل اول

دعوت وتبلیغ میں خواتین کی خدمات :

تبلیغ لفظ ''بَلَغَ '' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کوئی چیز کسی دوسرے کو پہنچانا۔ اور یہاں دعوت وتبلیغ سے مراد ہے کہ بات کو دوسروں تک اس طرح پہنچانا کہ سننے والا اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لے اور جہاں تک صحابیات کا تعلق ہے تو انہوں نے اس فرض کو بخوبی نبھایا اور اس کی انجام دہی میں بعض دفعہ ان کے اپنے قریبی بھی ان سے ناراض ہو گئے لیکن انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور اپنا فرض نبھاتی رہیں۔

حضرت اُم سلیمؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کے شوہر مالک بن نضر اُن سے ناراض ہو گئے لیکن ان کے دل میں چونکہ اسلام گھر کر چکا تھا اس لیے انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی اور دعوت وتبلیغ میں مصروف رہیں اور سب سے پہلے اپنے دونوں فرزندوں کے دل و دماغ میں محبت بٹھانے لگیں۔

جب ان کے شوہر مالک بن نضر کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ تم اپنے ساتھ میرے بچے کو بھی خراب کر رہی ہو تو اُم سلیمؓ نے فرمایا میں اس کو خراب نہیں کر رہی بلکہ عظیم دولت سے مالا مال کر رہی ہوں ۔ دونوں طرف کشمکش ہوتی رہی مگر آخر کار ماں کی محنت رنگ لائی اور حضرت انسؓ[1] اسلام سے مشرف ہو گئے ۔[2]

حضرت اُم سلیمؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید قدم آگے بڑھاتے ہوئے اپنے خاوند کو بھی اسلام کی حقانیت سے روشناس کرانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ان کے شوہر ان پر غصبناک ہو کر مقدس وطن چھوڑ کر شام کی طرف کوچ کر گئے اور وہیں حالت کفر میں مر گئے۔

اُم سلیمؓ کے سابق شوہر مالک بن نضر کی وفات کے بعد ابو طلحہ جو اس وقت مشرف بہ اسلام نہ تھے انہوں نے اُم سلیمؓ کو پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت اُم سلیمؓ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اپنے پہلے شوہر کو تو اسلام قبول کرنے پر راضی نہ کر سکی تھی لیکن اب انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے

ابو طلحہ کے سامنے یہ شرط رکھی کہ وہ پہلے اسلام قبول کریں پھر میں زوجیت کو قبول کروں گی ۔

حضرت اُم سلیمؓ فصاحت و بلاغت میں کمال درجہ رکھتیں تھیں انہوں نے فرمایا :

اے ابو طلحہ ! کیا تمہیں اتنا بھی علم نہیں کہ جس معبود کو تم سجدہ کرتے ہو، وہ ایک عام سا درخت ہے ، جو زمین سے اُگتا ہے ، پھر فلاں حبشی غلام اس کو تراش کر خُدا بناتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو میرا مہر بناؤ میں اس کے سوا تم سے کچھ طلب نہیں کرتی، یہی میرا مہر ہوگا ۔

ابو طلحہ بولے : مجھے کچھ مہلت دیجئے ۔ پھر اس وقت تو چل دیئے مگر دل پگھل چکا تھا۔ اسلام کی کرن دل میں پھوٹ چکی تھی ۔حتیٰ کہ دوبارہ واپس آئے اور فرمایا : [۲]

''بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں''

بالآخر ام سلیمؓ کی محنت رنگ لائی اور ان کے شوہر مشرف بہ اسلام ہوئے دعوت و تبلیغ میں انکی دینی خدمات رہتی دنیا تک ایک مثال رہیں گی ۔

دعوت و تبلیغ بہت مشکل ہے اس لیے کہ آپ اپنے دلائل سے لوگوں کو قائل کرنیکی کوشش کرتے ہو اور دوسروں کو مطمئن کرنا اتنا آسان کام نہیں لیکن یہ کام آسان ایک صورت میں ہوتا ہے کہ جب آپ کسی کو اسلام کی دعوت دو گے تو آپ اُس شخص کی پیروی کرو گے جو خود اسلام کے اُصولوں پر عمل پیرا ہو اور اُسی کو بنیاد بنا کر دوسروں کو بھی دعوت اسلام دو گے اور خود بھی اُن کے سامنے عملی نمونہ بنو گے تو دعوت و تبلیغ کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔

صحابیات نے حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ دوسروں کو بھی قبول کرنے پر مجبور کیا اور بعض صحابیات نے تو صرف حضور اکرم ﷺ کے معجزات دیکھ کر اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلے کو بھی مشرف بہ اسلام کیا ۔

چند صحابہؓ ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اُن میں سے ایک نے صبح کی نماز نہیں پڑھی تو جب حضور اکرم ﷺ نے اُن سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی ہے (اور پانی نہیں ہے) آنحضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ پاک مٹی سے تیمم کر

لو پھر انہوں نے تیمم کے بعد نماز پڑھی۔

پھر انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے چند سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا۔ ہمیں شدید پیاس لگی ہوئی تھی اسی حالت میں ہم چل رہے تھے کہ ہمیں ایک عورت ملی جو دو مشکیزوں کے (درمیان سواری پر) اپنے پاؤں لٹکائے ہوئے جا رہی تھی ہم نے اس سے کہا کہ پانی کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ پانی نہیں ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تمہارے گھر سے پانی کتنے فاصلے پر ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک دن رات کا فاصلہ ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ اچھا تم رسول کریمؐ کی خدمت میں چلو۔ وہ بولی! رسول کریمؐ کون ہیں؟ آخر ہم اُسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور اس نے آپ ﷺ سے وہی باتیں کیں جو ہم سے کر چکی تھی اتنا اور کہا کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے۔[۴]

آنحضور ﷺ نے دونوں مشکیزوں کو اُتارنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے ان کے منہ پر دستِ مبارک کو پھیرا۔ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے اس میں سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے۔ صرف ہم نے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا، اس کے باوجود اسکی مشکیں پانی سے اتنی بھری ہوئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا، ابھی بہہ پڑیں گی۔ وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ جس شخص کے صرف ہاتھ پھیرنے میں اتنی برکت ہے وہ خود کتنا بابرکت ہو گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''کہ جو کچھ تمہارے پاس کھانے کی چیز باقی رہ گئی ہے میرے پاس لاؤ''

چنانچہ اُسی عورت کے سامنے ٹکڑے اور کھجوریں لا کر جمع کر دی گئیں پھر جب وہ اپنے قبیلے میں آئی تو اپنے آدمیوں سے اس نے کہا کہ آج میں سب سے بڑے ساحر سے ملکر آئی ہوں یا پھر جیسا کہ اس کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ وہ واقعی نبی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے معجزات دیکھتے ہی اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہو چکی تھی اور نہ صرف اس نے خود اسلام قبول کیا بلکہ اس کے سارے قبیلے والے بھی اس کی بدولت اسلام لائے۔[۵]

صحابیات نے خود اسلام قبول کرنے کے بعد دعوت وتبلیغ کا کام سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کیا جس میں انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور بالآخر

انہیں کامیابی نصیب ہوئی ۔

عکرمہ بن ابو جہل[۷] کی بیوی اُم حکیم بنت حارث ابن ہشام[۷] نے اسلام قبول کیا تو اس کا شوہر بھاگ کر یمن چلا گیا تھا۔ اُم حکیم نے رسول کریم ﷺ سے عکرمہ کے لیے امن و عفو کی درخواست کی ۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور فرمالی ۔ چنانچہ اُم حکیم عورت ہونے کے باوجود عکرمہ کی تلاش میں یمن پہنچی اور اُسے لاکر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا اور بالآخر اُم حکیمؓ کی کوششوں سے عکرمہ اسلام لے آئے اور تب جا کر اُم حکیم نے سکھ کا سانس لیا۔[۸]

دعوت و تبلیغ میں فصاحت و بلاغت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔حسن و جمال کے اوصاف و محاسن کو جب شمار کیا جائے تو کلام کا حسن ان پر بازی لے جائے گا۔ اس لیے کہ حسن و جمال کے معنی کا پرتو صرف جسم ہوتا ہے۔ جب کہ کلام کا حسن روح اور دل سے کشید ہوتا ہے۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اُم معبد[۹] مشہور و معروف ہوئیں کیونکہ ان کا اسلوب گفتگو جادو اثر اور ایسا دلنشیں ہوتا تھا کہ سننے والے کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا انہوں نے اپنے حسن بیان سے ایسی شہرت پائی کہ کبھی بھلائی نہ جا سکے۔

اپنی اسی فصاحت و بلاغت کی بدولت یہ اپنے شوہر کو اسلام قبول کروانے میں کامیاب ہوئیں

اُم معبد نے اپنے خاوند ابو معبد[۱۰] کے سامنے نبی کریم ﷺ کے اوصاف اس انداز میں بیان کیے، کہ اس کے کانوں میں رسیلے کلمات رس گھول گئے ۔ اسکی آنکھوں میں چمک اور دل میں وجد آفریں سرور پیدا کر گئے ۔ بلکہ یہ اوصاف سنتے ہی ابو معبد نے کہا :

> بخدا یہ وہی قریش کی عداوت اور دشمنی کا نشانہ بننے والی ہستی ہیں جن کو اپنا مقام اللہ رب العزت کی طرف بتلا دیا گیا اور مرتبہ و درجہ (نبوت) واضح کر دیا گیا ہے۔اگر میں آپ کو پالیتا تو اپنے ساتھ رکھنے کی ان سے التماس کرتا اور مجھے جب بھی موقعہ ملے گا ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا ۔[۱۱]

سفانہ بنت حاتم طائیؓ عدیؓ کی ہمشیرہ جب گرفتار ہو کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئیں تو اُنھوں نے اپنا تعارف اپنے باپ کے حوالے سے کرایا:

میرے والد سردار قوم تھے، دردمندوں کو آزادی دلاتے ، مجرم کو قتل کرتے، پڑوسی کی حفاظت کرتے، عاجز سے دست و پا کی حمایت کرتے، ستم زدہ کو مصیبت سے چھڑاتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، سلام میں سبقت کرتے، ستم کی خبر گیری کرتے، مصائب کے وقت لوگوں کے مدد معاون رہتے اور ان کے پاس آ کر کوئی حاجت مند ناکام و نامراد نہیں لوٹا میں اُس حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

سقانہ کی یہ گفتگو سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ تو خاص مسلمان کی صفات ہیں۔ اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ اس کے بعد سقانہ کو آزاد کر دیا۔ ان کی سفارش پر ان کے قبیلہ کو بھی آزادی و رہائی مل گئی۔ سقانہ کی طرف اشارہ فرما کر حضورؐ نے فرمایا:'' جب کوئی معزز ذلیلوں اور کوئی مالدار محتاجوں اور کوئی عالم جاہلوں میں پھنس جائے تو اُس کے حال پر ترس کھایا کرو''۔

سقانہؓ نے اجازت چاہی اور شکریہ میں حضورؐ کے لیے دعا کی حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: اس کی دعا سنو! ''خُدا آپؐ کی نیکی کو اس شخص تک پہنچائے جو اس کا مستحق ہو، آپؐ کو کسی بدکار و بدنفس کا محتاج نہ کرے، جس فیاض قوم سے کوئی نعمت چھین جائے تو خُدا اُسے آپؐ کے ذریعہ واپس دلا دے''۔

سقانہ واپس ہو کر اپنے بھائی عدیؓ کے پاس شام پہنچی اور شکایت کی کہ بہن کو چھوڑ کر چلے آئے اور ترغیب دی کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، میں نے اُن سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا، آخر دونوں بہن بھائی حاضر ہو کر ایمان لائے۔[۱۲]

صحابیات نے اسلام کی دعوت و تبلیغ میں بہت مشکلات کا سامنا کیا لیکن کسی بھی موقع پر ان کے قدم نہیں ڈگمگائے اور پوری تن دہی کے ساتھ وہ اپنا فرض نبا ہتی رہیں۔

ام شریک کے شوہر مسلمان ہو گئے تھے، آپ کا نام غذیہ ہے، جابر کی بیٹی ہیں اور قبیلہ دوس کی ہیں اور آپ کے شوہر ابو العکر ہیں۔ جب قبیلہ دوس نے ہجرت کی تو انہوں نے بھی ابو ہریرہؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اُم شریکؓ فرماتی ہیں: ابو العکر کے گھر والوں نے مجھ سے آ کر کہا:

شاید تم ان کے دین پر ہو؟ میں نے کہا: ہاں ہاں اللہ کی قسم ! میں ان کے دین پر ہوں، بولے: پھر تو لا محالہ ہم تمہیں سخت اذیتیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ وہ ہمیں ہمارے گھر سے لے گئے ہم ذوالحلیفہ میں تھے اور وہی ہماری رہائش گاہ تھی، چنانچہ ہم لوگ چلتے رہے اور منزل کی تلاش میں رہے اور مجھے ایک بدترین مست اور شریر اُونٹ پر سوار کر دیا۔ مجھے شہد کے ساتھ روٹی دیتے رہے اور پینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتے تھے۔ حتی کہ جب آدھا دن ہو گیا اور سورج کافی گرم ہو گیا اور ہم گرمی محسوس کرنے لگے تو لوگ ٹھہر گئے اور سب نے اپنے اپنے خیمے گاڑھ لیے اور مجھے دھوپ میں چھوڑ دیا حتیٰ کہ میرے ہوش و ہواس جاتے رہے اُنہوں نے میرے ساتھ تین دن تک یہی معاملہ کیا ور تیسرے دن مجھ سے کہنے لگے: جس دین پر تو قائم ہے اسے چھوڑ دے۔

فرماتی ہیں:

ان کی بات میں نہ سمجھ سکی، ہاں چند کلمے سن لیے پھر مجھے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے بتایا گیا کہ توحید چھوڑ دے۔ فرماتی ہیں میں نے کہا: اللہ کی قسم میں توحید پر قائم ہوں۔ مجھے پیاس کی انتہائی شکایت تھی اچانک میں نے اپنے سینہ پر ڈول کی ٹھنڈک محسوس کی میں ڈول کو پکڑ کر ایک سانس میں غٹ غٹ پانی پی گئی پھر ڈول مجھ سے ہٹ گیا اور میری رسائی سے باہر تھا پھر ڈول دوسری بار مجھ پہ لٹکایا گیا اور میں نے پھر ایک بار اس سے پانی پیا پھر وہ اُٹھا لیا گیا، میں نے دیکھا تو فضا میں معلق تھا، پھر تیسری بار لٹکایا گیا اب میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے سر، منہ اور کپڑوں پر بھی ڈالا۔

فرماتی ہیں:

> لوگوں نے اپنے اپنے خیموں سے باہر آکر یہ تماشہ دیکھا، پوچھا اے اللہ کی دُشمن تیرے پاس یہ پانی کہاں سے آیا ؟ میں نے کہا: اللہ کے دشمن وہ ہیں جو اللہ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ پانی مجھے حق تعالیٰ جل مجدہ نے عطا فرمایا ہے پھر تو لوگ دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے مشکیزوں کی طرف گئے دیکھا تو سب کے مشکیزوں کی بندھن بندھے ہوئے ہیں اور ایک مشکیزہ بھی کھلا ہوا نہیں ہے پھر تو سب نے بیک زبان کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرا رب ہی ہمارا رب ہے اور وہی ہمارا

رب ہے، جس نے تجھے اس جگہ پانی عطا فرمایا اور سیراب کیا، ہم نے جو کچھ
تیرے ساتھ کیا۔ اس پر نادم ہیں، اُسی رب نے اسلام شروع فرمایا۔ آخر کار
سب مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کے پاس ہجرت کر کے چلے گئے اور میری
اس کرامت کو دیکھ کر مجھے سب سے افضل سمجھنے لگے۔[۱۳]

حضرت خالدہؓ بنت حارث:

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن سلام کی پھوپھی تھیں۔ سرور عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو اس وقت حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں تھے وہاں ان کی پھوپھی نے جا کر حضرت عبد اللہ بن سلام کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تو وہ فرط محبت سے بیخود ہو گئے اور بے اختیار اللہ اکبر کہہ اُٹھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور اس میں نبی کریم ﷺ کی علامات پڑھ کر آپ ﷺ کے نادیدہ عاشق بن گئے تھے۔ ان کی مسرت اور بے تابی دیکھ کر خالدہؓ بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں۔

''حسینؓ (عبداللہ بن سلام کا اصل نام) ان صاحب کے آنے سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمران بھی تشریف لاتے تو تم اتنے خوش نہ ہوتے۔''

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا: کہ یہ موسیٰ علیہ اسلام کے دین کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

حضرت خالدہؓ نے کہا:

''پھر تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ ہمارے شہر میں تشریف لائے''

اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبد اللہؓ نے بارگاہ نبوت کا قصد کیا۔ حضرت خالدہؓ بھی اُن کے پیچھے گئیں اور مشرف بہ اسلام ہو کر لوٹیں۔ اور گھر پہنچ کر نہ صرف دین اسلام کو محض اپنے تک محدود رکھا بلکہ اپنے اہل خانہ کو اسلام کی تلقین کی۔ چنانچہ انکی دعوت و تبلیغ سے گھر کے سب چھوٹے بڑے سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔ اور اس طرح یہ اپنے گھرانے کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہوئیں۔[۱۴]

حضرت عمرؓ جو اسلام کے بد ترین دشمن تھے اپنی بہن کی دعوت و تبلیغ پر اسلام لے آئے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ مسلح ہو کر شمشیر بدست نکلے اور آنحضرتﷺ کی تلاش وجستجو کرنے لگے۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنی قوم کے ڈر سے چھپتے تھے، ملے انہوں نے پوچھا عمرؓ ! کہاں کا ارادہ ہے عمر نے کہا: اس بے دین شخص محمدﷺ جس نے قریش میں پھوٹ ڈالی ہے وغیرہ وغیرہ اور ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ نعیم بن عبد اللہ نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا پہلے اپنے گھر والوں کی اصلاح کرو۔ انہوں نے کہا میرے گھر میں ایسا کون ہے انہوں نے کہا تمہارا بہنوئی اور تمہارا چچیرا بھائی سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب واللہ ! ان تینوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمدﷺ کے پیرو ہو گئے ہیں تم پر ان کی دیکھ بھال لازم ہے۔[۱۵]

حضرت عمرؓ یہ نشتر زن جواب سن کر اُسی وقت اپنی بہن کے گھر کی طرف چل دیئے۔ وہ آنحضرتﷺ کے قتل کی نیت سے چلے تھے۔ راستے میں اپنی بہن کے گھر کی طرف اُن کا رُخ پھرنا گویا اسلام کی طرف رخ پھرنا تھا بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ بن الارتؓ[۱۶] حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ اُن کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ[۱۷] کو قرآن شریف کی تعلیم دے رہے تھے۔ ان کے آنے کی آہٹ سُن کر حضرت خبابؓ تو وہیں گھر میں کسی جگہ چھپ گئے۔ اور قرآن کریم جن اوراق پر لکھا ہوا تھا ان کو بھی فوراً چھپا دیا۔ انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے پھر فوراً اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کو پکڑ کر گرا دیا۔ اور مارنا شروع کر دیا کہ تم کیوں مسلمان ہوئے؟ بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھی اور بھائی سے لپٹ گئی۔ اس کشتم کشتا میں ان کی بہن فاطمہؓ کو ایسی چوٹ لگی کہ ان کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے بہن اور بہنوئی دونوں کو مارا، بہن نے آخر دلیری سے کہا کہ:

" قد اسلمنا و تا بعنا محمداً افعل مابدالک"

''ہاں عمرؓ ہم مسلمان ہو چکے اور محمدﷺ کے فرمانبردار بن چکے ہیں اب جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے''

بہن کا یہ دلیرانہ جواب سنا اور نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو ان کو خون میں تر بتر پایا۔ اس نظارہ کا ان

کے قلب پر کسی قدر اثر ہوا اور طیش و غضب کے طوفان میں قدرے دھیما پن ظاہر ہونے لگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: کہ اچھا تم مجھے وہ کلام دکھاؤ یا سناؤ جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ اور جس کے پڑھنے کی آواز میں نے گھر میں داخل ہوتے سنی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ کلام چونکہ کسی قدر سنجیدہ لہجے میں تھا۔ اس لئے ان کی بہن کو اور بھی جرات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ تم پہلے غسل کرو تو ہم تم کو اپنا صحیفہ پڑھنے کے لیے دے سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اسی وقت غسل کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر قرآن مجید کی آیات جن اوراق پر لکھی ہوئی تھیں لے کر پڑھنے لگے ابھی چند ہی آیات پڑھی تھیں کہ بے اختیار بول اُٹھے: کیا شیریں کلام ہے۔ اس کا اثر میرے قلب پر ہوتا جاتا ہے اور سورۃ طٰہٰ کی ایک تا سولہ آیات پڑھیں۔

طه (1)مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى(2)إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَى (3) تَنزِيلاً مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى (4)الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (5)لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى (6)وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (7)اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاء الْحُسْنَى (8)وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى(9)إِذْ رَأَى نَاراً فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَاراً لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى (10)فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى (11)إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى(12) وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى (13)إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (14)إِنَّ السَّاعَةَ ءاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى (15)فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَى۝

(سورۃ طٰہٰ: ۱۔۱۵)

ترجمہ: ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔ نازل کیا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور آسمان کو۔ وہ

رحمان عرش پر مستوی ہے اور مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں اور جو مٹی کے نیچے ہیں۔تم چاہے اپنی بات پکار کر کہو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی تر بھی جانتا ہے۔ وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ اس کے لیے بہترین نام ہیں اور تمہیں کچھ موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے جبکہ اس نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں یا اس آگ پر مجھے کوئی رہنمائی مل جائے وہاں پہنچا تو پکارا گیا ۔ اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں، جوتیاں اتار دے تو وادیٔ مقدس طویٰ میں ہے اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے، سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے ، میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں پس تو میری بندگی اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر، قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ نفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔[۱۸]

بالآخر وہ اپنی بہن کی تبلیغ پر اسلام لے آئے ۔[۱۹]

ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنھا:

جب حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ میں دعوت کا کام کر رہے تھے تو وہاں بنوسلمہ کا ایک نوجوان مسلمان ہوگیا، اس کا دل ایمانی جرأت سے لبریز ہوگیا اور ایمان نے اس کے دل کو چمکا دیا۔صنم پرستی کی وہ میل کچیل اتر گئی جس سے ان کے دل اور گھر بری طرح متاثر ہو چکے تھے۔

یہ نوجوان معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ تھے ۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے بنوسلمہ کے مرد اور عورتیں تیزی سے اسلام کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بنوسلمہ کی اسلام میں سبقت لے جانے

والی خواتین میں ہند ایک جلیل القدر خاتون تھیں ۔ یہ خاتون عبداللہ بن عمرو بن حرام معزز صحابی کی ہمشیرہ تھیں اور مشہور و معروف صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ کی پھوپھی تھیں ۔وہ اپنی قوم میں فضل و شرف، درست رائے اور کامل تدبیر کے حوالے سے مشہور و معروف تھیں ۔ انہیں اپنی اولاد کی تربیت میں بھی امتیاز حاصل تھا۔ اپنے خاوند کی بھی خدمت گذار تھیں اور وہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنیں ۔

متعدد حوالہ جات میں یہ مذکور ہے کہ جب انصار نبی کریم ﷺ کی بیعت کر کے مسلمان ہو گئے تو مدینہ منورہ میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوا لیکن کچھ لوگ بدستور شرک میں ہی مبتلا رہے ۔ ان میں ہند کا خاوند عمرو بن جموح بھی تھا۔ اس کا بیٹا معاذ بن عمرو بیعت عقبہ میں شریک ہوا تھا اور اس نے نبی کریم ﷺ کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی تھی ۔

ہند نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کی تمام اولاد یعنی عمرو بن جموع کے تمام بیٹے مسلمان ہو گئے لیکن ہند کے خاوند عمرو بن جموح کو اپنی بیوی اور اولاد کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی بیوی سے یہ کہتا رہتا تھا کہ دیکھنا کہیں تیرے بچے نبی کریم ﷺ کے سفیر مصعب بن عمیرؓ کی باتوں میں نہ آجائیں یا مدینہ منورہ میں مسلمانوں سے دل نہ لگا بیٹھیں ورنہ یہ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ بیٹھیں گے ۔ پھر ہند سے کہا، اے ہند ! اپنے خاندان میں سے کسی بچے کو ان لوگوں کی باتیں سننے کا موقع نہ دینا ۔ انہوں نے کہا بالکل ٹھیک ایسے ہی ہو گا جیسے آپ چاہتے ہی ۔ وہ کچھ دیر خاموش رہیں کیونکہ ان کے دل کی تمنا تھی کہ یہ مسلمان ہو جائے پھر کہنے لگیں کہ کیا آپ اپنے بیٹے کی بات سننا پسند کریں گے؟

عمرو بن جموح نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ا کیا یہ بے دین ہو گیا ہے؟ کیا اس نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟

ہند نے کہا:

نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں بس یہ قوم کے ساتھ مل کر وہاں چلا گیا تھا۔

اس نے بیٹے کو بلایا اور کہا:

آپ اس شخص سے جو سن کر آئے وہ مجھے بھی بتاؤ۔

بیٹے نے خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيْمِ(1)اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ(2)الرَّحْمنِ الرَّحِيْمِ(3)مَالِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ(4)اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ(5)اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ(6)صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ(7)

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے ، نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ روز جزاء کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو مغضوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا(جب کہ ایمان نے اس کے دل پر اپنا جال بنا شروع کر دیا تھا) یہ کس قدر خوبصورت کلام ہے واہ واہ کیا الفاظ کے موتی پروئے ہوئے ہیں۔کیا اس کا تمام کلام ایسا ہی ہے؟

اس نے کہا: ہاں ! ابا جان

جب ہند نے دیکھا کہ اس کا خاوند قرآن حکیم کے معانی میں دلچسپی لے رہا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ اس نے یہ دعا کرنا شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے اس کے سینے میں انشراح پیدا کر دے اور اسے صراط مستقیم کی راہنمائی کر دے۔

ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ عمرو بن جموع کو یقین حاصل ہو گیا اور وہ قافلہ نور کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ہند کو اس کے اسلام لانے سے بہت خوشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جس نے قابل نفرت منات بت سے چھٹکارا عطا کردیا اور دیگر بتوں کی میل کچیل سے بھی بچایا۔[۲۰]

فصل دوم

نکاح میں خواتین کی خدمات :

نکاح کے معنی زوجیت کے ہیں اور قرآن نے نکاح کو پختہ عہد قرار دیا ہے ۔ یہ ایک معاہدہ ہے جسکی رو سے مرد اور عورت دونوں خاندانی زندگی کی ذمہ داریاں اُٹھانے کا عہد کرتے ہیں ۔ اسلام ازدواجی زندگی کو اختیار کرنا لازمی قرار دیتا ہے کیونکہ یہ سنت رسولؐ ہے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

کہ دنیا کی اشیاء میں سے خوشبو اور عورتیں میرے لیے پسندیدہ بنائی گئی ہیں ۔[۱]

خاندان ایک قدرتی ادارہ ہے جسکی ابتداء انسانی ضرورت کی وجہ سے ہوئی اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے انسان کو دوسروں کے تعاون کی ضرورت پڑی چونکہ ابتداء ہی سے عورت زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی ہے اور اس کا آغاز مرد اور عورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے ہوا اور منسلک ہونے کا نام نکاح ہے ۔

نکاح کا ارادہ کرنے کے وقت کے کچھ آداب ہیں جن کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے ۔ نکاح کے لیے عورت میں جمال اور مال سے زیادہ پہلے دین کی تلاش کرے اور شرط کسی کام پر نہ لگائے اور نہ اس کا خیال کرے ۔ کسی مومن بھائی کے پیغام پر پیغام نہ پہنچائے اور نہ اپنی ملک اور ولیمہ وغیرہ کی تقریبوں میں ایسی حرکت کا ارتکاب کرے جو اس کو اپنے پروردگار سے دور کرے یا اس کی عزت و آبرو پر بٹہ لگائے ۔ تنہائی کی مجلسیں ایسی جگہ نہ کرے جہاں اس کی بیوی پر کسی کی نظر پڑ سکے ۔ نہ اپنے گھر والوں کے روبرو عورت کے گھر والوں کے روبرو اس کے نزدیک آئے جب تنہا ہو تو اس سے سوال کے ذریعے گفتگو کا آغاز کرے ۔

ایسے شخص کو سفیر بنا کر نہ چھوڑے جو جھوٹا ہو اور نہ ایسے مخبر کو پکڑے جو چغل خور ہو بلکہ کوئی عورت کا خاص قریبی ہو اس سے اس کی دینداری کا پتہ لگائے اور معلوم کرے کہ وہ نماز پابندی سے ادا کرتی ہے یا نہیں ۔ روزے رکھنے میں چست ہے یا سست ۔ غیرت کا مادہ رکھتی ہے یا نہیں ۔ پاکیزگی

سے متصف ہے یا نہیں۔ وہ خوش کلام ہے یا بد کلام، گھر میں رہنے کی عادی ہے یا نہیں نیز اس کا بھی پتہ چلائے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اس کا کیسا رویہ اور برتاؤ ہے۔ نکاح سے پہلے شرافت سے اس پر نظر ڈالے اور بعد نکاح اچھا کلام اس تک پہنچائے ۔ ساتھ ساتھ عورت کے والد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائے ۔ اس کی دینداری کا پتہ چلائے اور اس کی والدہ کے حالات اور اس کی دینداری اور اس کے اعمال و افعال کا بھی سراغ لگائے۔

شادی سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔شادی انسان کی زندگی میں اس عظیم الشان انقلاب کا نام ہے جس سے انسان بالکل نئے اچھوتے راستہ پر قدم رکھتا ہے۔ اجنبی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔انسان کو ایک نیا مونس ملتا ہے اور ایک جدید غمخوار دستیاب ہوتا ہے۔ ایک ایسے رفیق حیات کا ساتھ نصیب ہوتا ہے کہ اگر اس کا انتخاب صحیح رہا تو گویا دنیاوی راحت و فرحت ، آرام و آسائش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ آلام سے بھری دنیا تا حیات راحت کدہ بن جاتی ہے۔ یہ تلخیوں سے پر عالم فرحتوں کا گھر ہو جاتا ہے۔اور اگر انتخاب غلط رہا تو یوں سمجھیے کہ یہ دنیا جیتے جی دوزخ ہو جاتی ہے اور مرنے سے پہلے موت آجاتی ہے۔

عورت میں بڑی صفات یہی دیکھی جاتی ہیں کہ مالدار ہو، حسن و جمال رکھتی ہو اور دیندار بھی ہو۔ ان میں مذہب کا تقاضا ہے کہ دینداری کی تلاش حسن و جمال اور مالداری سے زائد ہو، اس کو دوسری صفات پر ترجیح دی جائے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ دینداری اگر نہیں تو مال اور جمال خوشگوار سنگت کو بگاڑیں گے ۔ پیسے کے گھمنڈ میں وہ شوہر سے کبھی دب کر نہیں رہے گی ۔ اس کے زیر فرمان نہیں چلے گی اور اپنے کو اونچا اور شوہر کو نیچا جانے گی تو پھر نبھاؤ کیسے ممکن ہو گا؟ چند دنوں میں اتحاد پارہ پارہ ہو گا۔ اتفاق کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسی طرح اگر جمال ہو گا مگر دینداری کا دیوالیہ نکلا ہو گا تو جمال عورت کی عفت اور پاکدامنی کو لے اڑے گا۔ایسے حالات میں سب طرف سے ریشہ دوانیاں ہوں گی اور بد نیتی کی وجہ سے سب پر لبیک ہوگی اور آگے بڑھ کر استقبال ہوگا۔لہذا ان دونوں مخمصوں سے اگر جان چھوٹ سکتی ہے تو دینداری سے۔اس لیے شریعت نے دینداری کو ساری صفات پر ترجیح دی ہے اور اس کی تلاش پہلے ضروری بتائی ہے۔ دینداری کے دو پہلو خاص طور سے قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ عبادات و

اطاعات پر پختگی سے کاربند ہو دوسرے اخلاق و کردار، شرم و غیرت میں باکمال ہو۔

نکاح وہی اچھا ہے جو اسلام کے اُصولوں کے مطابق کیا جائے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مہر اور روٹی کپڑے کی مقدار کم ہو۔[۲۲]

کیونکہ جب تک ان تینوں چیزوں کی مقدار کم نہیں ہو گی تو پھر وہ نکاح نہیں بلکہ خرید و فروخت کہلائے گا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ مہر اور روٹی کپڑا دے کے ایک چیز خریدلی ہے اس طرح سے نکاح کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور صحابیاتؓ نے نکاح کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کیا ہے تاکہ کوئی بھی پہلو مخفی نہ رہے۔

اسلام نکاح میں انتخاب نکاح کی آزادی دیتا ہے اور مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نکاح کرے لیکن دونوں کا بالغ ہونا ضروری ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر کا نکاح قریبہ بنت ابی اُمیہ سے کیا تو قریبہ کے اولیاء غضبناک ہوئے اور کہا کہ یہ شادی ہم نے نہیں بلکہ عائشہؓ نے کروائی ہے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے یہ رشتہ منظور کر لیا اور عبد الرحمٰن کے مزاج وغیرہ کی تحقیقات ضروری نہیں سمجھتی۔ حضرت عائشہؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے عبد الرحمٰن کو بلا بھیجا اور یہ واقعہ ان سے بیان کیا۔ عبد الرحمٰن نے قریبہ کو اختیار دے دیا خواہ وہ ان کے پاس رہے یا طلاق لے لے۔ قریبہ نے عبد الرحمٰن کو اختیار کیا اور کہا میں تمہارے مقابلے میں کسی کو اختیار نہیں کرتی وہ ان کے نکاح میں رہیں اور یہ طلاق نہ ہوئی۔[۲۳]

نکاح میں حق مہر ضروری ہے مہر ایک عطیہ ہے جو نکاح کے موقعہ پر خاوند بغیر کسی معاوضہ کے بیوی کو دینے کا عہد کرتا ہے اور حق مہر مرد کی استطاعت کے مطابق ہے لیکن سب سے زیادہ اچھا مہر وہ ہے جسکی مقدار کم سے کم ہو۔

ابو سلمہؓ نے ایک بار حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں کا حق مہر کتنا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپکی بیویوں کا مہر بارہ اوقیہ اور نُش تھا (اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا

ہے) یعنی یہ مہر کی مقدار اس زمانے میں تھی لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا اس کی مقدار بھی بڑھتی گئی ۔ پھر فرمایا تجھے معلوم ہے کہ نُش کیا چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا آدھے اوقیہ کو نُش کہتے ہیں (اس حساب سے) یہ ۵۰۰ درہم ہوئے ہیں ۔[۲۴]

ملک حبش کا بادشاہ نجاشی تھا اس وقت اُم حبیبہ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ ملک حبش میں مرگئے نجاشی نے اُم حبیبہ کا نکاح آنحضرتؐ سے کر دیا اورانہیں اپنی طرف سے چار ہزار درہم مہر دیئے ۔[۲۵]

ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو رسول کریم ﷺ کو ہبہ کرنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عورتوں کی احتیاج نہیں تو ایک شخص نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے مہر کے طور پہ کچھ کپڑا یا لوہے کی انگوٹھی ہی دے دو لیکن اس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا جی ہاں فلاں فلاں سورتیں مجھ کو یاد ہیں تو آپ ﷺ نے انہی سورتوں کے بدل اس عورت کا نکاح اُس شخص سے کر دیا ۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں اس کی واضح مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا تھا ۔[۲۶]

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں جہاں تک مرد کا تعلق ہے تو وہ اس حکم سے مستثنٰی ہے یعنی مرد ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرسکتا ہے مگر عورت کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ کے نزدیک اگر عورت بغیر ولی کے نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح باطل ہے اگر مرد نے اس سے صحبت کر لی تو اُسے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اُٹھانے کے بدلے مہر دینا چاہئے اگر ولی آپس میں اختلاف کریں تو بادشاہ ولی ہے اُن عورتوں کا جن کا کوئی ولی نہ ہو (وہی اس عورت کا بھی ولی ہوجائے) ۔[۲۷]

خاندان کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے لیے دوران عدت بناؤ سنگھار اور نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے ''اور نکاح کی گرہ کو پختہ نہ کرو یہاں تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے''۔[۲۸]

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اور اُس کی آنکھوں پر لوگ

ڈرے آخر وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور آپؐ سے سرمہ لگانے کی اجازت مانگی لیکن آپؐ نے اُسے سرمہ لگانے سے منع فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عورت ایک سال تک خراب سے خراب کپڑے (یا کملی) اور برے سے برے جھونپڑے میں پڑی رہتی، سال پورا ہونے پر اونٹ کی مینگنی اس وقت پھینکتی جب کتا سامنے سے نکلتا (اگر کتا نہ نکلے تو پھر کم بخت ٹھہری رہتی) اور چار مہینے دس دن تک سرمہ نہ لگائے۔[۲۹]

دوران عدت کہیں جانا جائز نہیں بلکہ عورت کو شوہر کے گھر میں رہنا چاہیے چاہے وہ گھر اسکی ذاتی ملکیت کا ہو یا کرائے کا کیونکہ ایک بار صحابیہ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ اُس کے شوہر نے اسے کرائے کے گھر میں چھوڑا ہے ذاتی ملکیت کے گھر میں نہیں چھوڑا اور نہ ہی کچھ خرچ چھوڑا ہے تو کیا میں رشتہ داروں کے گھر چلی جاؤں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں جب تک تمہاری عدت پوری نہ ہو تم شوہر کے گھر میں ہی رہو اس کے بعد میں نے اُسی مکان میں چار مہینے دس دن عدت کے گزارے۔[۳۰]

دوران عدت بناؤ سنگار اور چہرے کو چمکدار بنانے والی چیزیں لگانے کی بھی ممانعت ہے اور اگر دوا کے طور پر کچھ لگانا بھی ہو تو رات کے وقت لگانا چاہیے اور دن کے وقت سادگی اختیار کرنی چاہیے۔

اسلام نے بعض رشتوں میں نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک وہ رشتے جو حقیقی ماں باپ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی وغیرہ ان سے نکاح حرام ہے دوسرے رضاعت سے اور تیسرے حرمت مصاہرت سے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جتنے رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں اتنے ہی دودھ پلانے کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔[۳۱]

رضاعت کی حرمت کم از کم دو سال ہے اس سے کم عمری میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور دودھ کا ایک گھونٹ یا دو گھونٹ پینے سے بھی دودھ کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ معتبر دودھ وہی ہے جو پیٹ بھر دے اور یہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہونا ہے۔

نکاح کے بعد شوہر کا یہ فرض ہے کہ اگر اس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل و انصاف کرے لیکن اگر کوئی بیوی اپنی باری مرضی سے اپنی سوکن کو دے دے جیسے حضرت سودہ

ؓ نے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی باری عائشہؓ کو دے دی تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے جب اُم سلمہؓ سے نکاح کیا تو سب سے پہلے ان کی رضا مندی پوچھی کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے پاس سات دن تک رہوں گا (مگر) پھر سب بیویوں کے پاس بھی سات، سات دن رہوں گا اور جو تو چاہے تو تیرے پاس تین دن رہوں اور پھر اوروں کے پاس باری باری جاؤں وہ بولیں آپ میرے پاس تین دن ہی رہیں۔[۴۲]

نکاح کے بعد ولیمہ کیا جائے اور یہ سنت سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی نکاح کے بعد اپنی بیویوں کا ولیمہ کیا بعض بیویوں کا ولیمہ آپ نے بڑا کیا جیسے حضرت زینب بنت جحش کا ولیمہ پوری ایک بکری سے کیا اور ایک بی بی کا ولیمہ صرف دو سیر جو ہی کا کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولیمہ بڑا بھی کیا جا سکتا ہے اور چھوٹا بھی۔

جب آنحضرت ﷺ نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا (تو آپ نے ولیمہ کی دعوت کی) لوگوں کو بلایا انہوں نے کھانا کھایا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، آپ گھڑی گھڑی ایسا کرتے جیسے اُٹھنا چاہتے ہیں مگر وہ (نہ اُٹھنا تھا) نہ اُٹھے، آخر (مجبور ہو کر) آپ خود ہی اُٹھ کھڑے ہوئے، اس وقت جو لوگ اُٹھے وہ تو اُٹھے پھر بھی تین آدمی بیٹھے (باتیں کرتے) رہے آپ جب باہر جا کر پھر اندر آئے تو دیکھا اب بھی وہ تین آدمی بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد کہیں وہ لوگ اُٹھے (آپ پھر باہر تشریف لے گئے تھے) حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے جا کر آنحضرت ﷺ کو خبر دی اب وہ تینوں آدمی چلے گئے اس وقت آپ تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ اندر جانے لگا آپ نے اپنے اور میرے بیچ میں پردہ ڈال لیا۔[۴۳]

آنحضرت ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن تک قیام کیا ام المومنین صفیہؓ بنت حیی آپ کے پاس لائی گئیں ام سلیمؓ نے ان کو دلہن بنا کر آنحضرت کی خدمت میں بھیجا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں آپ نے جو ولیمہ کی دعوت کی اس میں لوگوں کو بلانے والا میں تھا اس دعوت میں نہ گوشت تھا نہ روٹی تھی آپؐ نے بلال کو چمڑے کے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا انہوں نے ان پر کھجور، پنیر، گھی رکھا بس یہی آنحضرت ﷺ کے ولیمہ کے کھانے تھے، اب مسلمان (آپس میں) کہنے لگے صفیہ آپ کی بیبیوں میں سے جو مسلمانوں کی مائیں ہیں ایک بی بی ہیں یا آپ لونڈی

ہیں، ہم کیا سمجھیں، پھر انہوں نے خود ہی یہ کہا دیکھیں آنحضرتؐ ان کو پردے میں رکھتے ہیں تب تو ہم سمجھ لیں گے وہ مسلمانوں کی ماں ہیں اور اگر پردے میں نہ رکھیں تو سمجھیں گے وہ لونڈی ہیں اس کے بعد جب آپ کوچ کرنے لگے تو آپؐ نے صفیہؓ کے لیے اپنے پیچھے اونٹ پر ایک گدہ بنایا اور لوگوں سے ان کو پردہ کرایا۔[۳۴]

بنی عدی کی لونڈی جس کا نام زبراء تھا ایک غلام کے نکاح میں تھی وہ آزاد ہوگئی، حضرت حفصہؓ نے اس کو بلایا اور کہا میں تجھ سے ایک بات کہتی ہوں مگر یہ نہیں چاہتی کہ تو کچھ کر بیٹھے تجھے اختیار ہے جب تک تیرا خاوند تجھ سے جماع نہ کرے۔ اگر جماع کرے گا پھر تجھے اختیار نہ رہے گا۔ زبراء بول اُٹھی اگر ایسا ہی ہے تو طلاق ہے پھر طلاق ہے پھر طلاق ہے۔ جدا ہوگئی اپنے خاوند سے تین بار کہہ کر۔[۳۵]

حبیبہ بنت سہیل ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں۔ ایک روز رسول کریم ﷺ اندھیرے میں فجر کی نماز کو نکلے حبیبہ کو دروازے پر پایا۔ پوچھا کون؟

کیوں کیا ہے؟

بولی یا میں نہیں یا ثابت بن قیس نہیں۔ جب ثابت بن قیس آئے آپؐ نے ان سے کہا۔

اس حبیبہ بنت سہیل نے جو کچھ اللہ کو منظور تھا مجھ سے کہا۔

حبیبہ نے کہا یا رسول اللہ ثابت نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ میرے پاس موجود ہے۔ آپؐ نے ثابت سے فرمایا: ”تم اپنی چیز لے لو انہوں نے لے لی اور حبیبہ اپنے میکے میں بیٹھی رہیں“۔[۳۶]

صفیہ بنت ابی عبیدؓ کی لونڈی نے خلع کیا اپنے خاوند سے سارے مال کے بدلے میں، تو عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو بُرا نہ جانا۔[۳۷]

ربیع بنت معوذ بن عفراء اور ان کی پھوپھی عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اپنے خاوند سے خلع کیا تھا۔ جب یہ خبر حضرت عثمانؓ کو پہنچی انہوں نے اسے بُرا نہ جانا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔ ”جو عورت خلع کرے اسکی عدت مثل مطلقہ کی عدت کے

ہے''۔[۳۸]

رسول کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ نے خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح ہوتے تھے۔ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں۔ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اسکی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو کہتا کہ فلاں شخص کے پاس (جو اشراف میں سے ہوتا) چلی جاؤ اور اس سے محبت رکھو، اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اُسے چھوتا بھی نہیں۔ پھر جب دوسرے مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر محبت کرتی رہتی تو حمل ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اسے محبت کرتا۔ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کا لڑکا اچھی نسل سے پیدا ہو۔ یہ نکاح، نکاح استبضاع کہلاتا تھا۔نکاح کی ایک قسم یہ تھی کہ چند افراد جنکی تعداد دس سے کم ہوتی، کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے محبت رکھتے، پھر جب وہ عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد اپنے تمام آشناؤں کو بلاتی، اس موقعہ پر ان میں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا، سب اس کے پاس جمع ہوتے اور وہ اُن سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے، اور اب میں نے بچہ جنا ہے، اے فلاں یہ بچہ تمہارا ہے۔وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور اس کا لڑکا اسی کا سمجھا جاتا۔وہ شخص اس انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے،عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔اس طرح کی عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے۔جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا۔اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ شناس کو بلاتے اور بچے کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کر دیتے اور وہ بچہ اسی کا ہو جاتا اور اس کا بیٹا کہا جاتا۔اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔پھر جب محمدؐ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاح کو باطل قرار دیا۔صرف اسی نکاح کو باقی رکھا جس کے مطابق آجکل لوگوں کا عمل ہے۔[۳۹]

خلاصہ بحث یہی ہے کہ نکاح وہی اچھا ہے جو اسلامی اُصولوں کے مطابق کیا جائے اور اُسوہ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابیات کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے کیسے نکاح کیا، کتنا حق مہر رکھا، عدت، رضاعت وغیرہ وغیرہ۔

فصل سوم

افعال حج میں خواتین کی خدمات:

فرائض اسلام میں سے اگر چہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کہاں تسکین ہوسکتی تھی۔ اس لیے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ جہاد کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے اور انہوں نے اس کے بعد کوئی ایسا سال نہیں چھوڑا جس میں حج نہ کیا۔[۴۰]

صحابیات جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں، اس کا مؤثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا۔ رسول کریم ﷺ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگر چہ حاملہ تھیں لیکن انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہ کی اور مقام بیداء میں بچے کو جنم دینے کے بعد بھی حضورؐ سے دریافت فرمایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم غسل کے بعد احرام باندھ لو۔ یعنی صحابیات کا مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کا شوق اس حد تک تھا کہ وہ کسی بھی بات کی پرواہ نہ کرتیں تھیں۔

احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے اور حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے خود خوشبو لگاتیں تھیں اور جب حضورؐ احرام کھولتے اور طواف کی تیاری کرتے تو اس وقت بھی خوشبو لگاتی۔

اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔

حجۃ الوادع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہوگئی تو حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ تو حائضہ ہو چکی ہے میں نے کہا ہاں فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے تو اسی طرح کر جس طرح حاجی کرتے ہیں لیکن بیت اللہ کا طواف نہ کر۔ یہاں تک کہ تو پاک ہو جائے۔[۴۱]

صحابیات کا افعال حج کے ادا کرنے میں ذوق و شوق قابل دید تھا اور اگر وہ بیمار ہوتیں تھیں تو اس کا بھی متبادل ڈھونڈتی تھیں کہ کس طرح سے وہ حج ادا کرنے میں کامیاب ہو جائیں جیسے اُم سلمہؓ نے بیماری کی شکایت کی تو حضورؐ نے اُنہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لیں

اورانہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ افعال حج ادا نہ کریں۔[۴۲]

بعض صحابیات تو (مزدلفہ) سے رات کو ہی روانہ ہو گئیں تا کہ صبح تک وہاں پہنچ کے کچھ آرام وغیرہ کر لیں اور لوگوں کے ہجوم سے بھی بچی رہیں گی لیکن جن صحابیات کو بعد میں اس بات کا علم ہوا کہ پہلے بھی جایا جا سکتا تھا تو انہیں بہت افسوس ہوا کہ کاش ہم بھی یہاں قیام نہ کرتیں اور لوگوں کے ہجوم سے پہلے چلی جاتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔[۴۳]

بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حالت احرام میں محرم کا بدن کھجلانا منع ہے اور اس بارے میں جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اگر میرے ہاتھ باندھ دیئے جائیں اور پاؤں کھلے ہوں تو میں اپنے پاؤں سے ہی اپنا بدن کھجاؤں گی۔[۴۴]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا ہم رسول کریمؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے ہم سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا تھا بعض نے حج کا جب ہم مکہ آئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور ہدی نہیں لایا وہ حلال ہو جائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور ہدی لایا ہے وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام بھی باندھ لے پھر حلال نہ ہو یہاں تک کہ دونوں سے حلال ہو۔ایک روایت میں ہے کہ وہ حلال نہ ہو یہاں تک کہ ہدی ذبح کرنے سے حلال ہو اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اپنا حج پورا کر لے۔حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے حیض آ گیا میں نے ابھی بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور نہ صفاء اور مروہ کے درمیان دوڑی تھی۔ میں حائضہ رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن آ گیا میں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا نبی کریمؐ نے مجھے حکم دیا کہ اپنا سر کھولوں اور کنگھی کروں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں میں نے اسی طرح کیا یہاں تک کہ میں نے حج ادا کیا۔ پھر آپؐ نے میرے ساتھ عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے عمرہ کی جگہ تنعیم سے عمرہ کروں اس نے کہا کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا صفاء مروہ کے درمیان دوڑے پھر حلال ہو گئے پھر انہوں نے منیٰ سے لوٹ کر طواف کیا اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔[۴۵]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ چار ذی الحجہ کو مکہ آئے آپ مجھ پر داخل ہوئے آپؐ ناراضگی کی حالت میں تھے میں نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ کو کس نے غضب ناک کر دیا ہے اللہ اس کو آگ میں داخل کرے آپؐ نے فرمایا تجھے پتہ نہیں چلا کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا ہے وہ اس میں تردد کرنے لگے ہیں اگر مجھ کو بات کا پہلے پتہ چل جائے جس کا بعد میں چلا ہے میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا۔ یہاں تک کہ میں اس کو خرید تا پھر میں بھی حلال ہو جاتا جس طرح وہ حلال ہوئے ہیں۔[۴۶]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کی طرف بکریاں بھیجیں ان کے گلے میں ہار ڈالا میں نے نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے ہار بنائے پھر آپؐ نے ان کے گلوں میں ڈالے۔ انکو زخمی کیا اوران کو ہدی بنا کر مکہ کی طرف بھیجا۔ آپ پر کوئی چیز حرام نہ ہوئی جو آپ کے لیے حلال کی گئی تھی۔ میں نے اونٹوں کے ہار روئی سے بٹے تھے پھر آپؐ نے میرے والد کے ساتھ ان کو بھیجا۔[۴۷]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے نحر کے آخری دن جس وقت ظہر کی نماز پڑھی طواف زیارت کیا پھر آپؐ منٰی واپس آگئے وہاں ایام تشریق کی راتیں ٹھہرے جب سورج ڈھلتا جمرہ کو کنکریاں مارتے ہر جمرہ کو سات کنکریاں مارتے ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے اور لمبا قیام کرتے اور نہایت زاری کرتے تیسرے جمرہ کو کنکریاں مار کر اس کے پاس نہ ٹھہرتے۔[۴۸]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوتیں جب قافلے ہمارے پاس گزرتے ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر اپنے سر سے چہرہ پر ڈال لیتی جب وہ گزر جاتے ہم اپنے چہرے کھول دیتیں۔[۴۹]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا جب وہ زمین کے ایک میدان میں ہوں گے۔ اُن کو دھنسا دیا جائے گا اگلے پچھلے سب لوگوں کو۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگلے پچھلے سب کے ساتھ وہ کیسے دھنسا دیا جائے گا جبکہ اُن کے

ساتھ اُن کے بازاری ہوں گے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اُن میں سے نہیں ہیں فرمایا اول آخر کو دھنسا دیا جائے پھر اپنی اپنی نیت پر اُن کو اُٹھایا جائے گا۔

حضرت عائشہؓ نے احرام کی حالت میں کسم میں رنگے ہوئے کپڑے پہنے، اور کہتی تھیں۔ عورت احرام کی حالت میں اپنے ہونٹ نہ چھپائے ،نہ اپنے منہ پر برقعہ ڈالے نہ کوئی ایسا کپڑا پہنے جس میں ورس یا زعفران لگی ہو اور حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری نے کہا کسم کو میں خوشبو نہیں سمجھتا اور حضرت عائشہؓ نے کہا عورت احرام کی حالت میں زیور کالا اور گلابی کپڑا اور موزہ پہن سکتی ہے ۔[۵۰]

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ وضو کیا پھر طواف کیا۔طواف کرنے سے عمرہ نہیں ہوا پھر آپ کے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ نے بھی ایسا ہی حج یا پھر عروہ نے کہا میں نے اپنے والد زبیرؓ کے ساتھ حج کیا۔ انہوں نے بھی پہلا جو کام کیا وہ طواف تھا اس کے بعد میں نے مہاجرین اور انصار سب کو ایسا ہی کرتے دیکھا اور مجھ سے والدہ (اسماء) نے بیان کیا انہوں نے اور انکی بہن حضرت عائشہؓ اور زبیرؓ اور فلاں لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا جب انہوں نے حجر اسود کو چوما (اور صفا اور مروہ دوڑے اور سر منڈایا) اس وقت احرام کھولا۔[۵۱]

عمرہ بنت عبدا لرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے سنا وہ کہتی تھیں ذیقعدہ مہینے کے پانچ دن باقی رہے تھے۔کہ ہم آنحضرتؐ کے ساتھ (مدینہ سے) نکلے ہمارا ارادہ حج کرنے کا ہی تھا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو جن لوگوں کے ساتھ قربانی نہ تھی۔ان کو آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ طواف کر کے صفا مروہ دوڑ کے مروہ کے احرام کھول ڈالیں ۔ پھر بقر عید کے دن لوگ گائے کا گوشت لے کر ہمارے پاس آئے میں نے پوچھا یہ گوشت کیسا؟ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کا نحر کیا ۔یحیٰی نے کہا میں نے یہ عمرہ کی حدیث قاسم سے بیان کی انہوں نے کہا عمرہ نے یہ حدیث ٹھیک ٹھیک بیان کی ۔[۵۲]

ابن جریج نے بیان کیا اور انہیں عطا [۵۳] نے خبر دی کہ ہشام نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ

طواف کرنے سے روک دیا تو اس سے انہوں نے کہا کہ تم کس بنیاد پر عورتوں کو اس سے روک رہے ہو؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات نے مردوں کے ساتھ طواف کیا تھا، میں نے پوچھا یہ

پردہ (کی آیت نازل ہونے) کے بعد کا واقعہ ہے یا اس سے پہلے کا؟ انہوں نے کہا میری جان کی قسم ! میں نے انہیں پردہ کی آیت نازل ہونے) کے بعد دیکھا تھا اس پر میں نے پوچھا کہ مردوں کا ان کے ساتھ اختلاط کیسے ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: کہ اختلاط نہیں ہوتا تھا، عائشہؓ مردوں سے جدا رہ کر طواف کرتی تھیں۔ ان کے ساتھ ملکر نہیں کرتی تھیں ایک عورت نے ان سے کہا: ام المومنین ! چلیے (حجر اسود) کا استلام کریں تو آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ چلو بھی ! ازواج مطہرات رات میں پردہ کر کے نکلتی تھیں اور مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں۔ لیکن جب بیت اللہ کے اندر جانا چاہتیں تو اندر جانے سے پہلے (باہر) کھڑی ہو جاتیں اور مرد باہر جاتے (تو وہ اندر جاتیں) میں اور عبید اللہ بن عمیر عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جب آپ شبیر (پہاڑ) کے درمیان مقیم تھیں۔ میں نے پوچھا کہ اس وقت پردہ کس چیز سے تھا؟ عطا نے بتایا کہ ایک ترکی قبہ میں مقیم تھیں اس پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہمارے اور ان کے درمیان اس کے سوا اور کوئی چیز حائل نہیں تھی اس وقت میں نے ان کے بدن پر ایک گلابی رنگ کا کرتہ دیکھا تھا۔[۵۴]

خواتین کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ صبح کے وقت جب چاند ڈوب جائے تو منیٰ میں جا کر کنکریاں مارسکتیں ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعد میں ہجوم بڑھ جا تا ہے اور خود صحابیات نے بھی چاند ڈوبنے کے ساتھ ہی منیٰ میں جا کر کنکریاں ماریں اور کنکریاں مارنے کے بعد صبح کی نماز اپنے ٹھکانے میں آ کر پڑھی ۔

فصل چہارم

بدعات کے استحصال میں خواتین کی خدمت:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے، لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا۔

زنیرہ ایک لونڈی تھیں جب آزاد ہوئیں اور اسلام قبول کیا تو ان کی بینائی جاتی رہی یہ دیکھ کر قریش نے کہا: لات و عزیٰ نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ زنیرہؓ نے سُنا تو کہا بیت اللہ کی قسم! قریش جھوٹے ہیں۔لات و عزیٰ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں بینائی مرحمت فرمائی۔[۵۵]

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ جس چیز کو بھی ہاتھ لگائے گی وہ ناپاک ہو جائیگی اس لیے اس حالت میں اس سے کنارہ کشی کر لی جاتی تھی۔حتیٰ کہ وہ جو اپنے روزمرہ کے کام کیا کرتی تھی اس سے بھی اُسے روک دیا جاتا تھا صحابیات نے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا اور فرمایا کہ ان کے عقائد غلط ہیں۔ اور ان کو حضورؐ کی صحیح سنت کا سبق دیا۔ ایک مرتبہ ابن عباسؓ، میمونہؓ کے پاس تشریف لائے۔میمونہؓ نے پوچھا: کیا ہوا حالت کیوں خراب ہے؟

فرمایا: اُم عمارہ میرے کنگھی کرنے والی ماہواری میں ہے۔میمونہؓ نے فرمایا: پیارے بیٹے، بھلا ہاتھ میں حیض کہاں سے آگیا حضور اکرم ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لاتے اور وہ حائضہ ہوتی آپؐ کو بھی علم ہوتا، پھر بھی آپؐ اس کے جسم کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے، اور اسی طرح ٹیک لگائے ہوئے تلاوت قرآن کریم بھی فرماتے یا کبھی وہ بیٹھی ہوتی۔ آپؐ اس کی گود میں ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اس طرح اُس کی آغوش میں تلاوت جاری رکھتے۔ اور وہ عورت اسی طرح حالت حیض میں آپ کی جائے نماز بھی بچھا دیتی۔[۵۶]

صحابیات چونکہ ہر لمحہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہتیں تھیں اس لیے وہ ہر لمحہ حضور ﷺ کی

ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اور ہدایت حاصل کرتیں رہتیں تھیں پھر دوسروں کے لیے بھی رہنمائی کا باعث ثابت ہوتیں تھیں۔ جب سعد بن ابی وقاص[۵۷] کی وفات ہوئی تو اس دوران عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ[۵۸] بھی حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپؓ کے پاس وضو کیا لیکن اُن کا وضو کرنیکا انداز قابل اعتراض تھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اے عبد الرحمٰن! وضو کامل کرو میں نے حضور اکرم ﷺ سے سُنا ہے کہ ایڑیوں کیلئے آگ کا عذاب ہے (اگر وہ وضو میں تر نہ کی جائیں)۔[۵۹]

یعنی جو بھی کام کرو تو مکمل کرو نامکمل کام کرنے سے ایک تو فائدہ کوئی نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے اور صحابیات کو جہاں کہیں ذرا سا بھی شک گزرتا کہ کوئی کام خلاف شریعت ہو رہا ہے تو فوراً منع کر دیتیں۔ اور بعض صحابیات تو اپنے خاوندوں کو بھی خلاف شریعت احکامات کرنے سے منع فرماتیں تھیں جیسے حضور اکرم ﷺ ہی کی آزاد کردہ ایک باندی سلمٰی حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور ابو رافع کی شکایت کی حضورؐ نے جب ابو رافع سے پوچھا تو انہوں نے کہا یارسول اللہ وہ مجھے تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضورؐ نے سلمٰی سے پوچھا تم نے ان کو کیوں تکلیف پہنچائی تو انہوں نے فرمایا حضورؐ میں نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ ان کو نماز کے دوران حدث لاحق ہو گیا تھا تو میں کہا اے ابو رافع[۶۰] حضورؐ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے کہ اگر کسی کی ریح خارج ہو جائے تو وہ وضو کرلیا کرے۔ اس پر یہ کھڑے ہو کر مجھے زودکوب کرنا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا اے ابو رافع! اس نے بھلی بات ہی کا حکم کیا ہے۔[۶۱]

اسلام عورت کو پردے کا حکم دیتا ہے اور مردوں کے ساتھ خواہ مخواہ میں میل جول بڑھانے کی بالکل اجازت نہیں دیتا یہاں تک کہ افعال حج یا عمرہ کی ادائیگی میں بھی جن مقامات پر مردوں کا ہجوم زیادہ ہو وہاں جانے سے صحابیات نے منع فرمایا ہے جیسے حجر اسود کو بوسہ دینا۔ اس جگہ مردوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے بہتر یہی ہے کہ وہاں سے اللہ اکبر کہتی ہوئی گزر جائیں کیونکہ مردوں کے ازدحام سے اُن کو دھکے دیتے ہوئے گزر کر حجر اسود تک پہنچانا اور اُس کو بوسہ دینا ثواب کم اور گناہ کا کام زیادہ ہے صحابیات نے اس سے منع فرمایا ہے۔[۶۲]

خواہ طلاق رجعی ہو بائن ہو یا مغلظہ ہو عورت کو اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہنا چاہیے اور کہیں

جانے کی قطعی ضرورت نہیں اگر کسی عورت کو طلاق بائن کے بعد اُس کے شوہر کے گھر سے کہیں جانے کی اجازت دی گئی تو اُس کے پیچھے بھی کوئی مخصوص وجہ ہوگی مثلاً عورت کا تیز مزاج کا ہونا کہ وہ شوہر کے اہل سے سخت کلامی کر جائیگی تو اس صورت میں اُس کی رہائش اُس کے شوہر کے گھر میں مناسب نہیں۔حضرت عروہ بن زبیرؓ[۶۳] نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ فلاں عورت کو اس کے شوہر نے طلاق بائن دی ہے اور وہ گھر سے نکل گئی ہے۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ اُس نے بُرا کیا تو اس پر عروہؓ نے فاطمہ بنت قیسؓ کی مثال دی کہ وہ بھی تو شوہر کے گھر سے نکل گئی تھیں تو عائشہؓ نے فرمایا: اُنہیں اپنے خاص حکم کو بیان نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ فاطمہؓ نے جو فرمایا کہ مطلقہ کے لئے رہائش نہیں ہے۔تو یہ خاص حکم اُنہی کے متعلق تھا۔کیونکہ وہ گھر میں اپنے سابق شوہر کے اہل سے سخت کلامی کر جاتی تھیں۔جسکی وجہ سے ان کو حکم دیا گیا کہ تمہارے لئے یہاں رہائش مناسب نہیں لہذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ فاطمہؓ یہاں تھیں اور دوسری عورتوں کو یہی حکم بیان کرنے لگ جائے۔[۶۴]

ایسا کپڑا جن پر مورت یا صلیب کی تصویر ہو اُسے اوڑھنے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ اُس کا پردہ وغیرہ بنا کر لٹکانا بھی منع ہے۔صحابیاتؓ نے اگر کسی عورت پر کوئی ایسی چادر دیکھی جس میں تصاویر وغیرہ تھیں تو انہوں نے اُسے اوڑھنے سے منع فرمایا اور مورتوں والے پردے لٹکانے سے بھی منع فرمایا۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سفر سے (غزوہ تبوک سے) تشریف لائے میں نے گھر کے سائبان پر ایک پردہ ڈالا تھا جس پر مورتیں بنی ہوئیں تھیں آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا سخت سے سخت عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی مخلوق کی طرح خود بھی بناتے ہیں (اُن کی مورت اُتارتے ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر میں نے پھاڑ کر اُس کی تو شک بنالی یا دو توشکیں بنا لیں (یعنی گدیاں بنا لیں)۔[۶۵]

پردے کی آیات نازل ہونے کے بعد اُم المومنین نے نہ صرف خود پردہ کیا بلکہ سب مسلمان عورتوں کو پردے کی تلقین کی کہ زمانہ جاہلیت کی خواتین کی طرح خود کو نہ دکھلاتی پھرو کیونکہ یہ مسلمان عورتوں کو زیب نہیں دیتا حتی کہ اگر کوئی مسلمان عورت پتلی سی اوڑھنی سر پر اوڑھ لیتی تو اُسے بھی اوڑھنے سے منع فرماتیں۔ایک بار حفصہ بنت عبد الرحمٰن نے ایک ایسی رقیق چادر اوڑھی ہوئی تھی جس

سے سینہ بھی نظر آرہا تھا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو پھاڑ ڈالا پھر فرمایا تمھیں علم نہیں ہے کہ اللہ نے سورۃ احزاب میں پردے کا حکم نازل فرمایا ہے؟

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْ تِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّ جَ الْجَا ھِلِیَّۃِ الْاُ وْلٰی [۶۶]

ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیمی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو''۔

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اُس کا اس دنیا سے تعلق ختم ہو کر دوسری دنیا کے ساتھ جڑ جاتا ہے اب اُس کی فوتگی کے بعد چاہے اُس کے جنازہ کو مسجد کے سامنے سے گزارا جائے یا کہیں اور سے گزارا جائے اُس پہ کوئی فرق نہیں پڑتا جب کہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جنازہ کو مسجد کے سامنے سے نہیں گزارنا چاہیے لیکن صحابیات نے اس کو ایک بدعت قرار دیا اور اس مسئلے میں ان کی رہنمائی یوں فرمائی۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ہوئی تو حضورؐ کی ازواج مطہرات نے جنازہ کو مسجد سے گزار کر لے جانے کا حکم دیا تاکہ وہ بھی (حجروں میں سے) ان پر نماز پڑھ سکیں۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور جنازہ کو حجروں کے سامنے رکھ دیا گیا اور ازواج پاک نے نماز جنازہ ادا فرمائی اور جنازہ کو مقاعد نامی جگہ کے دروازے سے باہر لے جایا گیا پھر ازواج پاک کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اس کو برا خیال کر رہے ہیں کہ جنازوں کو مسجد میں لے جانا مناسب نہیں ہے۔

یہ بات حضرت عائشہؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: لوگوں نے عیب لگانے میں بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب کہ انہیں اس مسئلے کا علم نہیں ہے۔ ہم پر تو عیب لگاتے ہیں کہ جنازہ کو مسجد سے گزارا (اور یہ علم نہیں کہ) حضور ﷺ نے سہل بن بیضاء پر مسجد کے وسط میں نماز پڑھائی۔ [۶۷]

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول ﷺ نے معراج کے موقع پر اللہ کو دیکھا ہے۔ صحابیاتؓ اس بدعت پر کیسے خاموش رہ سکتی تھی کیونکہ وہ تو علم کا سمندر تھیں۔ اس معاملے کو حضرت عائشہؓ جو کہ علم حدیث کی روایت میں درجہ کمال رکھتی تھی اس معاملے میں اُنہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی کی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو کوئی تجھ سے یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے

پروردگار کو دیکھا وہ جھوٹا ہے پھر حضرت عائشہؓ نے آیت قرآنی تلاوت فرمائی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ[۴۸]

ترجمہ: ''اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ[۴۹]

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا''۔

اگر ایک شخص کافر ہے اور اُس نے کلمہ طیبہ نہیں پڑھا چاہے وہ جتنے بھی نیکی کے کام کرلے مثلاً رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، مسکینوں کو کھانا کھلانا، گالی گلوچ، غیبت سے پرہیز کرنا وغیرہ لیکن اس کے یہ کام اس کو کچھ فائدہ نہ دیں گے جب تک کہ وہ پروردگار سے پناہ نہ مانگے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! جدعان کا بیٹا جاہلیت کے زمانہ میں ناطے جوڑتا تھا (یعنی ناطے والوں کے ساتھ سلوک کرتا تھا) اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ کام اس کو فائدہ دیں گے (قیامت کے دن) آپ نے فرمایا کہ کچھ فائدہ نہ دینگے اُس نے کبھی یوں نہ کہا کہ اے پروردگار میرے گناہوں کو بخش دے کہ کافروں پر دوسرے کافروں کی نسبت ان کے اعمال کے موافق عذاب سخت یا ہلکا ہوگا۔[۵۰]

اگر کسی کو کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے تو اُس پر ہنسی مذاق کرنا اسلام میں منع ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسری طرف اُسکا مذاق اڑایا جاتا ہے۔صحابیات نے اس معاملے میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی پر خیمہ گر پڑا تو لوگ ہنس دیئے۔ پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا: مذاق نہ اُڑاؤ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے سُنا ہے کہ جس مسلمان کو کوئی کانٹا یا اس سے اوپر کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے بدلے اس کی خطا معاف کرتا

ہے۔[۱]

یہ حقیقت ہے کہ قبر میں مردوں کو عذاب ہوتا ہے اور ہر شخص کو ان اعمال کے مطابق جزا اور سزا دی جاتی ہے۔صحابیات کو اس بات کا علم تو تھا لیکن حضور ﷺ نے انہیں باور کرایا کہ قبر میں عذاب ضرور ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مدینہ کی یہودی بڑھیوں میں سے دو بڑھیاں (نام نا معلوم) میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں قبر میں مردوں کو عذاب ہوتا ہے میں نے کہا تم جھوٹی ہو مجھ کو ان کی بات ماننا اچھا نہیں لگا خیر وہ چلی گئیں اس کے بعد آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ سے عرض کیا کہ اسطرح دو (یہودی) بڑھیاں آئیں تھیں وہ یہ کہتی تھیں آپؐ نے فرمایا وہ سچ کہتی تھیں بیشک قبر میں مردوں کو عذاب ہوتا ہے انکا عذاب جانور سنتے ہیں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے اس کے بعد ہر نماز میں حضور ﷺ کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے سُنا۔[۲]

اگر چھوٹا بچہ کپڑے پر پیشاب کردے تو ضروری نہیں ہے کہ پورا کپڑا دھویا جائے اور تبھی کپڑا پاک ہوگا بلکہ صرف پیشاب کی جگہ پر پانی بہانے سے بھی وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بچے لائے جاتے آپ ﷺ ان کے لیے دعا کرتے ایک مرتبہ ایک بچہ نے جس کو لے کر آئے تھے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس مقام پر بہا دیا اس کو دھویا نہیں۔[۳]

کوئی بھی عورت اگر نماز پڑھنا چاہے تو اُسے ستر پوشی کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور کم از کم اُسکے جسم پر تین کپڑے لازمی ہونے چاہیے۔صحابیات کے نزدیک عورت پر نماز کی حالت میں تین کپڑوں کا ہونا ضروری ہے کہ کرتہ، چادر اور دوپٹہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنا تہبند کھول کر اُسے چادر کی جگہ استعمال کرلیا کرتی تھیں۔[۴]

ظہور اسلام سے قبل عورت کو بہت حقیر خیال کیا جاتا تھا اور اسکو وہ عزت و مقام بھی حاصل نہیں تھا جو اسلام نے دیا اور اس وجہ سے عورت ظلم کی چکی میں پستی رہی جو ظہور اسلام کے بعد بھی کبھی کبھار سامنے آتا لیکن صحابیات نے ایسی تمام بدعات کا خاتمہ آہستہ آہستہ کیا۔ایک بدعت یہ تھی کہ

اگر عورت گدھا اور کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی تھی یعنی عورت کو گدھے اور کتے کے ساتھ ملا دیا گویا کہ اسکی اپنی کوئی عزت ہے ہی نہیں عورت گدھا اور کتا برابر ہیں۔ لیکن صحابیاتؓ نے ان کے ہرسوال کا جواب اپنی حیات طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے دیا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں اور رسول کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اگر ایسی بات ہوتی تو وہ ہمیں منع بھی تو کر سکتے تھے کہ میرے سامنے نہ آؤ پھر تم لوگ کس بنیاد پر ایسی بات کرتے ہو۔ ان کے دلائل سننے کے بعد وہ خاموش ہو جایا کرتے۔[۵]

ایک اور بدعت جو معاشرے میں پھیل گئی تھی اس کا استحصال بھی صحابیات نے کیا وہ یہ تھی کہ قربانی کا گوشت صرف تین دن تک گھر میں رکھا جائے تین ایام سے زیادہ قربانی کا گوشت گھر میں رکھنا حضور اکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اب وہ اس حکم کو اپنے لیے دائمی سمجھ رہے تھے۔ لیکن صحابیات چونکہ بہت معاملہ فہم تھیں اور ہر ایک اُن کی ذہانت و فطانت کا قائل تھا کیونکہ وہ ہر مسئلے کی گہرائی میں جا کر پھر اُسے کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتیں تھیں۔ اس مسئلے کے متعلق اُم المومنین نے بتایا کہ ابتداء میں لوگ قربانیاں کم کرتے تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ گوشت جمع کرکے رکھنے کی بجائے ان کو دے دیں لیکن جب بعد میں زیادہ لوگ قربانی کرنے لگے تو ہم ران کا گوشت دس دن تک بچا کر کھاتے رہتے تھے اور حضور اکرمؐ نے منع نہیں فرمایا۔[۶]

ایک بار رسول کریم ﷺ کی میراث کے متعلق سوال کیا گیا تو صحابیات نے بتایا نبیؐ کی کوئی میراث نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا ہاں البتہ باقی لوگوں کے لیے میراث جائز ہے جیسے حضور اکرمؐ کا ایک آزاد کردہ غلام فوت ہوگیا تو حضورؐ نے اسکی میراث اُس کی بستی کے ایک آدمی کو دے دی اس سے یہ واضح ہوگیا کہ نبیؐ کے لیے میراث جائز نہیں لیکن باقی سب لوگوں کے لیے جائز ہے کیونکہ اگر باقیوں کے لیے جائز نہ ہوتی تو حضورؐ غلام کی میراث بھی نہ دیتے۔[۷]

غسل کے بعد وضو کرنا ضروری نہیں کیونکہ غسل سے پہلے ہی وضو کیا جاتا ہے اور اس بارے میں صحابیاتؓ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور خاص کر اُمہات المومنین نے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی کھول کر بیان کیا ہے یہاں تک غسل اور وضو کے مسائل کے حوالے سے بھی ہماری رہنمائی فرمائی ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ غسل کے بعد (علیحدہ) وضو نہ

کرتے تھے۔

غسل جنابت کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسا کہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر بیوی نے غسل کیا اور پانی بچ گیا تو اُسکو گرادیا جاتا تھا جبکہ بعد میں صحابیات نے اسکی تردید کی اور فرمایا کے اُس بچے ہوئے پانی سے نہایا جا سکتا تھا۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

میں اور نبی کریم ﷺ غسل جنابت ایک ہی برتن سے کرتے تھے۔[۷۸]

ہر کام کی ابتداء دائیں طرف سے ہونی چاہیے کیونکہ اگر آپؐ کی زندگی کے حوالے سے اُم المومنین کے ارشادات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر کام دائیں طرف سے ہوتا تھا۔

جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہوتا رسول کریم ﷺ دائیں طرف سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے اور کبھی فرماتی تھیں کہ اپنی ہر حالت میں دائیں طرف سے ابتدا فرماتے طہارت کرنے، وضو کرنے اور جوتا پہننے میں جس وقت بھی پہنتے اور کنگھا کرنے میں جب بھی کنگھی کرتے۔[۷۹]

نیند سے بیدار ہونے کے بعد اگر طہارت کے لیے پانی رکھا ہوتو اُس میں ایک دم ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ سوتے وقت کیا پتہ چلتا کہ آدمی کے ہاتھ کس جگہ سے لگ گئے ہیں یا اُن پر کیا گندگی لگی ہوئی ہے؟ اس لیے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو تین بار پانی بہا کر دھویا جائے چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا جوشخص اپنی نیند سے بیدار ہو وہ اپنے ہاتھوں پر پانی کے تین چلو بہا دے اور نبی کریم ﷺ جب بیدار ہوتے تھے تو اپنے ہاتھ مبارک پر تین بار پانی ڈالنے کے بغیر ایسا نہ کرتے تھے۔[۸۰]

بعض صحابیات کا یہ خیال تھا کہ جنابت کے غسل میں سر کے بالوں سے لے کر جسم کے ایک ایک عضو کا دھونا فرض ہے جبکہ صحابیات نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ضروری نہیں کہ سر کے بالوں کو بھی کھول کر دھویا جائے بلکہ چوٹی باندھے ہوئے بھی سر کے بالوں میں تین بار پانی گرانے سے بالوں کی طہارت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ صحابیات نے آپ ﷺ سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے چوٹی کے ہوتے ہوئے بھی اُن کو غسل کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہم میں سے جب کسی کو نہانے کی حاجت ہوتی تو تین چلو دونوں ہاتھوں سے لے کر اپنے سر پر ڈالتے اور ایک ہاتھ سے چلو لے کر ایک سر کے اس جانب پر اور دوسرا

چلو سر کے اس جانب پر ڈالتے ۔[۸۱]

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ایک وقت میں جبرائیل علیہ اسلام نے رسول کریمؐ سے آنے کا وعدہ کیا پھر وہ وقت آ گیا اور جبرائیل اس وقت میں نہیں آئے پھر وہ وقت آ گیا اور جبرائیل علیہ السلام آئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں تمہارے انتظار میں بیٹھا تھا لیکن تم نہیں آئے؟ انہوں نے کہا یہ کتا: جو تمہارے گھر میں تھا اس نے مجھ کو روک دیا تھا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس کے اندر کتا ہو یا مورت ۔[۸۲]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے بعض لوگوں نے رسول کریمؐ سے کاہنوں کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: وہ لغو ہیں کچھ اعتبار کے لائق نہیں لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! بعض اوقات ان کی بات سچ نکلتی ہے آپؐ نے فرمایا سچی بات وہی ہے جس کو جن اُڑا لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغ مرغی کو بلاتا ہے دانے کے لیے اور (دوسرا مرغ اس کی آواز کو سمجھ جاتا ہے اسی طرح جن کی بات اس کا دوست سمجھ لیتا ہے اور لوگ نہیں سمجھتے) پھر وہ اس میں اپنی طرف سے اور سو جھوٹ سے بھی زیادہ ملاتے ہیں (اور لوگوں سے کہتے ہیں) ۔[۸۳]

اُم المومنین عائشہؓ سے روایت ہے ایک بچہ مر گیا ۔ میں نے کہا خوشی ہو اس کو وہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہو گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور جہنم کو اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ لوگ بنائے ۔[۸۴]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ بھی اُس سے ملنا نہیں چاہتا ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! موت کو تو ہم میں سے سب ناپسند کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا میرا یہ مطلب نہیں بلکہ جب (اس کا آخر وقت آجاتا ہے) خوشخبری دی جاتی ہے اللہ کی رحمت اور رضامندی کی اور جنت کی تو وہ اللہ سے ملنا چاہتا ہے (اور بیماری اور دنیا کے مکروہات سے جلد خلاصی پانا) اللہ بھی اُس سے ملنا چاہتا ہے اور کافر کا جب (اخیر وقت آتا ہے) اس کو خبر دی جاتی ہے اللہ کے عذاب اور غصہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا، اللہ عزوجل بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا ۔[۸۵]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمؐ نے (اپنے شاعروں سے جنگ کے دوران میں) فرمایا قریش کی ہجو کرو اس لیے کہ ہجو قریش کے لیے تیروں کے زخم سے زیادہ سخت ہے۔رسول اللہ ﷺ حسان کے لیے مسجد میں منبر بچھاتے اور حسان اس پر کھڑے ہو کر رسول کریمؐ کی طرف سے اظہار فخر کرتے یا حضور اکرمؐ کی طرف سے (کفار کی مذمت کا) مقابلہ کرتے جب رسول اللہؐ کے سامنے شعر کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا شعر کلام ہے اچھا کلام اچھا شعر ہے اور بُرا شعر بُرا کلام ہے۔[۸۶]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ فرماتے تھے ایسے مسلمان آدمی کا خون کرنا درست نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں ہاں تین باتوں میں ایک کے عوض خون کرنا جائز ہے ایک تو جس نے باوجود محصن ہونے کے زنا کیا ہو تو ایسا آدمی سنگسار کر دیا جائے دوسرے جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے نکلے تو اُسے قتل کر دیا جائے یا سولی دے دیا جائے یا شہر بدر کر دیا جائے تیسرے جو شخص کسی کو قتل کر دے تو یہ اس کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔[۸۷]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول خدا ﷺ فرماتے تھے تم سے جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی حدوں کو رفع کر دیا کرو اگر اُس کے لیے کوئی خلاصی کی صورت ہو تو اُس صورت سے ضرور چھوڑ دیا کر وکیونکہ امام سے معاف کرنے میں خطا ہو جاتی اس سے بہتر ہے کہ اس سے سزا دینے میں خطا ہو۔[۸۸]

امام حاکم، میمونہؓ کے بھانجے یزید بن اصمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ مکہ سے واپس آ رہی تھیں ۔ میں اور ابن طلحہ بن عبید اللہ جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، ہمارا حضرت عائشہؓ سے سامنا ہوا، ہم کسی کے باغ میں گھس کر (پھل وغیرہ) توڑ رہے تھے۔ہمیں برا بھلا کہا اور ملامت کی۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئیں۔اور بڑے بلیغ انداز میں مجھے نصیحت فرمائی:

> کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اللہ عز وجل نے تم کو عزت بخشی حتیٰ کہ تم کو اہل بیت سے بنایا۔اللہ کی قسم میمونہ تو چل بسی، وہ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھی۔اب تم بے مہار اونٹ کی طرح آزاد پھر رہے ہو۔[۸۹]

حضرت عائشہؓ نے فرمایا پردہ کا حکم اُترنے کے بعد اُم المومنین سودہؓ حاجت کے لیے باہر

نکلیں وہ ایک بھاری بھرکم (موٹی) تھیں جو کوئی ان کو پہلے سے پہچانتا ہوتا وہ اب بھی پہچان لیتا خیر حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ پایا اور کہنے لگے سودہ خدا کی قسم تم تو اب بھی ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہو (اگر کپڑے اوڑھے لپیٹے ہو) اب سمجھ لو تم کیسے نکلی ہو یہ سن کر سودہ لوٹ آئیں اس وقت آنحضرتؐ میرے گھر بیٹھے ہوئے رات کا کھانا کھا رہے تھے ایک ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی ۔سودہ اندر آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ ! میں ضرورت سے باہر نکلی تھی، لیکن عمرؓ نے ایسی ایسی گفتگو کی یہ سنتے ہی آپ پر وحی آنا شروع ہوئی، پھر وحی کی حالت موقوف ہوگئی اور ہڈی اسی طرح آپ کے ہاتھ میں تھی آپ نے ہاتھ سے اس کو رکھا نہیں تھا فرمایا تم کو ضرورت سے (کام کاج کے لیے) باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ۔[۹۰]

تبصرہ:

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواتین نے نہ صرف بحیثیت عورت اپنے فرائض سرانجام دیئے بلکہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں انہوں نے گرانقدر خدمات سرانجام نہ دی ہوں ۔

مثال کے طور پر دعوت تبلیغ کو دیکھا جائے تو یہ مردوں کا کام معلوم ہوتا ہے اس لیئے کہ یہ بہت ہی مشکل کام ہے لیکن صحابیات نے اپنے اس فرض کو بھی بخوبی نبھایا اور ثابت کر دکھایا کہ عورت کسی بھی میدان میں مرد سے کم نہیں ۔

ہماری ازدواجی زندگی کے ایک ایک پہلو کو یوں بیان کیا کہ کسی بھی مسئلے کے متعلق ابہام نہ رہا اسی طرح افعال حج کے متعلق مکمل معلومات فراہم کیں ۔

سب سے اہم چیز جو مذہب میں گھن کی مانند ہے وہ ہے بدعت لیکن صحابیات نے بدعات کا خاتمہ یوں کیا کہ کوئی بھی ان کے دلائل کو چیلنج نہیں کرسکا اس لیے کہ اُن کے دلائل حقیقت پر مبنی ہوتے تھے جن کو چیلنج کرنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا گویا صحابیات کی مذہبی خدمات قیامت تک کے لیے رہنمائی کا باعث بن سکتی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتی ہیں ۔

حوالہ جات

۱۔ حضرت انسؓ کے والد کا نام مالک بن نضر اور والدہ کا نام ام سلیم تھا۔ انہوں نے نو سال رسول اکرمؐ کی خدمت کی لیکن کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ حضرت انسؓ نے ۹۳ھ میں بصرہ میں وفات پائی اور آپ بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۷، راغب رحمانی، ص ۴۸)

۲۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء امام حافظ علامہ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی مترجم مولانا محمد اصغر مغل، حصہ دوم، ص ۳۹۵، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، جنوری ۲۰۰۶ء

۳۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، ج: ہشتم، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ص ۴۵۴

۴۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ترجمہ مولانا وحید الزمان، کتاب المناقب، باب ''بعثت کے بعد نبوت کی علامات'' لاہور: حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، ج: اول، ص ۳۳۲

۵۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء، ج: ۶، ص ۱۳۱

۶۔ عکرمہؓ بن ابو جہل مکہ فتح کے دن مسلمان ہوئے، عہد صدیقی میں عکرمہ جنگ اجنادین میں جام شہادت نوش کر گئے (طبقات ابن سعد، ج: ۵، علامہ عبداللہ العمادی۔ ص ۴۱۶)

۷۔ ام حکیم کا شمار حضورؐ کی مشہور صحابیات میں ہوتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت ولید تھا جو حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں، جنگ یرموک میں امّ حکیم نے بے پناہ بہادری کا مظاہرہ کیا۔ (دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، ج: ۵، ص ۹۸)

۸۔ ایضاً، ج: ۵، ص ۹۸

۹۔ امّ معبد خزاعیہ کا نام عاتکہ بنت خالد بن منقذ تھا۔ فصیح و بلیغ قادرالکلام خاتون تھی۔ شمائل محمدیہؐ کے حوالے سے امّ معبد کا بیان سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ (دلائل النبوۃ و معرفۃ اُحوال صاحب الشریعۃ، ج: ۲، ص ۲۷۸

۱۰۔ ابو معبد کا نام ناقد، عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ تھے، ابو معبد کی وفات مدینے میں ۱۰۴ھ میں آخر زمانہ خلافت یزید بن عبدالملک میں ہوئی۔ ثقہ و حسن حدیث تھے۔ (دلائل النبوۃ و معرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ، ج: ۲، ص ۲۷۸، ۲۷۹)

۱۱۔ ایضاً، ج: ۲، ص ۲۷۸۔ ۲۷۹

۱۲۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران، معرفۃ الصحابۃ، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مسعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ج: ۵، ص ۲۲۵

۱۳۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: مولانا محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت کراچی، ج: دوم، ص ۴۰۰، ۱۰۱

۱۴۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: سوم و چہارم، ص ۲۴۶، ۲۴۷

۱۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ، ج: اول، جز خامس، ص ۵۹

۱۶۔ خباب نام ابوعبداللہ کنیت تھی یہ بھی بدر میں شریک ہوئے، جنگ صفین میں حضرت علیؓ سے پھر گئے تھے۔ ۳۷ھ میں حضرت علیؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی۔ یہ غلام تھے امّ عمار نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج: ۶، ص ۴۶، ۴۷ (مولوی نذیر الحق میرٹھی)

۱۷۔ سعید نام ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید والدہ کا نام فاطمہ بنت بجہ تھا۔ یہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ پھر مدینہ کو لوٹ آئے مقام عقیق میں وفات پائی۔ آپ کا جنازہ مدینہ لایا گیا اور وہیں دفن کیے گئے۔ (معرفۃ الصحابۃ، ج: ۵، ص ۲۸۶، ۲۸۷)

۱۸۔ القرآن: ۲۰:۱ تا ۱۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۵

۲۰۔ محمد اشرف سیالوی، علامہ، سیرت سید الانبیاء، لاہور: فرید بکسٹال، ص ۶۷۶

۲۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ، ترجمہ: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ص ۱۶۴

۲۲۔ الامام الحافظ ابی عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ ابن موسیٰ الترمذی رحمۃ اللہ، جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب: ''ماجاء فی اعلان النکاح''، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع شارع الامیر عبدالعزیز بن حلوی مقابل الغرفۃ التجاریۃ، ص۔ب: ۲۲۷۴۳، ص ۱۱۴۱۶، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ الطبعۃ الاولی، اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۲، جلد ۱

۲۳۔ ابو عبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، موطا امام محمد، مترجم خواجہ عبدالوحید، کتاب الطلاق، باب ''اپنی بیوی یا کسی دوسرے شخص کو طلاق کا اختیار دینے کا بیان'' کراچی: تاجران کتب قرآن محل، ص ۲۵۲

۲۴۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، الریاض: دارالاسلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۹۹۹ء، ج: ۸، ۷، ص ۹۱۵

۲۵۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ترجمہ: مرزا حیرت دہلوی، کتاب النکاح، باب: ''مہر کا بیان'' ج: سوم، ص ۴۸

۲۶۔ للامام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ البخاری رحمہ اللہ، صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب: ''تزویج المعسر''، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ج: ۵۵۸۷

۲۷۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، ترجمہ: مرزا حیرت دہلوی، باب ''نکاح کا بیان''، ج: سوم، ص ۱۱

۲۸۔ القرآن، ۲:۲۳۵

۲۹۔ صحیح البخاری، مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب الطلاق، باب ''سوگ والی عورت کو سرمہ لگانا (منع ہے)'' لاہور: مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، ستمبر ۱۹۵۸ء، ج: سوم، ص ۱۸۴

۳۰۔ مشکوۃ شریف، کتاب النکاح، باب ''عدت کا بیان''، ج: سوم، ص ۶۳

۳۱۔ ایضاً، باب ''نکاح کا بیان'' حصہ سوم، ص ۱۷

۳۲۔ ایضاً، باب ''بیویوں کی باری کا ذکر'' ص ۳۴

۳۳۔ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب "البناء فی السفر"، ح ۵۱۵۹، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ص ۴۴۶

۳۴۔ ایضاً، کتاب النکاح، مترجم، پارہ ۲۱ جلد: سوم، ص ۶۸

۳۵۔ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب "الخلع و کیف الطلاق فیه"، ح: ۵۲۷۳، ص ۴۵۶

۳۶۔ امام مالک بن انس، موطا امام مالک، باب "خلع کا بیان"، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ص ۴۶۷، ۴۶۸

۳۷۔ ایضاً، باب، خلع کا بیان، ص ۴۶۸

۳۸۔ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب "من قال لا نکاح الا بولی"، ص: ۵۱۲۷، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ص ۴۴۳، ۴۴۴

۳۹۔ ایضاً: ص ۴۴۹

۴۰۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، مترجم: مولانا عبدالعلیم علوی، ج اول، مکتبہ رحمانیہ، ۱۱۸ اردو بازار، لاہور، ص ۵۵۲

۴۱۔ ایضاً، باب، خلع کا بیان، ص ۴۶۸

۴۲۔ ایضاً، باب "طواف کا بیان"، ج اول، ص ۵۷۱

۴۳۔ صحیح البخاری، مترجم، مولانا علامہ وحید الزمان، کتاب المناسک، باب "عورتیں بھی مردوں کے ساتھ طواف کریں یا الگ ہو کر" ج: اول ص ۶۷۹

۴۴۔ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی موطا امام محمد، مترجم خواجہ عبدالوحید، کتاب الحج، ص ۱۹۰

۴۵۔ صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب المناسک، باب "قرن کرنے والے کے طواف کا بیان" کراچی: تاجران کتب، قرآن محل، ج: اول، ص ۵۹۹

۴۶۔ مشکوۃ شریف، باب "حجۃ الوداع کا بیان" لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اُردو بازار، ج: اول ص ۵۶۹

۴۷۔ حوالہ سابق، کتاب المناسک، باب "بکریوں کے گلے میں ہار ڈالنے کا بیان"، کراچی: تاجران کتب، قرآن محل، ج: اول، ص ۷۱۹

۴۸۔ مشکوۃ شریف، باب "طواف وداع کا بیان" لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اُردو بازار، ج: اول، ص ۵۹۲

۴۹۔ ایضاً ، باب ''ممنوعات احرام'' ص ۵۹۵

۵۰۔ البخاری شریف ،مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب المناسک ، باب ''محرم کی چادر اور تہبند کون کن سے پہنے''،لاہور: مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار، ستمبر ۱۹۵۸، ج : اول،ص ۴۵۵

۵۱۔ ایضاً، باب'' جو شخص مکہ میں (حج یا عمرے کی نیت سے) آئے تو اپنے گھر لوٹ جانے سے پہلے طواف کرے پھر دوگانہ طواف ادا کرے، پھر صفا پہاڑ پر جائے''،ص ۶۷۷، ۶۷۸

۵۲۔ وحید الز ماں، علامہ، تفہیم البخاری جدید، کتاب المناسک ، باب ''عورتوں کا طواف مردوں کے ساتھ''، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، ستمبر ۱۹۵۸، ج : اول،ص ۶۵۱

۵۳۔ عطاء بن ابی رباح کا نام اسلم تھا۔ یہ غیر خالص عربوں میں سے تھے۔ مکے میں پیدا ہوئے۔ یہ قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ان کی وفات ۱۱۴ھ اور بعض کے نزدیک ۱۱۵ھ میں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، ج : ۵، ترجمہ، علامہ عبداللہ العمادی،ص ۴۳۰ تا ۴۳۲

۵۴۔ ایضاً، ص ۶۵۱

۵۵۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران، معرفۃ الصحابہ، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مسعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان : دارالکتب العلمیۃ ، ج : ۵ ،ص ۲۴۴

۵۶۔ صحیح البخاری،مترجم علامہ وحیدالزمان، کتاب الحیض، باب ''حیض والی عورت اپنے خاوند کا سر دھوسکتی ہے اس میں کنگھی کرسکتی ہے'' جلد دوم ،ص ۳۰

۵۷۔ سعد بن ابی وقاص : سعد نام ابو اسحاق کنیت،والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت تھی والدہ کا نام حمنہ تھا۔آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے قادسیہ کو فتح کیا اور آپ نے ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ، مولوی نذیر الحق میرٹھی، ج : ۶، ص ۴۴، ۴۵)

۵۸۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر: آپ بصرہ میں سب سے پہلے پیدا ہوئے ۔اس دن لوگوں نے خیبۃ میں اونٹ ذبح کیا اور بصرہ والوں کو کھلایا۔اس وقت بصرہ میں صرف تین سو آدمی تھے ۔اونٹ سب کو کافی ہوگیا۔ آپ ثقہ ہیں اور صاحب روایات واحادیث ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ،مولانا راغب رحمانی، ج : ۷، ص ۲۰۶)

۵۹۔ الصحیح المسلم، مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب الطہارت، باب ''پورا پاؤں دھونا واجب ہے''، ج: اول، ص ۳۸۲

۶۰۔ ابو رافع: ان کا نام اسلم تھا، عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے، انہوں نے ان کو نبی کریمؐ کو ہبہ کر دیا تھا، جب رسولؐ کو عباس کے اسلام لانے کی خوشخبری دی گئی تو رسول کریمؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے بھی عباسؓ اور ان کی زوجہ ام الفضل کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ ابو رافع کی وفات عثمانؓ بن عفان کے قتل کے بعد مدینہ میں ہوئی اور ان کی بقیہ اولاد تھی۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ، علامہ عبداللہ العمادی، ج: ۴، ص ۲۲۶، ۲۲۸)

۶۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: علامہ عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ۴، ص ۲۲۷، ۲۲۸

۶۲۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۲۸۸

۶۳۔ عروہ بن الزبیرؓ: ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ الصدیق تھیں۔ یہ ثقہ و کثیر الحدیث وفقیہ تھے۔ ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ واقعہ الحرہ میں میرے والد نے وہ کتب فقہ جو ان کی تھیں جلا دیں، اس کے بعد وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے ان کتب کا اپنے پاس ہونا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے پاس میرے اہل و مال کے برابر ہو۔ ان کی وفات الفرع کے نواع میں اپنی مجاح کی زمینداری میں ہوئی اور وہیں جمعہ کے روز ۹۴ھ میں دفن کیے گئے۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ، عبداللہ العمادی، ج: ۵، ص ۱۸۹ تا ۱۹۲)

۶۴۔ مسلم بن حجاج قشیری، الصحیح المسلم، کتاب الطلاق، مترجم: وحید الزمان، علامہ، باب ''مطلقہ بائنہ کے نفقہ نہ ہونے کا بیان''، ج: چہارم، ص ۱۱۱

۶۵۔ صحیح البخاری، مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب اللباس، باب ''اگر مورتیں پاؤں کے تلے روندی جائیں تو ان کے رہنے میں کوئی قباحت نہیں''، ج: سوم، ص ۳۹۱

۶۶۔ القرآن، ۳۳:۳۳

۶۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، ج: دوم، حیدرآباد دکن: دارالطبع عثمانیہ سرکار، ص ۱۰۹

۶۸۔ القرآن ، ۶ : ۱۰۳

۶۹۔ القرآن ، ۲۶:۴۷

۷۰۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم ، مترجم :علامہ وحید الز ماں، باب ''کفر کی حالت پر مرنے والے شخص کو اس کا کوئی عمل کام نہ آئے گا''، کراچی: مکتبہ سعودیہ ،حدیث منزل ، ج :اول و دوم ، ص ۳۵۴، ۳۵۵

۷۱۔ محمد عبدالحلیم چشتی، مولانا، مسند ابو داؤد الطیالسی، باب ''بدعات اور اختراعات سے اجتناب کرنیکا بیان''، ج : اول، ص ۳۳، ۳۴۔

۷۲۔ صحیح البخاری، مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب الدعوات ، باب ''بخیلی سے پناہ مانگنا''، ج : سوم ،ص ۵۴۰

۷۳۔ ایضاً، باب ''بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنا'' ص ۵۳۶

۷۴۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد ،مترجم :مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج : ہشتم ،ص ۹۷

۷۵۔ محمد عبد الحلیم چشتی، مولانا، مسند ابو داؤد الطیالسی، ج : اول، ص ۱۴۷

۷۶۔ ایضاً ، باب ''ہدیہ اور قربانی کا بیان''، ص ۳۱۰

۷۷۔ ایضاً، باب ''فرائض کا بیان''، ص ۳۶۷

۷۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ، سنن ابن ماجہ، مترجم علامہ وحید الزمان، کتاب الطہارت، باب ''مرد اور عورت ایک برتن سے غسل کر سکتے ہیں''، ص ۴۷

۷۹۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، باب ''وضو میں داہنی جانب سے ابتدا کرنے کا بیان''، ص ۴۹

۸۰۔ محمد عبد الحلیم چشتی، مولانا، مسند ابو داؤد الطیالسی، باب ''غسل کا بیان اور جنابت والے کے احکام'' ج : اول، ص ۴۲، ۴۳

۸۱۔ ابوداودسلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داؤد، ترجمہ: علامہ وحید الزمان ، کراچی : محمد سعید ابن سنز تاجران کتب، قرآن محل ، ج : اول، ص ۱۰۷

۸۲۔ صحیح مسلم، مترجم علامہ وحید الزمان، باب ''جانور کی صورت بنانا حرام ہے''، ج : پنجم ،ص ۳۰۴، ۳۰۵

۸۳۔ ایضاً، باب ''کہانت اور کاہنوں کے پاس جانے کی حرمت''، ص ۳۸۰، ۳۸۱

۸۴۔ ایضاً، باب ''بچوں کا بیان کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی اور فطرت کا بیان''، ج: ششم، ص ۲۱۴

۸۵۔ ایضاً، باب ''اللہ سے ملنے کی آرزو رکھنے والے شخص کا بیان'' ج: دوم، ص ۲۲۸

۸۶۔ عبد العلیم علوی، مولانا، مشکوٰۃ مترجم، لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اُردو بازار، ج: دوم ص ۴۶۹، ۶۷۲

۸۷۔ ایضاً، باب ''مرتدوں کو قتل کرنا''، ج: سوم، ص ۱۱۵

۸۸۔ ایضاً، باب ''حدود شرعی کا بیان''، ص ۱۲۵

۸۹۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۱۸۶

۹۰۔ بخاری شریف، کتاب التفسیر، پارہ ۱۹، باب ''لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین اِناہ تک کی تفسیر''، ج: دوم، ص ۹۷۳، ۹۷۴

باب سوم

معاشرتی خدمات

معاشرہ اجتماعی زندگی کا نام ہے۔معاشرت انسانی ضرورت، انسانی مفاد اور انسانی فطرت ہے اسی لیے اسلام نے حسن معاشرت کی تعلیم دی ہے۔ معاشرے میں خوشگواری صرف اسی صورت میں پیدا کی جا سکتی ہے جب کہ افراد معاشرہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں ۔ دیگر افراد معاشرہ کے حقوق ادا کریں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے کہ باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچے اور تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو۔ ذیل میں چند ایسی ذمہ داریاں ہیں جو حسن معاشرت کی ضمانت ہیں انہیں محاسن اخلاق بھی کہا جاتا ہے اور ان ذمہ داریوں کو پہلی صدی ہجری کی خواتین نے بااحسن خوبی نبھایا۔

اسلام نے ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے حقوق العباد کی پوری پوری تشریح فرمائی ہے تا کہ ہر شہری اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی کی بھی فکر کرے اور مسلم معاشرے میں کسی مقام پر بھی تصادم نہ ہونے پائے۔ معاشرے کا ایک اہم شعبہ عائلی زندگی یا ازدواجی زندگی کا ہے۔اگر خاوند اور بیوی اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کریں تو اس معاشرے پر بہت مفید اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ آنے والی نسلیں بھی ملک وقوم کے لیے بہتر خدمات سرانجام دے سکتی ہیں۔

درحقیقت جو خاوند کے حقوق ہیں وہ بیوی کے فرائض ہیں۔اسلام نے بیوی کو ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے لہذا بیوی کا اولین فرض ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے خاوند کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔اگر شوہر اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر بیوی اطاعت سے انکار کر سکتی ہے۔شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بیوی اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اور اس کی رضا جوئی کا خیال رکھے ۔صحابیات اپنے شوہروں کے مال واسباب کی حفاظت اور رضاجوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتیں تھیں اور اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں شوہر کے مال ومتاع کی حفاظت کرتیں اور اس کی عدم موجودگی میں اسے خرچ نہ کرتیں اور نہ کسی عزیز اور رشتہ دار کو دیتیں ۔وہ گھر کی مالکہ ہوتی ہے اس لیے گھر کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔وہ اپنے اس فرض سے بخوبی واقف تھیں اور شوہر کی آمدنی کو مدنظر رکھ کر گھر کا خرچ چلاتی تھیں۔

فصل اول

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت اور رضا جوئی:

میاں بیوی کے ملاپ سے ایک نئے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ایک نیا گھر آباد ہوتا ہے، ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے جو میاں بیوی دونوں کے لیے بڑی انوکھی، پرکشش اور پر بہار ہوتی ہے۔ دونوں کو اس سے پورا پورا لطف اٹھانا چاہیے۔کوشش کرنی چاہیے کہ اس پرلطف زندگی سے چشمہ صافی میں کوئی گدلاہٹ نہ پیدا ہو۔ازدواجی زندگی بے کراں سمندر کی مانند ہے جس میں مزاجوں کے اختلاف سے مدوجزر اور بھنور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔اس کے طوفان کی بلاخیزی اور متوحش کر دینے والی موجوں کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

میاں بیوی طویل شاہراہ حیات کے راہی اور صادق مسافر ہوتے ہیں جو نکاح کے مقدس عہد و پیان کے ساتھ باہمی رفاقت اختیار کرتے ہیں۔ان کے مابین عہد ہوتا ہے کہ زندگی بھر ایک دوسرے کے وفادار رہیں گے اور دونوں مل کر گلزار ہستی سے اپنے حصے کی خوشیاں حاصل کریں گے۔

میاں بیوی کی یہ طویل رفاقت دھیرے دھیرے بے تکلفی اور بعض اوقات اکتاہٹ کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ یہ ہمہ وقتی یک جائی فطری طور پر ابتدائی کشش کھو دیتی ہے۔علاوہ ازیں کبھی مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ یہ حسین زندگی دونوں کے لیے اجیرن بن جاتی ہے۔اس امکان کے پیش نظر میاں اور بیوی دونوں کو مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ خوشگوار تعلقات کے شیشہ میں بال نہ پڑنے پائے۔

زندگی کے پر بہار رہنے کا تمام تر دارومدار اس بات پر ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے غمگسار اور بہی خواہ ہوں۔گھر میں مکمل سکون ہو، اگر مرد اپنے گھروں سے مطمئن اور مسرور اپنے اپنے کاموں پر جائیں گے تو پورا وقت اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے اور یوں ترقی کرتے چلے جائیں گے اور کام کاج سے واپسی پر صاف ستھرے گھر میں اجلے اجلے کپڑوں والے بچے اور مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی بیوی ان کے استقبال کے لیے چشم براہ ہوگی تو گھر میں داخل ہوتے ہی ان کی ساری تھکان اور تکلیف دور ہو جائے گی۔

میاں بیوی کے تعلقات کے موضوع پر یوں تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جائے گا۔مشرقی ،مغربی مفکرین نے اپنے اپنے معاشروں کے حوالے سے مختلف تجزیے کیے ہیں مگر ہمارے دین اسلام میں تو ایک مکمل ہدایت نامہ موجود ہے لیکن بدقسمتی سے ان زریں اصولوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ،مذہب سے فرار اور اخلاقی قدروں سے انحراف کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کی رسوم کی آمیزش کی وجہ سے یہ مسئلہ پیچیدہ اور نازک ہی بنا رہا ہے۔آج تیزی سے بدلنے والے حالات میں اس پر سنجیدگی سے غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمان گھرانوں کی یہ حالت ہمارے سامنے ہے کہ ان میں سے ۹۰ فیصد گھرانوں میں شوہر اور بیوی بس اولاد کی خاطر یا سماج میں بدنام ہو جانے کے خوف سے نباہ کر رہے ہیں۔ان میں صحیح تعاون موجود نہیں ہے۔دبے دبے جھگڑوں کے ساتھ زندگی بس گھسیٹی جارہی ہے ،ہم حالات کا جائزہ لینے اور داخلی و خارجی اسباب کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

داخلی وجوہات سے مراد شوہر اور بیوی کی طبیعتوں میں اختلاف ہے جو مختلف خاندانوں سے آئے ہوئے افراد کی عادات میں ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اگر غیروں میں ہی شادی ہو جب طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے۔یہ اختلاف تو ایک ہی خاندان اور ماحول میں پلے ہوئے لوگوں کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ایک ماں باپ کے دو بیٹوں یا دو سگی بیٹیوں میں بھی ہوتا ہے۔یہ فطری بات ہے۔

شوہر اور بیوی میں سے اگر ایک کی طبیعت سخت ہے اور دوسرے کی نرم تو نرم طبیعت والا گھاٹے میں رہتا ہے اور سخت طبیعت والا حاوی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں باہمی جھگڑے کا امکان کم ہو جاتا ہے کیونکہ نرم طبیعت والا فریق یا تو معاملے کو ہنس کر ٹال دیتا ہے جس سے گھر کے ماحول میں منفی اثر کم ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر طبیعت حساس ہو تو کمزور گھٹ کر رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی صحت پر بھی اثر پڑتا ہے اور اسے خوشگوار تعلقات میں بھی مشکل پیش آتی ہے۔اگر دونوں ہی سخت طبیعتوں والے ہوں تو بھی جھگڑا یقینی ہوتا ہے جو بعد میں بڑھ بھی سکتا ہے۔ایسی صورت میں گھر کے ماحول کو پرسکون رکھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ سخت طبیعت والا فریق اپنی طبیعت میں نرمی پیدا کرے۔اسی طرح دونوں فریقوں کی طبیعت میں ہم آہنگی پیدا ہوسکتی ہے۔طبیعت میں سختی ہو تو اس سختی کے نتیجے میں ضد بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ضدی طبیعت والا فریق یہ نہیں سوچتا کہ اس کی بات صحیح ہے یا غلط بلکہ وہ اپنی طبیعت کی وجہ سے ضد

کرتا ہے۔جس سے خاندانی زندگی اوراولاد پر غلط اثرات پڑتے ہیں۔اس صورت میں زندگی کی گاڑی چلتی تو رہتی ہے کیونکہ ایک فریق ضد نہیں کررہا ہوتا ہے لیکن زندگی بےلطفی سے کٹتی ہے۔

دونوں فریق اپنی ضد پر اتر آئیں تو جھگڑے بڑھ جاتے ہیں، حتیٰ کہ میاں بیوی میں علیحدگی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔اس لیے میاں بیوی دونوں کے لیے بہتر اور مناسب یہ ہے کہ وہ لچک دار رویہ اختیار کریں اور کوشش کریں کہ گھر کے ماحول میں ہروقت ٹکراؤ نہ ہوتا رہے۔اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کا غصہ زیادہ ہوتو بھی جھگڑا لازمی ہوتا ہے۔ یہ غصہ غیرضروری باتوں پر بھی آ سکتا ہے اور تعلقات کو بگاڑ دیتا ہے۔بات بات پر غصہ دکھانے والے فریق بعد میں نادم لیکن بعد از خرابی بسیار ،بعض اوقات نقصان اتنا ہوجاتا ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔غصہ عقل چھین لیتا ہے، ایک اچھا ہوش مند آدمی بھی بےعقل ہوجاتا ہے۔ایک انتہائی مہذب انسان بھی بدتہذیبی پر اتر آتا ہے اور یوں کوئی بھی غلط کام سرزد ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے پورا خاندان تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔

اگر میاں بیوی میں سے ایک فریق مغرور ہے یا دونوں میں یہ خامی موجود ہے تو یہ کشیدگی کی ایک مستقل وجہ ہے لیکن شوہر اپنے منصب یا دولت یا وجاہت کی وجہ سے غرور کا مظاہرہ کرتا ہے، کبھی بیوی اپنی خوبصورتی، جہیز کی کثرت، والدین کے منصب و جائیداد کی وجہ سے شوہر کو خاطر میں نہیں لاتی اور طعنے دیتی ہے۔اس طرح سے میاں بیوی اپنے گھر کی خوشیاں خود برباد کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔اگر دونوں فریق ایک دوسرے کی صفات پر فخر کریں اور ایک دوسرے کا احترام کریں اور انکساری سے کام لیں تو لڑائی جھگڑے کا امکان باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح اگر میاں بیوی میں سے کوئی فریق عفت وعصمت کی حفاظت سے ہٹ گیا ہوتو جھگڑا لازمی ہے جس میں طلاق کی نوبت بھی آسکتی ہے کیونکہ شریف طبع لوگوں کے لیے یہ بات ناقابل برداشت ہوتی ہے۔اگر دونوں فریق حیاداری سے ہٹے ہوئے ہوں تو ان دونوں کے دلوں میں چور ہوتا ہے۔اس لیے ایک دوسرے کو روکنے کے لیے ان میں اخلاقی جرأت نہیں ہوتی اور زندگی کی گاڑی چشم پوشی سے چلتی رہتی ہے لیکن اس کا اثر اولاد کے چال چلن پر بہت برا پڑتا ہے۔ان کی تعلیم تربیت نہیں ہوسکتی اور ایسی صورت بعض اوقات علیحدگی کا سبب بنتی ہے۔اس قسم کا مسئلہ زیادہ تر مغربی ممالک میں پیش آتا ہے اور وہاں رہائش پذیر پاکستانی خاندان اس صورت حال سے اکثر متاثر ہوتے ہیں۔لہذا عصمت کی حفاظت کی

جانی چاہیے۔

ان برائیوں کی قسموں میں ایک قسم وہم و شک کی بھی ہے جو کسی خاندان کو اجاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کسی فریق کی طبیعت پر وہم غالب آ جائے تو بے جا شک کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر شک حد سے بڑھ جائے تو شوہر اور بیوی میں علیحدگی ہوسکتی ہے۔ اس شک و وہم کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً اگر مرد باہر ہو اور بیوی اس پر شک کرنے لگے تو زندگی کی گاڑی میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی سماجی کاموں میں حصہ لیتی ہو اور اس کا واسطہ دوسرے لوگوں سے پڑے تو شوہر شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی باتوں کو باہمی اعتماد کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے اور ہوشمندی سے کام لے کر دونوں فریق خوشحال زندگی گذار سکتے ہیں اور بلا وجہ کے جھگڑے سے بچ سکتے ہیں۔

شادی سے پہلے اگر لڑکے یا لڑکی میں غیر ذمہ داری یا لا ابالی پن پایا جاتا ہے تو شادی سے پہلے اس کا گذارا ہوسکتا ہے کیونکہ والدین اولاد کی غلطیاں برداشت کر لیتے ہیں لیکن شادی کے بعد کسی فریق میں لاابالی پن باقی ہو تو اس سے دوسرے فریق کے احساسات، جذبات متاثر ہوتے ہیں اور گھر میں جھگڑا جنم لیتا ہے۔ لازم ہے کہ شادی کے بعد اپنی پرانی اور نقصان دینے والی عادات کو خیر باد کہہ دیا جائے اس طرح زندگی کی مشکلات میں کمی واقع ہوتی ہے اور بچوں پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

گھریلو زندگی میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اخراجات میں اعتدال پسندی برتی جائے کیونکہ اگر ایک فریق کنجوس یا فضول خرچ ہے تو محدود آمدنی والے گھر کی تباہی لازمی ہے۔ اگر دونوں فریق کنجوس یا فضول خرچ ہیں تو وہ معاشرے میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے جو کسی شادی شدہ انسان کا خاصہ ہے۔ اس لیے خرچ کے معاملے میں اعتدال کی راہ اپنانی چاہیے۔ خاص طور پر فضول خرچی اور کنجوسی زندگی پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ گھر کا انتظام ان دونوں کے ہوتے ہوئے صحیح طور پر نہیں چل سکتا۔ فریقین کے درمیان آئے دن کے جھگڑے سے گھر کا تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ جب گھر میں کسی مسئلے پر میاں بیوی کے درمیان بات چیت ہو رہی ہو اور دونوں میں سے کوئی ایک نامعقول رویہ اختیار کر لے تو جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات زندگی میں زہر گھول دیتا ہے۔ اکثر جھگڑے نامعقول رویے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں۔ در

اصل معقولیت ہی ایسی صفت ہے۔ یہی تمام جھگڑوں کو ختم کرسکتی ہے۔اس سے گھر میں افہام وتفہیم کی فضا قائم ہوسکتی ہے۔

بعض طبیعتوں میں اعتدال نہیں ہوتا اور انتہا پسندی غالب ہوتی ہے یعنی مرد اور عورتیں اچھائی اور برائی کرگزرنے میں کوئی دیر نہیں کرتے یا گھر کے معاملات میں انتہا پسندی اختیار کرنے میں بے باک ہوتے ہیں جو خود ان کے لیے یا دونوں کے لیے تکلیف دہ بن جاتے ہیں۔اس وجہ سے گھر کو کافی نا قابل تلافی نقصان ہوتا ہے اور گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔اس کے حل کے لیے ضروری ہے کہ طبیعتوں میں اعتدال پیدا کیا جائے اس سے بہت سے جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر ہو بھی جائیں تو جلد ہی رفع ہو جاتے ہیں۔ایسے معاملات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے، اپنے اندر اصلاح پیدا کرنی چاہیے تاکہ نقصانات سے بچا جا سکے۔

داخلی وجوہات کے علاوہ ازدواجی زندگی کے بگاڑ کی کچھ خارجی وجوہات بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثلاً ساس بہو، نند بھاوج کے ماحول اور مزاجوں میں فرق اور یہ فرق لامحالہ فساد کا سبب بنتا ہے۔دوسری وجہ ان رشتوں کے حقوق و فرائض کا ٹکراؤ ہے۔اگر ماں اور بہن یہ چاہتی ہے کہ شادی کے بعد بیٹے اور بھائی پر حقوق قائم رہیں جو کہ شادی سے پہلے تھے تو جھگڑا یقینی ہے کیونکہ شادی کے بعد حقوق تقسیم ہو جاتے ہیں اور اب بیٹے اور بھائی کے علاوہ ایک شوہر بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات بیوی یہ بھول جاتی ہے کہ اس کا شوہر صرف اسی کا شوہر نہیں ہے بلکہ کسی ماں کا بیٹا اور کسی بہن کا بھائی بھی ہے اور ان کے بھی کچھ حقوق ہیں۔لیکن اب یہ رشتے اتنے بدنام ہو چکے ہیں کہ بعض اوقات ان کے نام سے ہی اختلاف کا نقطہ سامنے نظر آتا ہے۔دیکھا گیا ہے کہ جھگڑے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی لیکن جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ان رشتوں کے جھگڑوں میں شوہر کی حیثیت بڑی نازک ہوتی ہے۔وہ یہ بات آسانی سے طے نہیں کر پاتا کہ وہ کس کا ساتھ دے اور کس کا ساتھ نہ دے۔وہ اس مصیبت میں پھنس جاتا ہے کہ خونی رشتے اپنی جگہ اور بیوی کا رشتہ اپنی جگہ۔زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب بیوی کی طبیعت میں کوئی خرابی ہو۔ان حالات میں جو جھگڑے ہوتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جاتی ہے۔

بعض بیویاں سسرال کو اپنا گھر سمجھتی ہیں اور خود کو اس ماحول میں سمونے کی کوشش کرتی ہیں لیکن ساس یا نند اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتیں نتیجے میں انہیں سسرال میں گھٹ گھٹ کر رہنا پڑتا ہے اور بالآخر علیحدگی ہو جاتی ہے اور خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔جھگڑے کی ان دونوں صورتوں میں شوہر کے لیے حالات پر قابو پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔جس کا اثر اس کے کاروبار پر پڑتا ہے۔خاندان کے تمام افراد کو معقول اور معتدل رویہ اختیار کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کو زچ کر دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

زن وشوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے، کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھر بار کی حفاظت کرے، اور صحابیات میں عموماً یہ دیانت پائی جاتی تھی، حضرت اسما بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی، وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا، اور کہا کہ اپنے سایہء دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے، وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں۔فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں بولیں اگر زبیرؓ کی موجودگی میں آؤ، اور مجھ سے سوال کرو، وہ اسی حالت میں آیا، اور کہا یا اُم عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپکی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، بولیں، تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا، حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے، جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟ وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دے دی وہ نہایت فیاض تھیں، اس لئے صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں، لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا، اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتی تھیں۔ مجبوراً رسول کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیرؓ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے، دو [1]

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے جیسے لباس سے جسم کے تمام اعضاء پوشیدہ رہتے ہیں، اسی طرح خاوند بیوی ایک دوسرے کے رازوں کے لیے مثل لباس ہیں۔وہ ایک دوسرے کے رازوں سے واقف ہوتے ہیں چاہیے، جتنی بھی بڑی مشکل ان دونوں پر آن پڑے مل کر اُس کا سامنا کرتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو اسکی خبر نہیں ہونے دیتے خواہ مخواہ میں ایک دوسرے پر الزام لگانا افعال قبیح میں شمار ہوتا ہے خواتین کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

رفاعہ نے اپنی عورت تمیمہ بنت وہب کو تین طلاق دیئے پھر عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی نے اس سے نکاح کیا حضرت عائشہؓ نے کہا یہ عورت سبز اوڑھنی اوڑھے ہوئے آئی اپنے خاوند کی شکایت مجھ سے کرنے لگی اور اپنے بدن پر جو نیل پڑ گئے تھے (سبز داغ) وہ بھی مجھ کو دکھلائے ،عورتوں کا قاعدہ ہوتا ہے ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں اس لیے جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے اس کا حال آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ کہنے لگیں اس کا بدن اس کی اوڑھنی سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔ جیسے میں نے مسلمان عورتوں کو تکلیف پاتے دیکھا ویسی تکلیف کسی کو پاتے نہیں دیکھا۔عکرمہ نے کہا یہ خبر اس کے خاوند کو پہنچی کہ وہ میری شکایت کرنے آنحضرت ﷺ کے پاس گئی ہے وہ بھی آیا اور دو بچے ساتھ لایا جو دوسری عورت کے پیٹ سے تھے (ان کے نام معلوم نہیں ہوئے) تمیمہ کہنے لگی۔ خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس کا کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کے پاس جو ہے وہ اس کپڑے کے پھنّے سے زیادہ زور دار نہیں ہے، اس نے اپنے کپڑے کا حاشیہ لے کر بتلایا۔عبدالرحمٰن کہنے لگا یا رسول اللہ یہ جھوٹی ہے میں تو اس کو چمڑے کی طرح (جماع کے وقت) ادھیڑ کر رکھ دیتا ہوں مگر یہ شریر ہے پھر رفاعہ (اپنے اگلے خاوند) کے پاس جانا چاہتی ہے۔ آنحضرتؐ نے عورت سے فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر تو رفاعہ کے لیے حلال نہیں ہوسکتی یا اس کے پاس جانے کے قابل نہیں ہوسکتی جب تک عبدالرحمٰن تیرا مزہ نہ اُٹھائے۔عکرمہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمٰن کے ساتھ دو بچے دیکھے پوچھا یہ تیرے بچے ہیں اُس نے کہا ہاں جب آپؐ نے عورت سے فرمایا عبدالرحمٰن نامرد ہے خدا کی قسم یہ بچے تو عبدالرحمٰن سے صورت میں ایسے ملتے ہیں جیسے کوا دوسرے کوے سے ملتا ہے[۲]

اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے بہتر تو یہی ہے کے ایک پر ہی اکتفا کیا جائے لیکن اگر ایک سے زائد شادیاں کی ہوں تو اُن کے درمیان عدل کرنا چاہیے جس طرح حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان کرتے تھے اور وہ بھی انکی رضا جوئی کا خاص خیال رکھتیں تھیں جو کہ بیویوں پہ عائد ہوتی ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ جب دن تقسیم کرتے اپنی بیویوں میں تو عدل کرتے اور فرماتے یا اللہ یہ میرا تقسیم کرنا اُس چیز میں ہے جسکا میں مالک ہوں تو جس کا مالک نہیں ہوں اُس میں مجھ کو ملامت مت کر۔

حضرت عائشہؓ نے عروہ سے کہا: اے میرے بھانجے رسول ﷺ کریم فضیلت نہیں دیتے تھے بعض بیویوں پر تقسیم میں یعنی ہمارے پاس رہنے میں اور ایسا دن بہت کم ہوتا کہ آپ ہمارے پاس چکر نہ

لگا دیں اور ہر ایک بی بی کو نہ چھویں مگر آپ صحبت نہ کرتے جب پہنچتے اُس بی بی کے پاس جسکی اُس دن باری ہوتی تو آپ اُسی کے پاس بیٹھے رہتے (یعنی اس سے صحبت کرتے) سودہؓ جب بوڑھی ہو گیٔں اور ڈریں کہیں رسول ﷺ ان کو چھوڑ نہ دیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی آپ نے منظور کیا۔

اگر شوہر بیمار ہو جائے اور اپنے آخری ایام اپنی بہت ہی چہیتی بیوی کے پاس گزارنا چاہ رہا ہو تو اُسے باقی بیویوں سے اجازت لینی ہو گی اگر وہ اجازت دیں تو آخری دن اُس کے پاس گزار سکتا ہے اور اگر نہ دیں تو نہیں گزار سکتا لیکن صحابیات نے حضور ﷺ کو اجازت دے دی تھی۔

حضرت اُم المومنین عائشہؓ سے روایت ہے:

> ''رسول ﷺ نے اپنی بیویوں کو مرض الموت میں بلوا بھیجا سب آئیں آپؐ نے فرمایا: مجھے طاقت نہیں کہ تم سب کے پاس پھروں اگر تم اجازت دو تو میں عائشہؓ کے پاس رہوں؟ انہوں نے اجازت دی آپ تا دم وفات عائشہؓ کے پاس رہے اور آپ ہی کی گود میں وفات پائی۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)''۔[۳]

شوہر کی کمائی میں بیوی کا بھی حصہ ہوتا ہے اور وہ اپنے بچوں کے خرچ کے لیے اُس سے دستور کے موافق لے سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں گھر کا سربراہ ہونیکی حیثیت سے اُس کا فرض ہے۔حضرت عائشہؓ نے کہا: ہندؓ بنت عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی (ابوسفیان کی جورو) آپؐ کے پاس آئی کہنے لگی یا رسول اللہ ابوسفیان ایک بہت بخیل آدمی ہے کیا میں اس کا روپیہ لے کر اپنے بال بچوں کو کھلاوں۔آپؐ نے فرمایا: کچھ قباحت نہیں تو دستور کے موافق لے سکتی ہے۔[۴]

نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور اس وجہ سے شوہر بھی اُن سے محبت کرتے ہیں صحابیات کا اپنے شوہروں کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر لمحہ اُن کی خوشی کے لیے کوشاں رہتیں اور دکھ سکھ میں اُن کی ڈھارس بندھاتی اور آخری وقت تک اُن کی ہر آرزو پوری کرتیں جو اُن کے بس میں ہوتی۔

حضرت عائشہ نے کہا:

> ''آنحضرت ﷺ کی وفات میرے گھر میں میری باری کے دن میں میرے حلق اور

سینے کے بیچ میں ہوئی اللہ نے (مرتے وقت) میرا اور آپ کا تھوک بھی ملا دیا۔ ہوا یوں کہ عبدالرحمٰن ایک مسواک لے کر آئے آپؐ بیماری کے ضعف سے اس کو چبا نہ سکے میں نے چبا کر آپ کے دانتوں پر ملی''۔[۵]

صحابیات کی شوہروں کے ساتھ محبت مثالی تھی اور امہات المومنین نے بھی کبھی حضورؐ کی دل آزاری نہیں کی بلکہ ہر لمحہ وہ بات کرنے کی کوشش کرتیں جو حضورؐ کو پسند ہو اسی لیے حضورؐ بھی ان سے حد درجہ محبت رکھتے تھے یوں تو وہ سب سے محبت رکھتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ انھیں زیادہ عزیز تھیں۔ آپؐ فرماتے تھے عائشہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی کھانوں پر۔

سوکنوں میں ہمیشہ سے یہ بات رہی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ شوہر کے دل میں گھر کرے تا کہ شوہر اسکی طرف زیادہ متوجہ ہو۔ عائشہؓ کی فضیلت دوسری بیویوں کی نسبت اس لیے زیادہ تھی کہ انکی چادر میں رسولؐ پر وحی اتری اور لوگوں کو بھی اس بات کا علم تھا اس لیے وہ اپنے تحفے تحائف حضرت عائشہؓ کی باری میں بھیجتے تھے جسکو دوسری ازواج برداشت نہیں کر پا رہی تھیں لیکن حضورؐ کے جواب سے خاموش ہو گئیں۔

لوگ تحفے بھیجنے میں حضرت عائشہؓ کی باری کے منتظر رہتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میری سوکنیں اُم سلمہؓ کے پاس گئیں اور کہنے لگیں، اُم سلمہؓ خُدا کی قسم لوگ جان بوجھ کر اپنے تحفے اس دن بھیجتے ہیں جس دن حضرت عائشہؓ کی باری ہوتی ہے ہم بھی حضرت عائشہؓ کی طرح اپنی بھلائی چاہتی ہیں (یہ کیا بات) تم آنحضرت ﷺ سے کہو آپؐ لوگوں کو حکم دے دیں میں جس بی بی کے پاس ہوں جس کی باری ہو وہیں حصے بھیج دیا کرو (حضرت عائشہؓ پاس جانے کے منتظر نہ رہو) اُم سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا آپؐ نے منہ پھیر لیا (جواب نہ ملا) انہوں نے دوبارہ عرض کیا تب بھی جواب نہ ملا۔ جب سہ بارہ عرض کیا تو فرمایا اُم سلمہؓ عائشہؓ کی بابت میں مجھ کو نہ ستاؤ، قسم خُدا کی! تم میں سے کسی بی بی کی چادر میں (جو میں سوتے وقت اوڑھتا ہوں) مجھ پر وحی نہیں اُتری سوائے عائشہ کے۔[۶]

اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ (حضورؐ کے اس فرمان پر) انہوں نے عرض کیا۔

''آپکو ایذاء پہچانے کی وجہ سے اللہ کے حضور میں میں تو توبہ کرتی ہوں یا رسول اللہ!''

پھر ان ازواج نے رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی فاطمہؓ کو بلایا اور ان کے ذریعے حضور اکرمؐ کی خدمت میں یہ کہلوایا کہ:

''آپ ﷺ کی ازواج ابو بکرؓ کی بیٹی کے بارے میں خدا کے لیے آپؐ سے عدل چاہتی ہیں''

چنانچہ انہوں نے بھی آپ ﷺ سے گفتگو کی۔حضور اکرمؐ نے فرمایا:

''میری بیٹی ! کیا تم وہ پسند نہیں کرتی ہو جو میں پسند کروں''

انہوں نے جواب دیا:

''کہ کیوں نہیں''

اس کے بعد وہ واپس آ گئیں اور ازواج کو اطلاع دی انہوں نے ان سے بھی دوبارہ خدمت نبویؐ میں جانے کے لیے کہا لیکن آپ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے (اُم المومنین) زینب بنت جحشؓ کو بھیجا وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے سخت گفتگو کی اور کہا کہ آپؐ کی ازواج ابو قحافہ کی بیٹی کے بارہ میں آپؐ سے خُدا کے لیے انصاف مانگتی ہیں۔ان کی آواز بلند ہوگئی اور انہوں نے عا ئشہ کو بھی نہیں چھوڑا۔

حضرت عائشہؓ وہیں بیٹھی ہوئیں تھیں انہوں نے (ان کے منہ پر) انہیں برا بھلا کہا رسول کریمؐ حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں کچھ بولتی ہیں یا نہیں حضرت عائشہؓ بھی بول پڑیں اور زینب کی باتوں کا جواب دینے لگیں اور آخر انہیں خاموش کر دیا پھر رسولؐ نے حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''کہ اے ابو بکرؓ کی بیٹی فرضی اللہ عنھن وعنہم اجمعین'' [۷]

صحابیات نے ہر مشکل گھڑی میں حضورؐ کا ساتھ دیا جب وحی کا نزول ہوا تو حضورؐ سخت گھبرائے اور جب گھر پہنچے تو خدیجہ نے ان کو تسلی دی جس سے وہ مطمئن ہو گئے نیک بیویاں شوہروں کا ساتھ دیتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ اتنے گھبرائے ہوئے تھے کے صرف یہ فرما رہے تھے کہ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ [۸]

صحابیات اپنے شوہروں کی اتنی لاڈلیاں بیویاں تھیں کہ وہ وفات کے وقت بھی یہ وصیت کر جاتے تھے کے انہیں غسل صرف انکی بیوی ہی دے گی اور صرف وہی ان کہ بدن کو آخری وقت بھی چھوئے گی۔

اور اگر کوئی روزے سے ہو تو وہ غسل نہ کرے کیونکہ مردے کو غسل دینے سے انسان ناپاک نہیں ہوتا۔ اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خاوند ابوبکر کو غسل دیا۔ جب کہ ان کی وفات ہوگئی۔ پھر وہ غسل سے فارغ ہو کر نکلیں اور مہاجرین میں سے جو حاضر تھے ان سے سوال کیا (اس غسل دینے کی وجہ سے) کیا مجھ پر اس حالت پر بھی غسل کرنا ضروری ہے جبکہ میں آج روزے سے ہوں اور یہ سخت ٹھنڈا دن ہے تو لوگوں نے کہا نہیں۔[۹]

حضور ﷺ روزہ کی حالت میں بھی اپنی ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جبکہ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی عورت کا بوسہ لیا۔ سو اس کو بڑا رنج ہوا اور اس نے اپنی عورت کو اُم سلمہؓ (زوجہ نبی کریمؐ) کے پاس بھیجا۔ اُم سلمہؓ نے اس سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے پھر اس نے اپنے خاوند کے پاس جا کر اس کی خبر دی۔ اس سے اور زیادہ اس کو اضطراب ہوا اور اس نے کہا ہم رسول کریمؐ کے مثل نہیں ہیں۔ اللہ نے تو اپنے رسول ﷺ کے لیے جو چاہا حلال کر دیا پھر اس کی عورت دوبارہ ام سلمہؓ کے پاس آئی۔ اب اس نے وہاں رسول اللہ ﷺ کو بھی دیکھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس عورت کے آنے کی کیا وجہ ہے''؟

اُم سلمہؓ نے آپکو اس کے متعلق خبر دی آپ نے فرمایا:

''تم نے اس عورت کو کیوں نہیں بتا دیا کہ میں خود یہ کرتا ہوں (یعنی میں بوسہ لے لیتا ہوں)''

اُم سلمہؓ نے کہا میں نے تو اس کو بتا دیا تھا اس نے اپنے خاوند سے جا کر کہا تو اس کا خاوند کہتا ہے کہ ہم رسولؐ کے مثل کہاں ہیں۔ اللہ نے تو اپنے رسول کریمؐ پر جو چاہا حلال کر دیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا:

''خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ حدود اللہ کو جانتا ہوں''[۱۰]

اُم ربیعہؒ:

امام ابو عثمان ربیعۃ الرائیؒ (المتوفی ۱۳۶ھ) کی والدہ تھیں۔ ان کی شادی مدینہ منورہ کے رہنے

والے ایک جوان صالح ابوعبدالرحمٰن فروخ سے ہوئی جو قبیلہ بنی تمیم بن حرہ کے غلام تھے ۔امام ربیعہؒ ابھی شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد ابوعبدالرحمٰن فروخ کو خراسان کی مہم پر جانا پڑا۔گھر سے چلتے وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو تیس ہزار اشرفیاں دیں اور کہا کہ یہی میری کل پونجی ہے انہیں احتیاط سے رکھنا ۔میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس لائے تو اس رقم سے تجارت کروں گا، ہاں اگر میری غیر حاضری میں تمہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو تم اس رقم میں سے جتنی چاہو خرچ کر سکتی ہو اور میرے جانے کے بعد اللہ تمہیں لڑکا یا لڑکی دے تو اس کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنا ۔یہ کہہ کر انہوں نے بیوی کو خدا حافظ کہا اور دمشق جا کر اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے ۔اس زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ مسلسل جاری تھا۔ایک مہم کے بعد دوسری ، دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی ۔یہاں تک کہ فروخ کو ان مہموں میں حصہ لیتے لیتے پورے ستائیس برس گزر گئے لیکن جہاد میں مصروفیت نے انہیں گھر نہ لوٹنے دیا اور نہ گھر سے ان کا کوئی رابطہ ہی قائم ہو سکا۔ادھر ان کے گھر سے نکلنے کے چار پانچ ماہ بعد اللہ نے ان کی بیوی کو فرزند عطا کیا جس کا نام انہوں نے ربیعہ رکھا۔وہ بڑی دانشمند اور دوراندیش خاتون تھیں ۔گو شوہر کی جدائی نے ان کی زندگی بے کیف کر دی تھی لیکن انہوں نے بچے کی پرورش نہایت عمدہ طریقے سے کی۔ جب ربیعہ سن شعور کو پہنچے تو والدہ نے ان کی تعلیم تربیت کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کیا ۔یہاں تک کہ اپنے شوہر کی چھوڑی ہوئی تمام اشرفیاں سب کی سب ربیعہ کی تعلیم پر خرچ کر دیں۔

ربیعہ بھی بے حد ذہین اور محنتی تھے انہوں نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور پھر چند سال کے اندر اندر قرآن ، حدیث ، فقہ ، ادب اور دوسرے تمام علوم پر ایسا عبور حاصل کر لیا کہ ان کے علمی کمالات کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی اور وہ بیس بائیس برس کی عمر میں اپنے وقت کے امام تسلیم کیے گئے ۔لوگ اب نوجوان ربیعہ کو ''امام ربیعہ الرائی'' کہتے تھے۔امام ربیعہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر لوگوں کو باقاعدگی سے درس دیتے تھے اور طلبہ دور دور سے آکر ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے ۔ان طلبہ میں سے کئی بعد میں خود اپنے وقت کے امام بنے ۔امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور کئی دوسرے مشاہیر وقت امام ربیعہؒ ہی کے شاگرد تھے ۔

ستائیس برس کے بعد فروخ کو جہاد سے فرصت ملی تو انہوں نے سیدھا وطن کا رخ کیا۔کئی دن کے سفر کے بعد وہ مدینے میں اس شان سے داخل ہوئے کہ گھوڑے پر سوار تھے ۔تلوار کمر سے بندھی ہوئی تھی

اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام ربیعہؒ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ باپ بیٹا ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ فروخ بے تکلفی سے اندر جانے لگے تو امام ربیعہ نے انہیں ٹوکا:

اے شخص تو میرے مکان میں بلا اجازت کیوں داخل ہو رہا ہے؟۔

فروخ نے برہم ہو کر کہا:

اے دشمن خدا! یہ میرا اپنا گھر ہے، تو اس میں کیوں گھسا ہوا ہے؟

امام ربیعہؒ نے بھی بڑا تلخ جواب دیا۔ اس طرح بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ شور وغل سن کر ہمسائے جمع ہو گئے۔ ربیعہ فروخ سے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم! میں تجھے حاکم وقت کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ فروخ کی زبان پر بھی اسی قسم کے الفاظ تھے۔ کسی نے امام مالکؒ کو بھی اس جھگڑے کی خبر دے دی۔ وہ اپنے استاد کا معاملہ سمجھ کر فوراً وہاں آ گئے اور بڑے نرم لہجے میں فروخ سے مخاطب ہو کر کہا:

میاں آپ زبردستی غیر کے مکان میں کیوں گھسنا چاہتے ہیں؟ آپ کسی دوسری جگہ کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟

اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میرا نام عبدالرحمٰن فروخ ہے اور یہ میرا اپنا گھر ہے۔ ستائیس برس بعد میدان جہاد سے واپس آیا ہوں تو آپ میں سے کوئی مجھے پہچانتا ہی نہیں۔

فروخ کی آواز سن کر ان کی بیوی نے کواڑوں کے پیچھے سے جھانکا تو فوراً شوہر کو پہچان گئی۔ امام ربیعہ اور فروخ دونوں کو اندر بلا بھیجا اور پھر امام ربیعہ کو بتایا کہ یہ تمہارے والد ہیں۔ ساتھ ہی فروخ سے کہا کہ یہ نوجوان آپ کا فرزند ہے جو آپ کے جانے کے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ اب دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔

کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد فروخ نے بیوی سے اپنی بچائی ہوئی رقم (تیس ہزار اشرفیوں) کے بارے میں پوچھا۔ بیوی نے کہا آپ اطمینان رکھیے، ساری رقم محفوظ ہے۔ اتنے میں نماز اور درس کا وقت ہو گیا۔ امام ربیعہ اذان سنتے ہی مسجد نبویؐ میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیوی نے

شوہر سے کہا کہ آپ بھی مسجد نبویؐ میں جا کر نماز پڑھ آئیے۔فروخ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ساری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ان کے درمیان ایک صاحب بڑی شان اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تمام لوگ بڑے ادب اور احترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں اور وہ صاحب ان کے سامنے درس دے رہے ہیں۔ یہ درس دینے والے صاحب امام ربیعہ تھے چونکہ انہوں نے سر پر اونچی ٹوپی پہن رکھی تھی، اس لیے فروخ انہیں دور سے پہچان نہ سکے۔کسی سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟

اس نے حیران ہو کر کہا: آپ ان کو نہیں پہچانتے، یہ امام ربیعہ الرائی ابن عبدالرحمٰن ہیں۔فروخ کو یہ سن کر اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹے کا درجہ اتنا بلند کیا''۔خوشی خوشی گھر آئے اور بیوی کو بتایا کہ آج میں نے اپنے بیٹے کی جو عزت اور شان دیکھی اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی نہیں دیکھی تھی۔

بیوی نے کہا '' آپ کو بیٹے کی یہ عظمت و شان پسند ہے یا تیس ہزار اشرفیاں؟

فروخ نے جواب دیا:

خدا کی قسم! تیس ہزار اشرفیاں اس مرتبے اور شان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔

بیوی نے کہا تو پھر سن لیں کہ میں نے یہ تمام رقم اس کی تعلیم پر خرچ کر دی۔

فروخ نے بے ساختہ جواب دیا '' خدا کی قسم! ان اشرفیوں کو ٹھکانے لگا کر میرے بیٹے کو ایک ایسے خزانے کا مالک بنا دیا جس کو کبھی زوال نہیں''۔

امام ربیعہ کا شمار ائمہ تابعین میں ہوتا ہے۔علم و فضل کے اعتبار سے انکا مقام اتنا بلند تھا کہ نہ صرف اس دور کے سرآمد روزگار علماء و فقہاء بلکہ فرمانروایان وقت بھی ان کے سامنے سر عقیدت جھکاتے تھے اور یہ مرتبہ ان کو اپنی دور اندیش اور علم دوست ماں کی بدولت حاصل ہوا جنہوں نے اپنے بچے کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے مال و دولت کی کچھ پرواہ نہ کی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کی پہلی منزل ماں کی گود ہے اور ماں ہی بچوں کی زندگی کی معمار ہے۔اگر مائیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بڑے ہو کر قوم اور وطن کے قابل فخر سپوت نہ بنیں۔[۱۱]

صحابیات نے نہ صرف حضورؐ کی زندگی میں بحیثیت شوہر ان کا خیال رکھا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے اسوہ حسنہ کی پیروی خود کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی انکی تلقین کی۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا اپنی بیماری میں رسول اللہ ﷺ کتنے کپڑوں میں کفن دیئے گئے تھے۔کہا عائشہؓ نے سفید تین کپڑوں میں سحول کے۔تب ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ کپڑا جو میں پہنے ہوں اس میں گیرو یا زعفران لگا ہوا تھا اُس کو دھو کر اور دو کپڑے لے کر مجھے کفن دے دینا حضرت عائشہؓ بولیں یہ کیا بات ہے کیا اور کپڑے نہیں ہیں ابو بکرؓ بولے کہ مردے سے زیادہ زندے کو کپڑے کی حاجت ہے کفن تو پیپ اور خون کے لئے ہے۔[۱۲]

حضرت زینبؓ بنت علیؓ اپنے شوہر کی رضا جوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتیں تھیں اسی وجہ سے انکی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی اور وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں اور عبداللہؓ بھی انکی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تھے۔اگر چہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں اور خادم بھی لیکن وہ گھر کا کام کاج زیادہ تر خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ فرمایا کرتے تھے:"زینب بہترین گھر والی ہے"۔[۱۳]

ان تمام حالات و واقعات سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ صحابیات کا گھر جیتے جاگتے انسانوں کا گھر تھا جس میں احساسات و جذبات کے اتار چڑھاؤ بھی تھے،شوخیاں اور خوش گفتاریاں بھی تھیں اور رشک و حسد کے ملے جلے جذبات بھی،شفقت و محبت بھی تھی اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی تھی۔

فصل دوم

شوہر کی محبت و خدمت میں خواتین کی دینی خدمات:

شوہر کا ایک حق بیوی پر یہ بھی ہے کہ بیوی شوہر سے محبت کرنے والی ہو۔ دراصل محبت باقی تمام حقوق کی ادائیگی کا سبب ہوتی ہے۔ اگر بیوی کے دل میں شوہر کی محبت نہ ہو تو اطاعت و فرمانبرداری ،عزت و احترام اور خدمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ محبت کا جذبہ ہی ہوتا ہے جو کسی کو کسی کے ساتھ حسنِ سلوک پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر طرفین میں محبت نہ ہو تو خانگی زندگی پر سکون نہیں ہو سکتی۔

بیوی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ خاوند کی ہر طرح سے خدمت گزاری کرے۔ اس کے آرام و سکون کا ہر وقت خیال رکھے کیونکہ خاوند گھر سے باہر نان و نفقہ کا بندوبست کرتا ہے اور روزی کمانے کے لیے بڑی محنت و مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس لیے اگر گھر آنے پر بیوی خاوند کی خدمت گزاری کرے گی تو اس کی ساری تھکن دور ہو جائے گی۔ خدمت و محبت لازم و ملزوم چیزیں ہیں اگر خدمت ہو گی تو محبت خود بخود پیدا ہو جائے گی اور یہ خدمت ازدواجی زندگی میں سکون پیدا کرنے کا سبب بن جائے گی۔ وہی بیوی عزت و محبت پاتی ہے جو زیادہ خدمت گزار ہوتی ہے۔ صحابیات کی ازدواجی زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی بے حد خدمت گزار تھیں۔ صحابیات اپنے شوہروں سے بے انتہا محبت رکھتی تھیں اور وہ کوئی ایسی بات نہ کرتیں تھیں جس سے شوہر کی بے عزتی کا پہلو نکلتا ہو۔

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ الاشہلیتہ

تعارف:

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ الاشہلیتہ نے فصاحت اور بلاغت اور فن خطابت میں شہرت حاصل کی۔ شجاعت اور بہادری کا وافر حصہ اس کے نصیب میں آیا جس کی بنا پر تمام مجاہد خواتین میں سرفہرست شمار ہونے لگیں۔ یہ عظیم خاتون عبادت اور احادیث کی روایت کے میدان میں عظیم الشان مقام پر فائز ہوئیں۔

اس انصاری صحابیہ کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے تھا یہ حضرت سعد بن معاذ کا خاندن تھا۔اس کی کنیت اُم سلمہؓ تھی اور بعض کا خیال ہے کے اس کی کنیت اُم عامر تھی۔یہ بیعت کی سعادت حاصل کرنے والی ایک مجاہد خاتون تھیں۔حضرت اسماءؓ خواتین کی جانب سے رسول اللہ کی خدمت میں پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتی تھیں۔یہ عقلمند اور دین دار خواتین میں سے تھیں۔اسے خطیبۃ النساء کہا جاتا تھا وہ ایک روز رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں اپنے پیچھے بہت سی خواتین کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ ہر ایک کی زبان پر یہی بات ہے جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتی ہوں سب خواتین میری رائے سے متفق ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو مردوں اور عورتوں کی طرف یکساں طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع کی ہم عورتیں پردہ دار گھروں میں پابند مردوں کی خدمت گزار اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتی ہیں۔مرد حضرات جمعہ کی جماعت اور جنازوں میں شرکت اور جہاد میں حصہ لے کر فضائل سے اپنی جھولیاں بھر لیتے ہیں جب وہ جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو ہم ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔اور ان کی اولاد کو پالتی ہیں۔یا رسول اللہؐ کیا اجروثواب میں ہم بھی ان کی حصہ دار ہیں۔

یہ سن کر رسول کریمؐ نے صحابہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے خاتون کی بات سنی؟ دینی لحاظ سے اس نے کتنا ہی اچھا سوال کیا سب نے بیک زبان ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی خاتون اس قسم کا عمدہ سوال بھی کر سکتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے کہا: اے اسماء جاؤ خواتین کو یہ پیغام دے دو کہ تم میں سے ہر ایک کا اپنے خاوند کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور اُس کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا اور اُس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا تمہیں ان فضائل کے برابر لا کھڑا کرے گا جن کا تذکرہ مردوں کے لیے بیان کیا گیا ہے۔حضرت اسماء لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتی ہوئی اور حضور ﷺ کے فرمان سے شاداں و فرحان واپس ہوئی۔[۱۱]

حضرت سودہؓ پہلی خاتون تھیں جو اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد زوجہ مطہرہ بنیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کے خاندان کی شرافت اور نیکیوں کو دیکھتے ہوئے حامی بھری تھی۔حضرت سودہؓ نے اپنے حسن عمل اور حسن اخلاق سے آپؐ کی توقعات پر پورا اُترنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔گھر

میں داخل ہوتے ہی حضرت سودہؓ نے گھر کا سارا انتظام اس خوش اسلوبی سے چلایا کہ آنحضرتؐ گھر کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی طرف مکمل دھیان دیا۔ اب آپؐ پوری دلجمعی، یکسوئی اور گھریلو بے فکری کے ساتھ تبلیغ اسلام کرنے لگے مگر دشمنان اسلام نے آپؐ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دینا اپنا مشغلہ اور وطیرہ بنالیا۔[۱۵]

حضرت عائشہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں اور آنحضرتؐ کو دیکھے بغیر ان کو کھانا پینا نہیں سوجھتا تھا۔ آپ کھانا تیار کرتیں اگر آنحضرت ﷺ کو تشریف لانے میں دیر ہو جاتی تو انتظار میں بیٹھی رہتیں، پہروں بھوک برداشت کرتیں جب آنحضرت ﷺ آتے تب کھاتیں۔[۱۶]

حضرت عائشہؓ کو آنحضور ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ آنحضور ﷺ مسواک کرتے تو دھونے کے لیے حضرت عائشہؓ کو دے دیتے حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کو کہیں سے عمدہ خوشبو دستیاب ہوتی تو اُسے خود استعمال کرنے کی بجائے آنحضرت ﷺ کے کپڑوں، سر اور داڑھی مبارک میں لگا دیتی تھیں۔

حضرت عائشہ کی محبت و الفت کا عالم دیدنی تھا۔ آپؓ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھ جاتیں اور ساقی کوثر ﷺ کے سر میں مانگ نکالتیں۔ یہ حضرت عائشہؓ کی والہانہ محبت و عقیدت کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر بات میں آنحضرتؐ کی اطاعت کرتیں اور ہر وقت آپؐ کی خدمت میں مصروف رہنا سعادت دارین سمجھتیں۔ آنحضرتؐ ان کو جو حکم دیتے آپؓ فوراً اس کی تعمیل کے لئے تیار ہو جاتیں۔

حضرت عائشہؓ کو آنحضرتؐ سے جو محبت تھی وہ محض رسمی اور دنیوی نہیں تھی بلکہ دینی اور روحانی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضورؐ کے بلند ترین مقام کو بچپن ہی میں پہچان لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ نے دین و دنیا کے تمام رموز ہادی کون و مکان ﷺ ہی سے سیکھے تھے۔ اس حیثیت سے آپؓ آنحضرت ﷺ کی تلمیذہ تھیں۔ اسی محبت و الفت کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنت میں بھی آنحضرت ﷺ کی بیوی بننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ ایک روز آنحضورؐ سے عرض کی:

''یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ رب رحمٰن و رحیم بہشت میں بھی مجھے آپؐ کی زوجہ بنائے''۔

آنحضورؐ نے جواب دیا:

''اگر تم جنت میں میری زوجیت میں آنے کی طلبگار ہو تو بے حد و حساب توکل اور زُہد اختیار کرو زائد خوراک کو خیرات کر دیا کرو اور کل کے لیے سامان غذا جمع نہ کرو''۔

صرف حضرت عائشہؓ ہی کو آنحضرتؐ سے محبت نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ بھی حضرت عائشہؓ کو بہت چاہتے تھے۔ اور یہ تمام تر محبت ان کے حسن و جمال، نوعمری یا ظاہری وصورتی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے حسن و کردار، نیک ترین فضائل اور افکار نبوتؐ کی امین ہونے کی وجہ سے تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کوئی کام کرنے لگتیں تو آنحضور ﷺ بھی ان کے ہمراہ کام میں مشغول ہو جاتے اور انکی مدد فرماتے۔ حضرت عائشہؓ ایک روز کپڑے سی رہی تھیں کہ سوئی زمین پر گر گئی اور تلاش کرنے پر بھی انھیں نہ مل سکی۔ آنحضرتؐ باہر سے تشریف لائے تو آپؐ نے سوئی ڈھونڈنے میں مدد فرمائی اور بالآخر وہ مل گئی۔ [۱۷]

آنحضرت ﷺ کو جب بھی کبھی کسی قسم کی کوئی معمولی سی پریشانی پیش آتی تھی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ از حد مغموم ہو جایا کرتی تھیں۔ آپؓ ہمہ قسم کی کوشش کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ ہر لحظہ خوش وخرم رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار کی پیشانی مبارک پر کسی پریشانی کے ہلکے سے آثار دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتی تھیں جبکہ رحمتہ للعالمین ﷺ کی ذات مبارک سے بلا وجہ عداوت اور حسد دشمنان سلام کا وطیرہ تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ کے مشہور جادوگر لبید بن اعصم کے پاس آیا اور اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ سرور کائنات ﷺ نے ہماری عزت خاک میں ملادی ہے ہم نے کہیں سازشیں کیں، منصوبے بنائے مگر ناکام رہے۔ ہم تمہیں بھاری نذرانہ دیں گے اگر تم رسول کریم ﷺ پر کسی قسم کا سحر کردو چنانچہ سید بن اعصم نے ایسا کرنے کی حامی بھر لی۔ اس جادو کے اثر سے آنحضرت ﷺ تکلیف محسوس کرنے لگے۔ اس سے مجھے بھی بے حد پریشانی ہوتی تھی''۔

اس جادو سے ختم المرسلین رسول کریم ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس ضمن میں علامہ

سیوطی لکھتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ کی طبیعت گھٹنے لگی جبکہ بظاہر اسکی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی''، ''کہ ایسا کام جو نہ کیا ہوتا ۔اُس کے بارے میں آنحضرت کو خیال ہوتا کہ کرلیا گیا ہے''۔حضرت عائشہؓ نے بھی بالکل یہی بات کہی ہے۔

کُتب احادیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ کو جسمانی طور پر نقاہت اور کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائض نبوت میں کوئی بال برابر بھی فرق آیا ہو ۔کبھی ایسا نہ ہوا کہ نماز کے ارکان کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن کے وقت نسیان ہوا ہو۔یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر حضرت محمد ﷺ کے لیے لمحہ لمحہ دعا کو رہتی تھیں ۔بالآخر اللہ تعالی نے حضورؐ کی یہ آزمائش ختم کر دی ۔ [۱۸]

بیوی کو شوہر اگر ناجائز تنگ کرے تو وہ اس کے خلاف بول سکتی ہے ۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا سزا اور رحم وہ خدا ہے جو ہر آواز کو بخوبی سنتا ہے میں اپنے مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ حضور ﷺ کے پاس ایک عورت اپنے شوہر کا مقدمہ لے کر حاضر ہوئی ۔اور آپ سے اس کی شکایت کی ۔ [۱۹]

حضور ﷺ اور حضرت عائشہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہؓ اور حضور ﷺ ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور اسی طرح سے حضرت اُم سلمہؓ نے بھی حضورؐ کے ساتھ ایک برتن سے غسل کیا یعنی اس کو وہ محبت کی علامت خیال کرتیں تھیں جو ان کی حضور ﷺ کے ساتھ تھی ۔ [۲۰]

حضرت عائشہؓ کو حضور ﷺ سے بے انتہا لگاؤ تھا اور ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ وہ ایک لمحہ بھی ان سے دور نہ جائیں۔حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپکو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا تو آپ بقیع میں تھے۔آپ نے فرمایا:

''کیا تم کو یہ وہم گزرا کہ خدا اور اس کا رسول ﷺ تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں؟''

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے یہ خطرہ گزرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر

تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا:

> شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔[۲۱]

حضرت سودہؓ اپنے شوہر نامدار آقائے دو جہاں کو دل و جان سے چاہتی تھیں۔ وہ آپؐ کی رفاقت اور اُم المومنین ہونے کو باعث فخر سمجھتی تھیں۔ محبت و عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے آپؓ کو یوں ہی دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کہیں سرور کائنات ﷺ سے جدائی کے لمحات نہ آجائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں: کہ حضرت سودہؓ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں نبی کریمؐ اسے طلاق نہ دے دیں چنانچہ ایک روز اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! مجھے اپنے پاس رہنے دیں، مجھے طلاق نہ دینا میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے روز مجھے ازواج مطہراتؓ کے زمرہ میں اُٹھایا جائے''۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ طلاق کو انتہائی ناپسندیدہ فعل تصور کرتے تھے۔ اور آپ کا کسی قسم کا کوئی ارادہ ایسا نہیں تھا کہ حضرت سودہؓ کو طلاق دی جائے مگر یہ حضرت سودہؓ کا محض اندیشہ تھا جو گہری محبت اور بے پناہ عقیدت کا مظہر تھا۔ تاہم یہ اندیشہ تھا جو گہری محبت اور بے پناہ عقیدت کا مظہر تھا تاہم یہ اندیشہ حضورؐ کے خلوص اور یقین دہانی سے دور ہو گیا۔[۲۲]

حضرت سودہؓ اخلاق نبوت کی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ آپؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کی از حد اطاعت اور فرمانبردار تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کوئی بات سُن لیتیں تھیں تو اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہو جاتی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

''کہ سرور کائنات نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا:

''میرے بعد گھر میں بیٹھنا''

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے آنحضور ﷺ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی گھر

سے نہ نکلیں حتیٰ کہ پھر حج کے لیے بھی نہ گئیں ۔آپؓ مستقل مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہیں ۔

حضرت سودہؓ فرمایا کرتی تھیں: میں نے حج بھی کر لیا ہے اور عمرہ کی سعادت بھی حاصل کر لی ہے اب میں اپنے گھر میں ہی رہوں گی ۔[۲۳]

حضرت سودہؓ کا ایک بھائی کنیز زادہ تھا۔آنحضرت ﷺ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت سودہؓ کو اس سے پردہ کرنے کو کہا: کیونکہ اس کا بھائی مشکوک تھا۔ چنانچہ حضرت سودہؓ نے شوہر نامدار ختم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے اس حکم کو دل و جان سے قبول بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت سودہؓ میں اطاعت وفرمانبرداری بدرجہ اتم موجود تھی ۔[۲۴]

حضورؐ جب موت کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو حضرت عائشہؓ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا کے وہ کیا کرے جس سے ان کے درد کی شدت کم ہو بالآخر انہوں نے حضورؐ کا عمل دورانا شروع کر دیا کے آنخضرتؐ جب بیمار ہوتے تو معوذات سورتیں (سورہ اخلاص اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھ کر دم کرتے اور ہاتھ اپنے بدن پر پھیرتے، جب آپؐ موت کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو میں نے یہ سورتیں پڑھکر آپؐ پر دم کرنا شروع کیا اور آپؐ کا ہاتھ لے کر آپؐ کے بدن پر پھیرتی اس اُمید سے کہ شاید آپؐ اچھے ہو جائیں ۔[۲۵]

صحابیات میں سے جب کسی صحابیہ کی باری ہوتی اور حضورؐ ان کے ساتھ ہوتے تو اس بات کو وہ بالکل برداشت نہیں کر پاتی تھیں کے کسی دوسری صحابیہ کی کسی بھی صورت میں مداخلت ہو ایک مرتبہ آنخضرت ﷺ اپنی ایک بی بی (حضرت عائشہؓ) کے پاس تھے اتنے میں ایک دوسری بی بی (حضرت زینبؓ یا حضرت صفیہؓ) نے کھانے کا ایک کٹورہ آنخضرتؐ کو بھی بھیجا۔ ان بی بی نے جن کے گھر میں آنخضرتؐ تھے (یعنی حضرت عائشہؓ نے غصے ہوکر) خدمت گار کے ہاتھ پر جو وہ کٹورہ لایا تھا ایک مار لگائی اس کے ہاتھ سے کٹورہ گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا آنخضرتؐ اس کٹورے کے ٹکڑوں کو جوڑنے اور کھانا جو اس میں تھا وہ اکٹھا کرنے لگے آپؐ (ان لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے) فرمانے لگے تمہاری ماں کو غیرت آگئی ۔ پھر آپ نے اس خدمتگار کو رکھا اور جن بی بی نے کٹورہ توڑا تھا اس کے گھر میں سے ثابت کٹورہ لا کر اس خدمتگار کے حوالے کیا اور ٹوٹا کٹورہ اس بی بی کے گھر میں رہنے دیا جس نے

کٹورا توڑا تھا۔[۴۶]

ہم سے عمر بن حفص بن غیاثؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے کہا ازواج مطہرات دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا سکتیں تھیں اس لئے کہ حضورؐ کا ساتھ میسر رہے اور جب آنحضرتﷺ نے ہم کو اختیار دیا (آپ کے پاس رہیں یا چھوڑ دیں) ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا۔ پھر ایسا کرنے سے کوئی طلاق ہم پر نہ پڑی۔[۴۷]

اسی طرح حضرت خدیجہؓ کی زندگی کی مثال ہمارے سامنے ہے جیسے ہی ان کا نکاح آپﷺ کے ساتھ ہوا، اُنہوں نے اپنا سارا مال نبی کریمﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔ آپؐ جب کبھی کفار کی ایذا رسانیوں پر رنجیدہ خاطر ہوتے اور گھر آتے تو خدیجہ الکبریٰؓ آپﷺ کو تسلیاں دیتیں۔ بلکہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو نبی کریمﷺ کافی خوفزدہ تھے۔ آپؐ کے مونڈھوں کے گوشت (ڈر کے مارے) پھڑک رہے تھے۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے ان سے کہنے لگے: مجھ کو کپڑا اوڑھا دو، کپڑا اوڑھا دو، حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو کپڑا اوڑھا دیا جب آپؐ کا ڈر جاتا رہا تو (حضرت خدیجہؓ سے) فرمانے لگے: خدیجہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ اپنا سارا حال بیان کیا فرمانے لگے مجھے اپنی جان جانے کا ڈر ہے۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے کہا: خُدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، آپؐ خوش رہیے اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ تو ناطے والوں سے سلوک کرتے ہیں، (ہمیشہ) سچی بات کہا کرتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں، مہمان کی خاطر تواضع کرتے ہیں ہر ایک معاملہ میں حق بجانب رہتے ہیں پھر ایسا ہوا کہ حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں۔ ان کے والد حضرت خدیجہؓ کے والد کے بھائی تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضورؐ کو کافی تسلی و تشفی دی اور پوری صورتحال سے آگاہ کیا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کی ان باتوں کو سن کر نبی کریمﷺ کو تسلی مل گئی۔[۴۸]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ میرے پاس سے رات کو نکلے تو مجھے غیرت آئی (وہ یہ سمجھیں کہ آپؐ اور کسی بی بی کے پاس تشریف لے گئے) پھر آپؐ آئے اور میرا حال دیکھا! آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا تجھ کو اے عائشہ! کیا تجھ کو غیرت آئی۔ میں نے کہا مجھے کیا ہوا جو میری سی بی بی (کم عمر

خوبصورت) کو آپ جیسے خاوند پر رشک نہ آئے ۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرا شیطان تیرے پاس آ گیا؟ میں نے عرض کی کہ ہر آدمی کے ساتھ شیطان ہے ۔فرمایا: ہاں ۔ میں نے کہا آپ کے ساتھ بھی ہے یا رسول اللہ ۔آپ نے فرمایا: ہاں ۔لیکن میرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ میں سلامت رہتا ہوں ۔[۲۹]

ایک دن اُم سلمہؓ نے زینبؓ کا ذکر چھیڑ دیا اور اُن کے لیے رحمت کی دعا مانگی اور زینبؓ و عائشہؓ کے درمیان ناخوشگوار باتیں ہو جایا کرتی تھیں ان میں سے کسی بات کا بیان کیا: فرماتی ہیں پھر زینبؓ بولیں : اللہ کی قسم ! میں رسول کریم ﷺ کی دوسری بیویوں کی طرح نہیں ہوں ان کا مہروں سے اور ولیوں کے ذریعے نکاح کرایا گیا اور میرا نکاح اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے کرایا اور میرے نکاح کے بارے میں قرآن پاک میں آیت اُتری جسے مسلمان پڑھتے ہیں اور جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا ۔[۳۰]

حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک یا حنین کی لڑائی سے واپس تشریف لائے تو ایک (مکان میں) ایک طاق پر (جس میں انکی گڑیاں تھیں) پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا جو چلی تو پردہ کا ایک کونا عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیوں سے ہٹ گیا اور آنحضور ﷺ نے (جو دیکھا تو) فرمایا: اے عائشہؓ یہ کیا ہیں؟ وہ بولیں یہ میری گڑیاں ہیں اور آپ نے ان میں ایک گھوڑا دیکھ کر جس کے کپڑے کے دو پر لگے ہوئے تھے پوچھا کہ اور یہ کیا ہے جو ان کے بیچ میں مجھے معلوم ہوتا ہے؟ وہ بولیں کہ یہ گھوڑا ہے آپ نے پوچھا اور اس کے اُوپر کیا ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا یہ دو پر ہیں ۔آپؐ نے فرمایا: کیا پر والے گھوڑے بھی ہوتے ہیں؟ اُنھوں نے کہا: کیا آپ نے سُنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ (یہ سنتے ہی) اس قدر ہنسے کہ میں نے آپکی کچلیاں دیکھیں ۔[۳۱]

عبدالرحمان بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ عمارہ بن غراب کے گھرانے کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کی کوئی پھوپھی کہتی تھی کہ اُس نے اُم المومنین بی بی عائشہؓ سے سوال کیا، کہ اگر کسی عورت کو اُس کا شوہر چاہے اور عورت اپنی ذات سے اُسے روک دے، چاہے غصہ کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ عورت کا دل نہ چاہتا ہو تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ بی بی عائشہؓ نے جواب دیا، ہاں! تمہارے شوہر کا یہ

تم پر حق ہے کہ جب تمہیں چاہے تو تم اپنے سے اُسے روکو نہیں چاہے تم اس وقت سواری ہی پر ہو وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے حضرت بی بی عائشہؓ سے عرض کیا۔ ہم میں سے اگر کسی کو حیض کا زمانہ ہو اور میاں بیوی کے لیے ایک ہی بستر اور ایک ہی لحاف ہو تو کیا کرے، جواب دیا۔ اپنے تہبند کو اچھی طرح باندھ لے اور اسی کے ساتھ سو رہے، شوہر کو تہبند کے اُوپر کی حد تک حق حاصل ہے۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے کیا کیا:۔ ایک بار ہوا یہ کہ باری میری تھی، میں نے رسول کریم ﷺ کے لیے ایک ٹکیہ پکائی، آپ تشریف لائے اور دروازہ بند کیا۔ پھر مسجد میں چلے گئے، جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تھے تو دروازہ بند کر دیتے تھے۔ مشکیزہ لٹکا دیتے، پیالہ کو ایک طرف کر دیتے اور چراغ بجھا دیتے تھے۔ میں آپ کا انتظار کرتی رہی کہ واپس تشریف لائیں تو ٹکیہ آپکو کھلاؤں، آپ واپس تشریف نہ لائے اور مجھے نیند آ گئی، جب آپؐ کو سردی محسوس ہوئی تو آپ میرے پاس آئے، مجھے اُٹھایا اور فرمایا، مجھے ذرا گرماؤ، ذرا گرماؤ، عرض کیا، میں کپڑے سے ہوں۔ فرمایا۔ ذرا اپنی ران کھول دو، میں نے ران کھول دی۔ آپ نے اپنا گال اور سر میری ران پر رکھ دیا۔ اس طرح آپ گرما گئے۔ اتنے میں میرے ایک ہمسایہ کی بکری کا بچہ آ گیا، اور ٹکیہ کی طرف بڑھا، میں نے ٹکیہ اٹھا کر پیچھے رکھ دی، حضرت عائشہؓ نے کہا، میں جو ہلی جلی تو نبی کریم ﷺ کی نیند ٹوٹ گئی، میں نے بکری کو جلدی سے دروازے کی طرف ہنکا دیا۔ نبی کریم نے فرمایا: کہ اپنی ٹکیہ جو اُٹھالی، رکھ لو ہمسایہ کو بکری کے بارے میں دکھ نہ پہنچاؤ۔[۳۲]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ایک دن میرے پاس رسول کریمؐ تشریف لائے، میں نے کہا: آج دن بھر آپ کہاں رہے؟ فرمایا: حمیرا میں اُم سلمہؓ کے پاس تھا، میں بولی: اُم سلمہؓ سے آپ کا پیٹ نہیں بھرتا، آپؐ مسکرانے لگے۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ کسی میدان میں پہنچیں اور اُس کے کسی حصہ کو چرا یا ہوا دیکھیں اور کسی حصہ کو بالکل محفوظ دیکھیں تو آپ کس حصہ میں چرائیں گے؟

فرمایا:

محفوظ حصہ میں، میں بولی: میں دیگر ازواج کی طرح نہیں ہوں بجز میرے آپؐ کی ہر بیوی غیر مرد

کے پاس رہ چکی ہے۔فرماتی ہیں: آپؐ یہ سُن کر مسکرانے لگے اور فرمایا: عائشہؓ کے لئے میرے دل میں ایک گوشہ ہے جس میں کوئی نہیں اُترا پھر اُم سلمہؓ سے نکاح کے بعد آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ گوشہ کیا ہوا؟ آپ خاموش ہو گئے، معلوم ہوا کہ اُم سلمہؓ اس گوشہ میں اُتر گئی تھیں۔[۴۳]

شوہر کا رتبہ بلا شبہ بلند اور قابل عزت ہے لیکن ذرا سوچیے کہ آج کل کے شوہر حضرات اپنے سارے فرائض کا بوجھ تنہا بیوی کی جان پر ڈال کر یہ توقع رکھیں کہ ان کی بیوی ان کی عزت ان بیویوں کی طرح کرے جن کا سارا بوجھ مردوں نے اٹھا رکھا ہو۔ نہ صرف فرائض ادا کرتے ہیں بلکہ بیوی کی عزت و احترام بھی کرتے ہیں۔وہ شوہر جو بیوی کے لیے ایک مضبوط سائبان کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ زمانے کے سرد گرم سے ان کو بچائے رکھتے ہیں اور زمانے کی ہر سردی و گرمی اپنے اوپر جھیل جاتے ہیں۔اپنے گھر اور خاندان میں بیوی کو اس کا مقام اور عزت خود دلواتے ہیں جہاں وہ ایک مضبوط ستون بن کر خاندان کی عمارت اٹھاتی ہے۔

جبکہ آج کے شوہر گھر اور سارے کاموں، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت کا فرض بیوی پر سمجھتے ہیں۔شوہر کے عزیز و اقارب کی خدمت کرنا بیوی کا فرض ہے اگر کسی کی خدمت میں کمی رہ جائے تو بیوی کی تعلیم و شرافت کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ بیوی مجرم و گنہگار ٹھہرائی جاتی ہے۔ بیویوں کی آزادی رائے، یہاں تک کہ ان کے دین و ایمان کی بھی وقعت نہیں۔ ہر بات شوہر کا حکم بن جاتی ہے۔ اصلاح معاشرہ اور انقلاب معاشرہ کی باتیں اگر کریں تو صرف زیب داستان کے لیے نہیں ہوتی بلکہ حضورؐ کی سیرت اپنانے کی کوشش کریں پھر دیکھیے انقلاب معاشرہ کتنی جلدی جھلک دکھاتا ہے۔

فصل سوم

محبت اولاد اور بہن بھائی سے محبت میں خواتین کی دینی خدمات:

صحابیات کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی اور ان پر حد درجہ شفقت فرماتیں تھیں ۔اس کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا بھی خیال رکھتیں تھیں اور یہ اخروی زندگی کے ثمرات سے آگاہ تھیں ۔اس لیے دنیاوی زندگی اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی برتنے کی تلقین کیا کرتیں تھیں ۔

صحابیات کی محبت اپنی اولاد سے اس حد تک نہیں بڑھی تھی کہ حدود اللہ کا خیال نہ رکھتیں بلکہ اولاد کو ایسی تمام غلطیوں پر سرزنش کرتیں جو خدا تعالیٰ کے معاملات کے متعلق ہوتی تھیں ۔قرآن مجید میں اسی لیے مال اور اولاد کو آزمائش قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں سے انسان بے انتہا محبت کرتا ہے اور اولاد کی محبت میں تو ہر جائز و ناجائز کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے ۔لہٰذا صحابیات نے اس بات کی طرف رہنمائی کی ہے کہ اولاد سے یہ محبت حد سے زیادہ نہ بڑھے کہ خدا کی حدود کا بھی خیال نہ رہے بلکہ اس میں اعتدال و توازن برقرار رہے ۔اولاد سے محبت بھی کی جائے اور ان کی غلطیوں پر انہیں ٹوکا بھی جائے ۔

صحابیات اپنے بھائی ،بہنوں اور اولاد سے نہایت محبت رکھتی تھیں اور ان رشتوں سے محبت رکھنا ایک فطری بات ہے لیکن صحابیات اپنے ان رشتوں سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتی تھیں اور اللہ کی راہ میں ان رشتوں کو قربان کر دینا باعث سعادت سمجھتی تھیں ۔

رسول کریم ﷺ نے عبداللہ بن جحش [۳۴] کو حمزہؓ [۳۵] کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا ۔وہ اس بہادر ماں امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور امیمہ حمزہؓ کی بہن تھیں یعنی وہ عورت جس نے اپنے بیٹے اور بھائی دونوں کی شہادت کا صدمہ حوصلے کے ساتھ برداشت کیا جبکہ دونوں کی لاشوں کے تقدس کو پامال کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، صرف ان کا پیٹ پھاڑ کر جگر نہیں نکالا گیا تھا۔امیمہ بنت عبدالمطلب [۳۶] جو اپنے بیٹے اور بھائی کو حد سے زیادہ چاہتی تھیں اس محبت کے باوجود ان کے نزدیک اللہ

کی راہ میں شہادت کا رتبہ پانا زیادہ اہم تھا۔[۳۷]

صفیہ بنت عبدالمطلب[۳۸] حمزہؓ کو جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ان کے حقیقی بھائی تھے، دیکھنے کے لیے آگے بڑھیں۔ رسول کریم ﷺ نے صفیہ کے فرزند زبیرؓ بن عوام سے کہا:

''حضرت صفیہؓ سے جا کر ملو اور انہیں واپس کر دو۔ جو کچھ ان کے بھائی کے ساتھ گزرا ہے اسے وہ نہ دیکھیں''

زبیر بن عوام نے اپنی ماں سے کہا:

اماں جان! رسول اکرم ﷺ حکم دیتے ہیں کہ آپ واپس چلی جائیں۔ صفیہؓ نے دریافت کیا کیوں؟ مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی حمزہؓ کا مثلہ کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے راستے میں ہوا ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اللہ نے ہمیں اس پر رضا کی توفیق بخشی۔ خدا نے چاہا تو میں ضبط سے کام لوں گی اور صبر کروں گی چنانچہ حضورؐ نے اجازت دے دی اور صفیہؓ حمزہؓ کی میت کے پاس آئیں۔ دیکھا، نماز پڑھی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر دعائے مغفرت کی۔[۳۹]

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضرت عائشہؓ کی چار سوتیلی بیٹیاں تھیں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُم کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ، لیکن حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے سوا سب اپنے اپنے سسرال جا چکی تھیں، اس کے علاوہ ان میں حضرت رقیہؓ نے ۲ہجری میں حضرت زینبؓ اور حضرت اُم کلثومؓ نے بہ ترتیب سنہ ۸ھ وسنہ ۹ھ میں وفات پائی اور سات آٹھ برس ان کے سامنے زندہ رہیں، تاہم کوئی باہمی آزردگی کا واقعہ مذکور نہیں۔[۴۰]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ جب شادی کے بعد کاشانہ نبویؐ میں تشریف لائیں تو انہوں نے اپنے نئے گھر کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ گھر میں دو جوان لڑکیاں موجود ہیں جن کی شادی ہونا چاہیے لیکن گھریلو حالات مالی طور پر سازگار نہیں تھے۔ دوسرے قریش کے بیشتر گھرانے مکہ میں رہ گئے تھے جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور مدنی ماحول ابھی نیا تھا۔ ان حالات نے بیٹیوں کی شادی میں رکاوٹ

ڈالی ہوئی تھی۔ ایک دن آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے کہ سیدہ عائشہؓ نے بچیوں کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ بچیاں اس قابل ہیں کہ ان کی شادی کر دی جائے، ایک تجویز ہے۔ کہ کیوں نہ سیدہ فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کر دی جائے۔

آنحضرتؐ نے سماعت فرمایا تو بہت خوش ہوئے۔[۴۱]

آپکی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ جو راہ الٰہی میں شہید ہوئیں، ان کی نسبت حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کا قول نقل کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی، وہ میری محبت میں ستائی گئی۔ حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہؓ کو کنواری تھیں، لیکن ان سے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں۔ غالباً ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم، دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ رہی ہوں گی۔ سنہ۲ ھ کے بیچ میں وہ حضرت علیؓ سے بیاہ دی گئیں، شادی کے لئے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا، ان میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں، اور آنحضرت ﷺ کے حکم سے انہوں نے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا، مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کیے، لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ فاطمہؓ کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نہیں دیکھا۔ شادی کے بعد حضرت فاطمہؓ جس گھر میں گئیں، اس میں اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا، بیچ میں ایک دریچہ تھا، جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہوتی تھی اس لیے کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا حجرہ اپنے حجرے کے قریب بنوالیا تھا۔[۴۲]

حضرت شیمارضی اللہ عنہا (نبی اکرمؐ کی رضاعی بہن):

حضرت شیماؓ رسول کریم ﷺ کی رضائی بہن تھیں۔ پورا نام جدامہ بنت حارث اور عرفیت شیما تھی۔ آپؓ کا قبیلہ بنو سعد تھا۔ آپؓ کے والد کا نام حارث بن عبدالعزیز بن رفاعہ تھا اور والدہ کا نام حضرت حلیمہ سعدیہؓ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ عظیم رتبہ رکھتی تھیں کیونکہ حلیمہ سعدیہ ہی نبی کریم ﷺ کی دایہ تھیں۔

جب حضور ﷺ حضرت حلیمہ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیما حضور ﷺ کو گود میں لے کر

کھلایا کرتی تھیں اور آپ کو لوری دیا کرتی تھیں اور کہتیں :

''یا اللہ! محمد ﷺ کو زندہ رکھنا یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں پھر ہم ان کو ایک صاحب عزت سردار دیکھیں ۔ اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں ۔ اے اللہ، محمد ﷺ کو دائمی عزت عطا کر''۔

حضرت شیماؓ غزوہ حنین تک گمنامی کی حالت میں اپنے قبیلے میں زندگی بسر کرتی رہیں ۔ اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو وہ رفعت وعظمت عطا کی کہ جن و ملائیک اور کائنات کا ذرہ ذرہ آپؐ کی ذات گرامی پر نازاں تھا ۔ ۸ ہجری رمضان المبارک کے مہینے میں حضورؐ نے مکہ فتح کیا اور شوال ۸ ہجری میں غزوہ حنین پیش آیا ۔ جنگ حنین میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے تھے ۔ لیکن طائف کے محاصرہ کی حالت میں بارہ مسلمان شہید ہوئے ۔ اس محاصرہ میں بھی بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا ۔ کہ طائف کے نواحی قبائل مسلمان ہو گئے ۔ طائف کی فتح کو آپؐ نے اُسی وقت ضروری نہ سمجھ کر وہاں سے مراجعت کی اور مقام جعرانہ میں تشریف لا کر اسیران جنگ اور مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی ۔

اسی جگہ قبائل ہوازن کی جانب سے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور آپؐ کو حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دلا کر معافی کی درخواست کی آپؐ نے فرمایا کہ تم نماز ظہر کے وقت جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہوں گے میرے سامنے اپنی درخواست پیش کرنا چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ وفد ہوازن جو عبدالمطلب کے حصے میں ہیں ۔ وہ سب آزاد سمجھو اور اپنے ساتھ لے جاؤ ۔

یہ سن کر تمام مہاجر و انصار بولے ما کان فھو لرسول اللہ (جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہے) یہ کہہ کر سب نے تمام ہوازن کے قیدیوں کو آزاد کر دیا ۔ اسی طرح تقریباً 6 ہزار قیدی ذرا سی دیر میں آزاد کر دیئے گئے ۔ انہیں قیدیوں میں شیماء بنت حلیمہ سعدیہ ہمشیرہ رضائی آنحضرت ﷺ بھی تھیں ۔ جب حضورؐ کے سامنے لائی گئیں تو حضرت شیماؓ نے کہا:

میں آپؐ کی رضائی بہن ہوں!

آپؐ نے فرمایا: کہ اسکا ثبوت کیا ہے؟

انہوں نے کہا:

میری کمر میں تمہارے دانت کے نشان ہیں۔تم نے بچپن میں کاٹ لیا تھا آپؐ نے فرمایا: درست ہے یہ کہہ کرفوراً اپنی چادر بچھا دی اور اُس پر اُن کو بٹھایا۔[۴۴]

پھر فرمایا:

اگر تم پسند کرو تو میرے پاس رہو تمہیں باعزت رکھا جائے گا۔اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں کوئی منفعت بخش چیز دے دوں پھر تم اپنی قوم میں واپس چلی جاؤ تو میں یہ بھی کر دوں گا''۔[۴۵]

انہوں نے دوسری بات کو پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔آپ ﷺ نے اُن کو بہت سا مال و متاع، ایک لونڈی، تین غلام اور ایک بکری دے کر رخصت کیا۔شیماؓ نے اس لونڈی اور غلام کا باہم نکاح کر دیا۔ جس سے نسل چلی اور سُنا گیا ہے کہ آج تک وہ نسل باقی ہے۔[۴۶]

جب کفار مکہ کی ایذاء رسانیوں کی حد نہ رہی اور انکی عداوت اس انتہا کو پہنچی کہ انہوں نے رسول کریمؐ کو شہید کرنے کے ناپاک منصوبے بنائے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمدؐ کو مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا حکم دیا۔آپؐ نے اپنے دیرینہ رفیق نبوت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ ہجرت فرمائی تو اپنا گھر اور اپنی صاحبزادیاں اُم المومنین حضرت سودہؓ کے حوالے کیں ۔حضرت سودہؓ نے اپنے آپ کو اس متبرک گھر کی خدمت کے لیے مکمل طور پر دل و جان سے وقف کر دیا تھا۔آپؓ نہایت خوش اسلوبی اور حسن انصرام سے اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مکہ معظّمہ میں تقریباً سات ماہ تک صاحبزادیوں کی سرپرستی اور دیکھ بھال کرتی رہیں اور کسی بھی لمحے انھیں کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔آپ شفقت و محبت کا ایسا شیریں چشمہ تھیں جس نے ہر قسم کے حالات میں صاحبزادیوں کے دلوں میں کسی قسم کا ملال نہ آنے دیا۔[۴۷]

رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف رہے۔اس دوران آپؐ نے مسجد نبوی کے قریب ہی حضرت سودہؓ کے لیے ایک حجرہ بنوایا۔اس حجرے کی دیوار کچی تھی ۔ جب کہ چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔اس حجرے کی لمبائی پندرہ فٹ اور چوڑائی دس فٹ تھی ۔ دروازے کی جگہ کپڑے کا پردہ لٹکا دیا گیا تھا جب حجرہ کی تعمیر مکمل ہو چکی تو ختم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے حضرت زید بن

حارثہؓ اور حضرت ابو رافعؓ کو پانچ سو درہم اور دو اُونٹ دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ آپؐ کے اہل خانہ کو مدینہ منورہ لے آئیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ دونوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک مکہ معظّمہ پہنچے انہوں نے سرور کائناتؐ کے اہل خانہ کو منتظر پایا۔ وہ تو کئی مہینوں سے مدینہ منورہ جانے کی راہ دیکھ رہے تھے اس لیے نبی کریمﷺ کے فرستادہ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابو رافعؓ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بعد میں مدینہ منورہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت رُقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ پہلے ہی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر چکی تھیں۔ اب گھر میں اُم المومنین حضرت سودہؓ، حضرت اُم کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں حضرت سودہؓ صاحبزادیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

حضرت سودہؓ اور آنحضورؐ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت اُم کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ حجرے میں چلی گئیں۔ اس وقت آنحضرت تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے مگر اس تنگدستی میں بھی اُم المومنین حضرت سودہؓ اور آپؐ کی صاحبزادیوں نے جس کمال صبر وشکر کا اظہار کیا اور جس سلیقہ مندی اور کفایت شعاری سے گھر کا خرچہ چلایا وہ مثالی تھا۔ اس سے ماحول بھی خوشگوار رہا اور کسی کو گلہ یا شکایت بھی پیدا نہ ہوئی۔[۴۸]

صحابیات اپنے بچوں پہ بے حد شفیق تھیں یہاں تک کہ بعض صحابیات نے اپنے بچوں کی خاطر دوسرا نکاح کرنے سے بھی معذرت کر لی تھی کہ اگر وہ نکاح کریں گی تو یا وہ شوہر سے غافل ہو جائیں گی یا اولاد سے۔ ان صحابیات میں ایک اُم ہانی ہیں انہوں نے نکاح سے معذرت کر لی تھی لیکن اُم سلمہؓ نے رسولﷺ سے نکاح کرلیا تھا۔ فرماتی ہیں جب وہ مدینہ پہنچی تو میں نے مدینہ والوں کو بتایا کہ میں ابو اُمیہ بن مغرہ کی بیٹی ہوں لیکن لوگوں نے میری یہ بات نہیں مانی اور کہنے لگے: یہ کس قدر جھوٹی اور غریب بات ہے! آخر کار کچھ لوگوں نے حج کا ارادہ کیا ور مجھ سے کہا اگر تم اپنے گھر والوں کو کچھ لکھنا چاہتی ہو تو لکھ دو، میں نے اُنھیں ایک پرچہ دے دیا۔

جب یہ حاجی حج کر کے مدینہ واپس آئے تو انہوں نے میری بات کی تصدیق کر دی اور مدینہ والوں

کی نگاہ میں میری عزت بڑھ گئی ۔ پھر جب میرے ہاں زینب پیدا ہوئیں تو میرے پاس رسول ﷺ تشریف لائے اور مجھ پر اپنا پیام ڈالا، میں بولی مجھ جیسی عورت نکاح نہیں کر سکتی ، کیونکہ مجھ سے اولاد کی توقع نہیں ہے پھر میں بے حد غیرت والی اور بچوں والی ہوں ۔فرمایا: میں تم سے بڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہاری غیرت زائل فرما دے گا اور بچے اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف ہیں، آخر کار آپ نے اُم سلمہؓ سے نکاح کرلیا، آپ ان کے پاس آنے لگے، اور پوچھنے لگے: زینب کہاں ہے ؟ حتٰی کہ عمار آئے اور زینب کو لے کر بولے: یہ رسول اللہ ﷺ کی خلوت کے مانع ہے اُم سلمہؓ زینب کو دودھ پلایا کرتی تھیں ۔اس کے بعد نبی کریمؐ نے آکر پوچھا: زینب کہاں ہے؟ قریبۃ بنت اُمیہ نے جو اُم سلمہ کے پاس تھیں کہا: اُسے عمار بن یاسر لے گئے، پھر نبیؐ نے فرمایا: میں آج رات آؤں گا (فرماتی ہیں) میں نے چکی کا نیچے کا پاٹ رکھ کر وہ جو نکالے جو میرے گھڑے میں تھے اور آٹا پیسا اور چربی لے کر آپؐ کے لئے دلیہ تیار کیا پھر آپؐ نے میرے پاس رات گزاری اور صبح کو فرمایا: تم اپنے شوہر کی نگاہ میں معزز ہو اگر چاہو تو میں تمہارے پاس ایک ہفتہ گزار دوں مگر پھر ہر ایک عورت کے ساتھ ایک ایک ہفتہ رہنا ہوگا ۔[۴۹]

رسول کریم ﷺ نے اُم ہانی پر پیام ڈالا ، بولیں : یا رسول اللہ ! آپ مجھے میری آنکھوں اور کانوں سے زیادہ پیارے ہیں، شوہر کا حق عظیم ہوتا ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نکاح کرلوں تو شوہر کی خدمت میں مصروف ہو کر اپنے بعض کاموں سے اور اپنی اولاد سے غافل نہ ہو جاؤں اور اگر بچوں کی خدمت میں مشغول ہو جاؤں تو کہیں شوہر کا حق ضائع نہ کر بیٹھوں، فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہتریں عورتیں قریشی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر انتہائی شفیق ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہترین محافظ ہیں ۔[۵۰]

ماں کی حیثیت سے جناب سیدہ طاہرہ کس ارفع مقام کی مالک ہیں ۔اس کی وجہ شائد آپ کے فرزندوں کے مثالی کردار ہیں ۔ اولاد کی تشکیل سیرت امومیت کی معراج ہے۔فرزند ماں ہی سے صدق و صفا، عزم و ثبات ، استقلال و استبصار حاصل کرتے ہیں ۔

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کا زندہ جاوید کارنامہ ہے کہ آپ نے اپنے بچوں کو عالم طفولیت میں

اس منزل عرفان سے متعارف کروایا، جہاں عام انسان عمر بھر کی ریاضت کے بعد بمشکل پہنچ سکے۔آپ نے بچوں کو بہلایا تو احکام الٰہی بتلا کر، انھیں سلایا تو احکام قرآن سنا کر۔

ایک بار دونوں بچوں میں کچھ شکر رنجی ہوئی ۔ دونوں روتے ہوئے ماں کی خدمت میں آئے۔ خاتون جنت نے دونوں بچوں کو پاس بٹھا لیا اور فرمایا تمہارا اللہ تم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم آپس میں لڑ جھگڑ کر فتنے برپا نہ کرو اور تم خدائے قدوس کے حکم کے خلاف کیوں لڑتے ہو، میں یہ نہیں پوچھتی کہ تم میں سے زیادتی کس نے کی؟ مجھے تو افسوس ہوا کہ تم نے اللہ کے حکم کا احترام نہیں کیا بتاؤ خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے؟[۵۱]

بچے یہ سن کر زار زار رو دیئے، خوف خدا سے کانپنے لگے۔ بار بار والدہ محترمہ سے کہیں: اچھی اماں! ہمارے گناہ اب تو خدا سے معاف کرا دیجیے۔آئندہ ہم سے ایسی خطا نہ ہوگی آپ نے فرمایا: اچھا وضو کرو اور میرے پاس آؤ دونوں بچے دوڑے دوڑے گئے اور وضو کر آئے۔تو آپ نے ان کو سجدے میں گرایا اور کہا: لو اپنے قصور کی خدا سے معافی مانگو بچے رو رو کر اپنے قصور کی مالک حقیقی سے معافی طلب کر رہے تھے اور ان کے ساتھ سیدہ طاہرہ بھی گریہ وزاری میں مصروف تھیں۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام حسنؑ[۵۲] نے تخت و تاج دے کر اور امام حسینؑ نے جان اور اولاد کی قربانی سے دین اسلام کی حفاظت کی ۔حضرت زینبؑ ایک روز کلام اللہ پڑھ رہی تھیں ۔سر سے ردا اُتر گئی۔ انھیں خبر نہ ہوئی، ننگے سر تلاوت کرتی رہیں۔اتفاق سے ماں کی نظر پڑی، قریب آئیں، چادر اُڑھائی۔ اور فرمایا: ''بیٹی اللہ کا مقدس کلام اور ننگے سر''

حضرت زینبؑ[۵۳] کے دل میں اپنی ماں حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے لیے یہ تأثر تھا کہ میری ماں فاطمہؑ ہیں جن میں تقویٰ، جود وسخا ہے۔

جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اپنی قرآن سرائی، تسبیح گردانی، اخلاص و ایثار اور حق پرستی سے ایسی فضا پیدا کی کہ حسنینؑ اسلام کے سچے جانثار بنیں۔آپ نے حسن کو صلح و آشتی کا پیغام، حسین کو درس حریت سکھایا، اور جناب زینبؑ کو جرأت حیدری اور نوائے آتشیں بتلائی۔مکتب اسلام کی اس شاگرد کے لیے یوں لکھا ہے:

رسالت فاطمہؓ پر نازاں ، نبوت فاطمہ پر قربان، امامت فاطمہؓ کے شایان ، شرافت فاطمہؓ کی بہار، سیادت فاطمہ کے نثار، طہارت فاطمہ کا شعار، عفت فاطمہؓ کی لونڈی، صداقت فاطمہؓ کی کنیز جنت فاطمہؓ کی گرویدہ اور امت زر خریدہ ہے۔ جناب فاطمہؓ جیسی مقدس ماؤں کے لیے کہا گیا ہے کہ:

ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔[۵۴]

انسانی تمدن میں عورت کے کردار کے تین پہلو بہت نمایاں ہیں :

۱۔ بیٹی ۲۔ بیوی ۳۔ ماں

حضرت فاطمۃ الزہراؓ عظیم ترین بیٹی، عظیم ترین رفیقہ حیات اور گرامی ترین ماں ہیں۔

علامہ اقبال نے حکمت بالغاں کے طور پر دختران اسلام کو بتلایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اسلام کے لیے اُسوہ کاملہ ہیں۔ ذاتی طور پر اس ہیچ مندان کی رائے ہے کہ وہ تمام خراج عقیدت جو اُمت کی طرف سے خاتون جنت کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ ان سب میں سے جامع ، دل پزیر او رمبنی بر حقیقت نذرانہ حکیم ملت کی چشم بصیرت نے پیش کیا ہے۔ افادیت کی بناء پر نقل کرتے ہیں۔

ترجمہ:

۱۔ حضرت مریم علیہ اسلام کا شرف صرف حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی نسبت سے ہے۔ لیکن حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہمیں تین نسبتوں سے عزیز ہیں۔

۲۔ آپ رحمۃ للعالمین ﷺ کی نورالعین ہیں۔ اور رحمت دو عالم ﷺ کائنات کے تاجدار، اولین و آخرین کے امام ہیں۔

۳۔ جناب حضرت فاطمۃ الزہراؓ شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؓ کی زوجہ محترمہ ہیں۔

۴۔ حضرت بتولؓ کی تسلیم و رضا کا ماحصل ہیں کہ ان کی سیرت ماؤں کے لیے اُسوۂ کامل ہے۔

۵۔ نوری اور آتشی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں ان کی رضا شوہر کی خوشنودی ہے۔

۶۔ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے گہوارۂ صبر و رضا میں پرورش پائی ہے۔ آپ کے ہاتھ چکی کو گردش دینے میں مصروف تھے اور زبان مبارک کلام پاک تلاوت کرتی تھی۔

۷۔ آپ سحر خیزی اور گریہء شب کی وجہ سے سرہانہ اور راحت کے تکلفات سے بے نیاز تھیں۔نماز کے وقت آپکے اشک گویا گہر بار ہوتے تھے۔

۸۔ حضرت جبرائیل ان آنسوؤں کو زمین سے چن کرعرش بریں پر شبنم کی مانند گراتے تھے۔

۹۔ اسلام کا آئین توحیداوراحکام رسول اللہ ﷺ میرے پاؤں کی زنجیر ہیں۔

۱۰۔ ورنہ میں حضرت فاطمۃ الزہرؓ کے مزار کا طواف کرتا اور اس سرزمین پر سجدے لٹاتا۔

''نور چشم رحمتہ للعالمین'' کی حیثیت سے آپ ہمیشہ حضور ﷺ کی اطاعت گزار اور ان کی تعلیمات کا نمونہء عمل تھیں بلکہ ارشادات محمدیؐ کا مثالی پیکر اور قرآنی اصولوں کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا مرقع تھیں، اُسوۂ حسنہ کا ایسا قالب جو آغوش رسالتؐ میں تیار کیا گیا تھا۔ خاتم المرسلین ﷺ کی تمام تر اخلاقی عظمتیں جناب سیدہ فاطمۃ الزہرؓ اپنی ذات میں سموئے ہوئے تھیں۔

اسی لیے عربی شاعر نے کہا کہ:

''اگر تمام عورتیں ایسی ہی ہوتیں جیسی سیدہ طاہرہؓ ہیں تو پھر عورت کو مرد پر فوقیت حاصل ہوتی''۔

عورت میں جتنی قدوسیت ہوسکتی ہے۔ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرؓ اسکی نادرو یگانہ تخلیق تھیں۔جنہوں نے اپنے طرز عمل سے بتلایا کہ عورت انتہائی سعادت خاندان تشکیل کرتی ہے۔عفت وعصمت کا گہوارہ ہے جس کے دامن میں معاشرہ کے پاک طینت افراد پروان چڑھتے ہیں۔[۵۵]

اُم قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مرگیا تو وہ اس قدر بدحواس ہوگئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا! میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائے گا ۔آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اوران کوطویل عمر کی دعا دی، چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔[۵۶]

اولاد اور بہن بھائی، دونوں ایسے رشتے ہیں کہ انسان ان دونوں رشتوں کے ساتھ محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ دونوں رشتے ماں باپ کے بعد سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔

حضرت خنساءؓ بنت عمروؓ ایک جلیل القدر صحابیہ ہیں جو مسلمانوں کے دلوں اور یادوں میں اپنے حیرت انگیز صبر کی وجہ سے موجود ہیں۔ان کے دو الگ الگ کردار ہیں۔ایک خنساء مومنہ اور دوسرا خنساء غیر مومنہ کا۔خنساء بنت عمرو بن ثرید جن کا اصل نام'' تماضر'' ہے۔آپ مشہور ومعروف شاعرہ بھی تھیں

۔آپ اپنی قوم کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ کو ان کی شاعری پسند تھی اس لیے فرمائش کرکے اشعار سنتے اور مدح فرماتے۔

پہلے حضرت خنساءؓ ایک یا دو شعر کہہ لیا کرتی تھیں مگر جب ان کا بھائی قتل ہوا تو انہوں نے اس کی یاد میں بہت سے اشعار اور مرثیے کہے۔ آپ بھائی کی سخاوت اور بردباری کی وجہ سے اس سے شدید محبت کرتی تھیں۔ لوگوں نے یہ اشعار جگہ جگہ پہنچا دیے حتیٰ کہ قریب و بعید سب ان کے غم میں شامل ہو گئے لہٰذا ان کے روز و شب اسی رونے دھونے میں گزرے۔[۵۷]

حضرت ابوعبداللہ زبیرؓ بن العوام تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں۔ ان کو بارگاہ نبوت سے ''حواریٔ رسول'' کا لقب ملا۔ حضورؐ نے اپنی زبان مبارک سے انہیں جنت کی بشارت دی۔ اس طرح وہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں شمار ہوئے۔ ان کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ انہیں ارکان دین میں سے ایک رکن قرار دیا کرتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کو ذات رسالت مآبؐ سے کئی نسبتیں حاصل تھیں۔

۱۔ آپؓ حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ اس طرح حضورؐ ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماؓ بنت ابوبکر صدیقؓ حضرت زبیرؓ سے بیاہی گئی تھیں اس لیے وہ سرور کائنات کے ہم زلف بھی تھے۔

۳۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ حضرت زبیرؓ کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے سرور عالم ﷺ حضرت زبیرؓ کے پھوپھا بھی تھے۔

۴۔ حضرت زبیرؓ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر رسول کریم ﷺ کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے اس طرح وہ حضور ﷺ کے ہم جد تھے۔

حضرت زبیرؓ ہجرت نبویؐ سے تقریباً اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ چچا نوفل بن خویلد نے اپنی سرپرستی میں ان کی پرورش کی۔ حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ بڑی شجاع اور شیردل خاتون تھیں چنانچہ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً

فوقتاً زجر وتوبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتا دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور حضرت صفیہؓ کو سختی سے روکا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ انہوں نے بنو ہاشم سے بھی کہا کہ وہ صفیہ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اس بات کا چرچا عام ہوا تو حضرت صفیہؓ نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا۔

ترجمہ: ''جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں اس کو اس لیے پیٹتی ہوں کہ عقل مند ہو، اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے''۔

حضرت صفیہؓ کی اس ڈانٹ ڈپٹ، مار اور تربیت کا نتیجہ اس وقت سامنے آیا کہ جب حضرت زبیرؓ کو لڑکپن میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انہوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس شخص کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہؓ سے شکایت کی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل؟ غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیرؓ بڑے ہو کر ایک دلاور صف شکن اور ضغیم شجاعت بنے۔[۵۸]

حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا:

حضرت اُم رومانؓ حضرت محمد ﷺ کی خوش دامن، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکرؓ کی زوجہ محترمہ، سیدنا عائشہؓ کی والدہ ماجدہ اور رنڈ رصحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کی والدہ ماجدہ تھیں۔ آپ کا اصل نام ''زینب'' تھا لیکن کنیت نام پر غالب آ گئی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اولاد چاہے کیسی ہی ہو ماں کی محبت اولاد کے لیے کبھی کم نہیں ہوتی اور جب اولاد حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عائشہؓ جیسی ہو تو اس محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آج کے دور میں بھی جن لوگوں کی اولاد نیک اور صحابیات جیسی ہو تو وہ لوگ واقعی خوش نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت اُم رومانؓ کو حضرت عائشہؓ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔

جب ہجرت کا حکم ملا تو حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے اور مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابو رافعؓ کو بھیجا تا کہ وہ اہل خانہ کو بھی مدینہ لے آئیں۔ حضرت اُم رومانؓ اور ان کی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار ہوئیں۔ راستے میں اونٹ بھڑ گیا۔ اس نے

بے قابو ہو کر اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ اس نازک اور خطرناک صورت حال کو دیکھ کو حضرت اُم رومانؓ بہت زیادہ گھبرا گئیں۔انہیں اپنی جان کی اتنی پرواہ نہ تھی بلکہ اپنی پیاری بیٹی سیدہ عائشہؓ کی بلائیں لیتی ہوئی کہہ رہی تھیں کہ ''ہائے میری پیاری بیٹی ، ہائے میری پیاری دلہن''۔اتنے میں کسی نے آواز دی کہ اونٹ کی مہار چھوڑ دو۔ جب اونٹ کی مہار چھوڑ دی گئی تو وہ سکون سے کھڑا ہو گیا۔اس طرح ماں بیٹی پیش آنے والے خطرے سے بچ گئیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر اس گھر میں قیام کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اہل خانہ کی رہائش کے لیے تیار کیا تھا۔سیدہ عائشہؓ کی رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ماہ شوال میں ہوئی تھی۔اس طرح یہ گھر وحی الٰہی کے نزول کا مرکز بن گیا۔حضرت اُم رومانؓ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے اُم المومنین کا اعزاز حاصل کرنے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ بیٹی کی خوش نصیبی ہمیشہ والدین کے لیے دلی مسرت و شادمانی کا باعث بنتی ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا سرفرازی ہو سکتی ہے کہ سیدہ عائشہؓ کاشانۂ نبوت کی شمع فروزاں بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ [۵۹]

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا:

حضرت اُم ایمنؓ کا نام برکہ حبشیہ تھا لیکن انہیں اپنی کنیت اُم ایمن کے نام سے شہرت ملی۔ان کا سلسلۂ نسب برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان ہے۔آپؓ حبشہ کی رہنے والی تھیں۔آپؓ کی شادی حارث بن خزرج کے خاندان کے ایک فرد عبید بن زید سے ہوئی اور ان کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔ آپؓ رسول خدا کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی لونڈی تھیں۔صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی والدہ اور محبوب خدا حضرت محمدؐ کے محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ کی بیوی تھیں۔

حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی سعادت ان کے نصیب میں آئی۔حضورؐ نے دنیا میں ہوش کی آنکھیں اس حال میں کھولیں کہ ان کے سوا کسی کو 'ماں' نہیں جانتے تھے۔آپؐ ان کے ساتھ بے پناہ محبت کرتے تھے۔آپؐ ان کے متعلق اکثر فرمایا کرتے'' یہ میری ماں ہیں ، میری ماں کے بعد اور میرے گھر والوں میں سے باقی ماندہ ہیں''۔

ہجرت سے چند سال پہلے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص جنتی عورت سے نکاح

کرنا چاہتا ہے تو اسے اُم ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے''۔صحابی رسول حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور ﷺ کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے چنانچہ آپؐ کی خوشی کی خاطر انہوں نے فوراً اُم ایمنؓ سے نکاح کرلیا حالانکہ وہ عمر میں ان سے کہیں بڑی تھیں۔اُم ایمنؓ کو حضورؐ کی صحابیہ ہونے کا شرف عظیم حاصل ہے اور یہ بڑی خوش قسمت خاتون ہیں کہ ان کے لیے حضورؐ نے جنتی عورت کے الفاظ ادا کیے۔جب آپؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو جنم دیا تو حضورؐ بہت زیادہ خوش ہوئے تھے۔

ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ کے لیے باعث فرحت و سرور ہوتی وہ مسلمانوں کے لیے بھی وجہ مسرت و شادمانی ہوتی تھی۔اس لیے مسلمانوں نے حضرت زید بن حارثہؓ کا لقب ''حب رسولؐ اللہ'' اور اسامہ بن زیدؓ کا لقب ''ابن الحب رسول اللہ'' رکھ دیا تھا۔مسلمانوں نے یہ لقب رکھتے وقت دراصل کسی قسم کی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا تھا۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے واقعی بہت زیادہ محبت کرتے تھے کہ ساری دنیا اس پر رشک کرتی تھی۔حضور ﷺ ایک زانوئے مبارک پر حضرت حسنؓ اور دوسرے پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بٹھاتے پھر ان دونوں کو سینے سے چمٹاتے ہوئے کہتے کہ ''خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر''۔

آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو اُم ایمنؓ مغموم تھیں اور رو رہی تھیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔جواب ملا، یہ خوب معلوم ہے اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں، رونے کا اصل سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے۔

جب حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی تو اُم ایمن اس وقت بھی بہت روئیں۔لوگوں نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟''وہ بولیں،اس لیے رو رہی ہوں کہ اب اسلام کمزور پڑ گیا ہے''۔[۲۰] حضرت اُم ایمنؓ کو حضور اکرم ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے ایک خاص قسم کا ناز تھا۔

اُم حکیمؓ بنت قارظ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبید اللہؓ بن عباسؓ کی اہلیہ تھیں۔ابن اثیرؒ

ؒ نے ان کا نام عائشہ بنت عبدالمدن لکھا ہے۔حسن صورت وحسن سیرت کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتی تھیں اور شعر گوئی میں بہت اعلیٰ ذوق پایا تھا۔حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حضرت عبیداللہؓ یمن کے والی تھے۔ام حکیمؓ بھی ان کے ساتھ یمن میں مقیم تھیں۔ جنگ صفین کے بعد امیر معاویہؓ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو یمن کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو حضرت عبیداللہؓ، عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔بُسر نے یمن پہنچ کر پہلے عبداللہ بن عبدالمدان کا کام تمام کیا پھر حضرت علیؓ کے حامیوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ام حکیم اور ان کے دو صغیر السن بچے عبدالرحمٰن اور قثم بھی یمن میں تھے۔ بسر کے لشکریوں نے ان بچوں کو ان کی ماں کے سامنے قتل کر ڈالا۔اس سانحہ سے ماں پر قیامت بیت گئی۔انہوں نے غم والم کی حالت میں بہت سے دردناک اور دلگداز اشعار کہے جو ان کو سنتا بے اختیار رو دیتا تھا۔یہ اشعار عربی ادب میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ان اشعار میں سے ایک شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”ہے کوئی جس نے میرے ان دونوں (پیارے) بچوں کو دیکھا ہے جو مثل ان دو موتیوں کے تھے جو ابھی سیپی سے نکلے ہوں“۔

کہا جاتا ہے کہ فرط الم کی وجہ سے ان کا دماغی توازن قائم نہیں رہا تھا۔حج کے موقع پر بچوں کے غم میں کہے ہوئے اشعار لوگوں کے سامنے پڑھا کرتی تھیں۔خود بھی روتی تھیں اور سامعین کو بھی رلا دیا کرتی تھیں۔ام حکیمؓ کا سال وفات کسی کتاب میں درج نہیں۔[۲۱]

بی بی صفیہؓ ام محمدؒ:

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی تھیں جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کر دیا تھا۔امہات المومنینؓ سے بڑی عقیدت رکھتی اور نہایت خلوص اور محبت سے ان کی خدمت کرتی تھیں۔ اسی لیے امہات المومنینؓ بھی ان کو بہت عزیز جانتی تھیں۔ان کا نکاح حضرت انسؓ بن مالک کے آزاد کردہ غلام سیرینؒ سے ہوا۔نکاح کی تقریب اس شان کی تھی کہ تین امہات المومنینؓ نے بی بی صفیہؓ کو سنوارا (دلہن بنایا) اور ۱۸ بدری صحابہ اس میں شریک ہوئے۔ان میں حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری بھی شامل تھے۔ بی بی صفیہؓ کی آراستگی کے بعد امہات المومنینؓ نے ان کے لیے دعا مانگی۔مردانہ مجلس میں حضرت ابی بن کعبؓ دعا مانگتے جاتے اور دوسرے صحابہ آمین کہتے جاتے۔ بی بی صفیہؓ کے بطن سے ۳۳ھ میں جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرینؒ پیدا ہوئے اور ان ہی کی آغوش تربیت میں پرورش پا کر اقلیم

علم وفضل کے تاجدار ہوئے۔

وہ ساری عمر اپنی والدہ کے بڑے مطیع اور خدمت گذار رہے۔ بی بی صفیہؒ کو رنگین اور نفیس کپڑوں کا بہت شوق تھا۔ سعادت مند فرزند اس شوق کا خاص خیال رکھتے تھے اور جب کبھی والدہ کے لیے کپڑے خریدتے تھے تو کپڑے کی پائیداری کے بجائے اس کی نفاست، نرمی اور خوبصورتی کو دیکھتے تھے۔ عید کے دن خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے کپڑے رنگتے تھے۔ والدہ کے سامنے کبھی بلند آواز سے نہ بولتے تھے اور ان سے اتنی آہستہ آواز میں گفتگو کرتے جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہوں۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرینؒ جس وقت ماں سے گفتگو کررہے ہوتے تو ان کی آواز پست ہوتی کہ ناواقف آدمی انہیں بیمار سمجھتا تھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی صفیہؒ نے طویل عمر پائی اور سعادت مند فرزند کا فضل و کمال اور عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا۔[۶۲]

بی بی حفصہ بنت سیرینؒ:

امام محمد بن سیرینؒ کی بہن تھیں، جن کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں ابن داؤد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حفصہؒ نے بارہ برس کی عمر میں قرآن پڑھ لیا تھا اور حدیث کی تحصیل بھی کر لی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے چودہ سال کی عمر میں قرآن حکیم کو مطالب ومعنی کے ساتھ حفظ کرلیا تھا۔ ورفن تجوید وفن قرأت میں بھی کمال حاصل کرلیا تھا۔ بی بی حفصہؒ نے متعدد صحابہ اور تابعین سے روایت کی ہے، ان میں انس بن مالکؓ، حضرت عطیہؓ، خیرہ ام الحسن البصریؒ، ابو العالیہؒ، اور ربیع بن زیادؒ جیسی جلیل القدر شخصیتیں بھی شامل ہیں۔ ان سے ابن عونؒ، خالد الخذاءؒ، قتادہؒ، ہشام بن حسانؒ وغیرہ متعدد تابعین نے روایت کی ہے۔ ابن حبانؒ نے ان کو ثقہ لکھا ہے۔ جرح و تعدیل کے امام حضرت یحیٰی بن معینؒ نے ان کو ثقہ حجہ فرمایا ہے۔ امام ذہبیؒ نے ان کو حفاظ حدیث کے دوسرے طبقہ میں شامل کیا ہے۔ امام بخاریؒ اور امام ابو داؤدؒ نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حفصہؒ سے بڑھ کر فضل والا کسی کو نہیں پایا۔ حضرت حفصہؒ کو قرآن پاک کی تلاوت کا بہت شوق تھا۔ ہر رات کو تہجد میں نصف قرآن پاک ختم کر لیتی تھی۔ فن قرأت میں ایسا کمال حاصل تھا کہ اگر امام محمدؒ بن سیرینؒ کو قرأت میں کسی مقام پر کوئی شبہ ہوتا تو وہ اپنے تلامذہ سے کہتے، ذرا ٹھہرو میں حفصہؒ سے دریافت کر کے آتا ہوں۔ بی بی حفصہؒ بنت سیرین نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔[۶۳]

فصل چہارم

صدقہ وخیرات میں خواتین کی دینی خدمات:

صدقہ کا لفظ بالعموم اس زکوٰۃ اور خیرات کے لیے بولا جاتا ہے جو ایک مسلمان بطور عبادت اپنے مال میں سے نکالتا ہے یا خرچ کرتا ہے لیکن حقیقت میں صدقہ ہر اس نیکی کا دوسرا نام ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔

صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے جب آنحضور ﷺ سے صدقہ کے بارے میں عرض کیا تو وہ صدقہ کو عمومی رنگ میں لیتے ہوئے سوال کرر ہے تھے اور اس بات کی وضاحت چاہتے تھے کہ ایک غریب شخص جو صدقہ وخیرات کے قابل نہیں ہوتا وہ اس امیر آدمی کی نسبت سے کم ثواب کا مستحق معلوم ہوتا ہے جو اپنے مال و دولت سے زکوٰۃ وخیرات دیتا رہتا ہے۔ بظاہر یہ سوال بڑا معقول نظر آتا ہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ ایک شخص صدقہ وخیرات کی اصل حقیقت سے نا آشنا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ دنیا میں ہر شخص کے لیے خدا نے صدقہ (نیکی) کا سامان پیدا کیا ہے اور ہر شخص اپنے مخصوص حالات میں ہی پرکھا جائے گا۔ مال و دولت اگر چہ انسان کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن اصل چیز ''فائدہ'' ہے نہ کہ مال و دولت! پھر چونکہ اللہ کی ہدایت میں ہی انسان کو سراسر فائدہ ہے اس لیے ہدایت الٰہی کے مطابق جو کام کیا جائے گا وہ نیکی ہے اور وہی صدقہ۔ ایک شخص بھلی بات کہہ کر کسی کی دلجوئی کرتا ہے یا نیک مشورہ دے کر دوسرے کا کام سنوار دیتا ہے تو گویا اس شخص نے دوسرے کو کچھ (فائدہ) دے دیا اور یہی صدقہ ہے۔ایک مال دار آدمی کے لیے موقع ہے کہ اپنے مال میں سے غریبوں پر کچھ خرچ کر دے اور ایک غریب شخص کے پاس استطاعت نہیں کہ وہ خرچ کر سکے، اگر ہوتا تو وہ ضرور خرچ کرتا۔لہذا اصل چیز مال و دولت نہیں ہے بلکہ وہ نیت اور جذبہ ہے جس سے ایک شخص خرچ کرتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہدایت الٰہی کے مطابق جو عمل بھی کیا جائے گا وہ اس لیے صدقہ وخیرات ہے کہ اس سے خود کرنے والے کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ایسا ہر عمل لائق اجر وثواب ہے۔ ظاہر ہے

انسان کے لیے ہر وقت موقع ہے کہ وہ صدقات دیتا رہے خواہ وہ مال و دولت کے ذریعے ہوں یا مخصوص ہاتھوں کا عمل، گفتگو کے ذریعے ہوں یا صرف خیر خواہی کی سوچ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صدقہ ہر امیر و غریب مومن کے لیے عام ہے۔دونوں اپنے اپنے دائرے میں صدقات کے اجر و ثواب سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں اور جہاں تک صحابیات کا تعلق ہے تو وہ ہر حال میں صدقہ و خیرات کرتیں تھیں۔یہاں تک کہ اگر ان کے پاس کھانے کی صرف ایک ہی روٹی ہے اور دروازے پر کوئی فقیر آ جاتا ہے، خود روزے سے ہیں لیکن وہ خود افطار نہیں کریں گی بلکہ وہ روٹی مانگنے والے کو دے دیں گی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابیات صدقہ و خیرات پر کتنی عمل پیرا تھیں۔

حوا بنت یزید بن سکن کسی کی بھیجی ہوئی چیز کو کبھی حقیر نہ جانتیں تھیں۔اگر چہ وہ جلا ہوا بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو بلکہ اُسے پورے خلوص کے ساتھ کھا لیتی تھیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی اپنی ہمسائی کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ وہ بکری کا جلا ہوا کھر بھیجے‘‘۔

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک فقیر آیا مانگتا ہوا اور آپ روزہ دار تھیں گھر میں کچھ نہ تھا سوائے ایک روٹی کے آپ نے کہا اپنی لونڈی سے کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو وہ بولی آپ کے افطار کے لئے کچھ نہیں ہے آپ نے کہا دے دو۔لونڈی نے وہ روٹی فقیر کے حوالے کر دی۔شام کو ایک گھر سے بکری کا گوشت پکا ہوا آیا حضرت عائشہؓ نے لونڈی کو بلا کر کہا: کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔ایک مرتبہ ایک مسکین نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا اور اس وقت ان کے سامنے انگور رکھے تھے انہوں نے ایک آدمی سے کہا ایک دانہ انگور کا اُٹھا کر اس کو دے دو وہ شخص تعجب سے دیکھنے لگا حضرت عائشہؓ نے کہا۔

ایک دانہ کئی زروں کے برابر ہے (اور ایک زرے کا ثواب بھی ضائع نہ ہو گا)۔[۶۴]

صدقہ جو شخص دیتا ہے اُس کے لئے تو وہ صدقہ ہوتا ہے لیکن باقیوں کے لیے ہدیہ ہوتا ہے۔اگر کوئی صدقہ کی نیت کر کے کوئی چیز حضورؐ کو بھجتا تو نہ کھاتے اور ہدیہ کھاتے۔آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔دریافت فرمایا: تمہارے پاس کچھ (کھانے) کو ہے؟ عرض کیا کچھ نہیں البتہ گوشت ہے جو ام عطیہؓ نے بھیجا ہے اس بکری کا جو آپ ﷺ نے امُ عطیہؓ کو بطور صدقہ دی تھی۔آپؐ نے فرمایا بکری اپنے ٹھکانے پہنچ گئی۔[۶۵]

اگر کوئی تحفہ دے تو اُسے قبول کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اُس کا نعم البدل عطا کر دیا کرتے تھے۔[۶۶]

بیوی اپنے شوہر کے مال سے صدقہ دے سکتی ہے اس لیے کہ اس کے شوہر کا مال بھی اس کا ہے۔ اسماءؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس وہی مال ہے جو زبیرؓ نے مجھے دیا ہے۔آیا میں اس میں سے صدقہ دے سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا صدقہ دیا کر جمع نہ کیا کر۔اللہ بھی روک لے گا۔[۶۷]

یہ ایک اہم دینی اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو خصوصاً ایک مومن دوسرے مومن کو حتی المقدور فائدہ پہنچائے اور اس کی خیر رسانی میں ذرہ برابر دریغ نہ کرے۔اس دنیا کی زندگی میں ہمارے دکھ سکھ، آپس کی مدد و معاونت پر ہیں بلکہ ہماری آخرت بھی اس پر موقوف ہے۔اگر یہاں آپس میں محبت و پیار، شفقت و محبت سے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہو گا۔اس سے ہماری آخرت بھی بنے گی اور دنیا بھی سنور جائے گی۔لہٰذا انسانی اخوت کا تقاضہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور فائدہ پہنچائیں لیکن اس فائدہ رسانی کے کچھ آداب وشروط ہیں۔اگر ان کی رعایت نہ ہوتو فائدہ رسانی نہیں ہوتی بلکہ ضرر رسانی ہوتی ہے۔

ان آداب کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔احسان جتا کر اپنے فائدے کا اظہار نہ کریں، نہ دوسروں پر اور نہ خود فائدہ لینے والے پر کیونکہ یہ صاف اور کھلی ریا کاری ہے جس سے عمل اکارت جاتا ہے اور عامل مستحق سزا ٹھہرتا ہے۔عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو محض اللہ کی رضامندی کے لیے کیا جائے۔

بہت سے انسانوں کی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کے سامنے اپنی داد و دہش کا ڈنکا پیٹتے پھرتے ہیں او راپنی شہرت کا ڈھول بجاتے ہیں اور ہرکس و ناکس کے سامنے اپنی سخاوت کے گیت گاتے ہیں۔ ایسی سخاوتیں الٹی منہ پر مار دی جائیں گی اور ثواب و اجر کے معاملہ میں بالکل بے اثر اور بے سود ثابت ہوں گی۔

انسان کو چاہیے کہ مال خرچ کرنے کے بعد اذیت کے پہلو کو بالکل اختیار نہ کرے مثلاً سائل کو

ڈانٹا جائے ، مارا جائے ،جھڑکا جائے اور دھکے دے کر اس کو نکلوا دیا جائے۔ ایسا عمل بھی اپنے اچھے عمل پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے چنانچہ بعض مغلوب الغضب اور بخیلوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ سائل اگر خاموش رہا تو خیر رہی اور اگر اس نے کچھ مزید مطالبہ کیا یا کسی اور چیز کی درخواست کی تو اس کو جان کے لالے پڑ گئے۔ ایسی حرکت سے سوالی کی دل آزاری ہوتی ہے۔ اور کسی کی دل آزاری کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ بعض علماء نے نیکی کرنے کے تین خزانے بتائے ہیں جن میں سے ایک خزانہ خیرات کرنے کا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

بزرگان دین نے اس معاملہ میں اس قدر احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ جو خیرات لیتا ہے اس کو بھی پتہ نہ چلے کہ کس نے دی ہے چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسی خیال سے اندھے سوالیوں کو خیرات دی تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ بعض لوگ فقیر کی گزرگاہ پر پیسے ڈال دیتے ہیں کہ فقیر اٹھا لے گا اور دینے والے کا پتہ نہ چل سکے گا۔ کسی نے سوتے ہوئے فقیر کے کپڑوں میں خاموشی سے پیسے رکھ دیے تاکہ اس کو پتہ نہ چل سکے۔ بعض نے لوگوں کے ذریعے سے فقیر تک خیرات پہنچانے کا انتظام کیا تاکہ فقیر کو معلوم نہ ہو سکے۔

یہ سارے جتن اس لیے تھے کہ خیرات اور ان کی نفع رسانی کہیں ریاکاری میں تبدیل نہ ہو جائے اور بجائے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔ نیز فائدے کا اگر اظہار ہو تو ایک زبردست قباحت اس میں یہ بھی ہے کہ بعض اوقات غریب سائل کی توہین اور تذلیل ہوتی ہے۔ بعض انسان باوجود شرافت نفس کے حالات زمانہ میں گھر کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو اگر نفع پہنچانے والا اپنا نام فخر سے اچھالے گا تو اس کا نام ذلت سے اچھلے گا اور یہ دوسرے کی عزت سے بلا وجہ کھیلنا ہوا۔ نفع پہنچانا تو ایک طرف بلکہ یہ دل دکھانا ہو گیا۔ عزت دنیا میں بڑی قیمتی چیز ہے اس لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے کہ صدقہ وخیرات کی جائے لیکن اس کا مقصد کسی کی مدد کرنا ہو نہ کہ اس کی تذلیل مقصود ہو۔

فصل پنجم

صلہ رحمی میں خواتین کی خدمات:

اسلام کے ظہور کے بعد دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوا ۔ دنیا سے جہالت کا خاتمہ ہوا ۔ایک انسان کے دوسرے انسان پر حقوق و فرائض سے آ گاہی ہوئی ۔ لوگوں کو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی تعلیم دی گئی ۔شرافت اور انسانیت کی حدیں مقرر کر دی گئیں ۔ امیر و غریب کے فرق کو مٹا دیا گیا ۔ مساوات کا نظام قائم ہوا۔ جہالت کے اس دور میں جہاں انسانوں کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا اسلام نے عدل کا ایسا درس دیا جس سے معاشرے میں عدل و انصاف نے جڑیں پکڑیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔

اسلام ایسا مذہب ہے جو تمام انسانوں کے لیے ایک جامع اور مکمل دین ہے۔حضور ﷺ نے اللہ کے اس دین کو اپنے اعمال کے ذریعے کھول کر بیان کر دیا۔حضور ﷺ نہ صرف انسانوں سے بلکہ جانوروں سے بھی اتنا ہی پیار کرتے تھے جتنا کہ انسانوں سے ۔غرض یہ کہ زندگی کے ہر پہلو پر اسلام بحث کرتا ہے چاہے وہ انسانی حقوق ہوں یا اللہ کے حقوق ہوں ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تمام اصول و ضوابط کو بیان کر دیا ہے۔قرآن میں جہاں اور مسائل پر بحث کی گئی ہے وہاں رشتہ داروں کے حقوق کو بھی بیان کر دیا ہے۔

قرآن وحدیث میں رشتہ دار کے لیے اقارب اور ذوالقربیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی قریبی رشتہ دار کے ہیں۔ ویسے تو یہ لفظ تمام دور اور نزدیک کے رشتہ داروں کے لیے مستعمل ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں اس سے قریبی رشتہ دار مراد ہیں جو والدین ، اولاد اور زوجین کے بعد آتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔

حقوق العباد میں بیوی، بچوں کے بعد سب سے زیادہ خدمت و محبت کے مستحق والدین کو بتایا گیا ہے۔اس کے بعد ماں اور باپ کے رشتہ داروں کی خدمت کرنے کی تاکید آئی ہے۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی جتنی تاکید و اہمیت اسلام میں وارد ہے اتنی کسی اور مذہب میں نہیں ۔قرآن وحدیث

میں اور بھی متعدد مقامات پر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید آئی ہے۔

حضرت زینبؓ نے کہا میں مسجد نبوی میں تھی میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ خیرات کرو، اپنے زیور ہی میں سے دو اور زینب اپنے خاوند عبداللہ بن مسعودؓ کو اور چند یتیموں کو جو انکی پرورش میں تھے خرچ دیا کرتیں۔ انہوں نے اپنے خاوند سے کہا تم آنحضرت ﷺ سے پوچھو، میں اگر خیرات کا مال اپنے خاوند کو، اور چند یتیموں کو جو میری پرورش میں ہیں دوں تو کیا درست ہوگا؟ انہوں نے کہا نہیں تم خود جا کر آنحضرت ﷺ سے پوچھ لو، آخر زینبؓ آنحضرتؐ پاس آئیں وہاں ایک انصاری عورت (زینب ابو مسعود انصاری کی بی بی) کو آپ کے دروازے پر پایا وہ بھی یہی پوچھنے آئی تھیں جو میں پوچھنا چاہتی تھی، اتنے میں بلالؓ ہمارے سامنے سے نکلے، ہم نے ان سے کہا آنحضرت ﷺ سے پوچھو کیا اگر میں اپنے خاوند اور چند یتیموں کو جو میری پرورش میں ہیں خیرات کر دوں تو درست ہوگا۔ اور ہم نے بلالؓ سے یہ بھی کہہ دیا کہ ہمارا نام نہ لینا، بلالؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ دو عورتیں یہ مسئلہ پوچھتی ہیں آپؐ نے فرمایا کونسی عورتیں؟ بلال نے کہا زینب نامی آپؐ نے فرمایا: کونسی زینب بلالؓ نے کہا عبداللہ بن مسعود کی جورو۔ آپؐ نے فرمایا، بے شک درست ہے اور اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ [۶۸]

صحابیات اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی تھیں اور ہر طرح سے ان کی قرابت کا لحاظ رکھتی تھیں۔ اُم ہانیؓ نے بتایا جب رسول کریم ﷺ نے بالائی مکہ میں نزول اجلال فرمایا تو میرے پاس دو آدمی دوڑے ہوئے آئے جو میرے دیوروں میں سے تھے۔ یہ دونوں آدمی خاندان بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور اُم ہانی ہبیرہ ابن ابو وہب مخزومی کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں، پھر میرے بھائی علیؓ ابن ابی طالب گھر میں داخل ہوئے اور کہا: خدا کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا۔

میں نے انہیں بچانے کے لیے دروازہ بند کرلیا اور رسول کریم ﷺ کے پاس بالائی مکہ میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ ایک تسلے کے پانی سے جس میں وُٹے کے نشان بھی تھے غسل فرما رہے ہیں اور آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ کپڑے سے پردہ کیے ہوئے ہیں۔ آپؐ غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑا لیا اور پہن لیا پھر چاشت کی آٹھ رکعات نماز ادا کی۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خوش آمدید اُم ہانی، کیونکر آنا ہوا؟ میں نے دونوں آدمیوں اور علیؓ کا حال بتایا تو آپؐ نے فرمایا: جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم

نے پناہ دی، جسے تم نے امن دیا اسے ہم نے امن دیا۔علیؓ انہیں قتل نہ کریں ۔[۲۹]

اس طرح ام ہانیؓ نے ان کے ساتھ اپنی قرابت کا حق ادا کرتے ہوئے ان کی جان بچائی ۔اس سے یہ ظاہر ہوا کہ صدقہ وخیرات میں پہلے اپنے رشتہ دار کوشریک کریں بعد میں دوسرے مسلمانوں کودیں ۔ اگران کوقرض کی ضرورت پڑے تو انہیں قرض حسنہ بھی دیتے رہا کریں ،اگر وہ مقروض ہوں تو ان کا قرض ادا کر دیں ۔ضروریات زندگی یعنی کپڑا ،کھانے پینے کی چیزیں اور تحفے تحائف دیں تا کہ غریب رشتہ داروں کی مالی امداد ہوتی رہے۔غریب اور خستہ حال رشتہ دار کی اس کے کاروبار میں مالی امداد و معاونت کر دیں، اس کے بچوں کی بیاہ شادیاں کر دیں ۔بہرحال مختلف طریقے سے جتنی مدد ہو سکے کریں ۔کسی کی مالی امداد کا ایک ثواب ملتا ہے لیکن رشتہ دار کی مالی مدد سے دوگنا ثواب ملتا ہے۔ایک خرچ کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

صلہ رحمی کرنے والوں کا اسلام میں بڑا مرتبہ ہے ۔یہ صلہ رحمی ہر رشتہ دار کے ساتھ درجہ بدرجہ اپنے مقدور بھر ہونی چاہیے ۔صلہ رحمی کے تین فائدے ہیں:

۱۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے خاندان میں محبت باقی رہتی ہے ۔جب ہم رشتہ داروں کے ہاں آئیں جائیں گے ،ان کے دکھ درد میں شریک ہوں گے،روپے پیسے سے یا کسی اورطرح سے ان کی خدمت کریں گے تو ظاہر ہے کہ ان کو بھی ہم سے محبت ہوگی اور وہ بھی ہم سے ایسا ہی برتاؤ کرنے کی فکر کریں گے ۔اگر ہر شخص صلہ رحمی کرنے لگے تو خاندان جنت کا نمونہ بن جائے ،گھر حسد و کینہ سے پاک ہو جائیں اور سب راحت وسکون سے زندگی بسر کریں ۔

۲۔ صلہ رحمی کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے ۔تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اوراس طرح غیر محسوس طور پر اپنوں کی امداد ہو جاتی ہے ۔اپنے رشتہ داروں کوکسی موقع پر تحفے تحائف دینے چاہئیں ۔اس طرح جس کو تحفہ دیا جارہا ہے وہ خوش ہو جاتا ہے، اس خوشی سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے اورآپ کے مال میں برکت دے دیتا ہے ۔یعنی اس عمل سے انسان کئی فوائد حاصل کرتا ہے ۔اس کا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ رشتہ دار بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی عمل کرتے ہیں اور ایک خاندان ایک دوسرے سے جڑا رہتا ہے۔

۳۔ صلہ رحمی کی وجہ سے عمر بڑھتی ہے ۔شریعت نے اعمال کی جو برکت و خاصیت بتائی ہے وہ اپنا رنگ

ضرور دکھاتی ہے۔ایک مومن کو ان باتوں پر یقین رکھنا چاہیے۔ان احکام پر عمل کرنے میں فائدہ ہے لیکن بدقسمتی کہ آج کل ان کے خلاف عمل ہوتا ہے بعض لوگ تو قریبی عزیزوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔اپنے پاس سے ان پر رقم خرچ کرنے کی بجائے خود ان کا مال دبا لیتے ہیں۔ ماں باپ کی میراث میں سے جو حصہ ملتا ہے اس کو ہضم کرجاتے ہیں۔ یہ خرابی تو عام ہے کہ باپ کی وفات کے بعد ساری جائیداد بڑے بھائی کے قبضے میں چلی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنی ذات اور اپنی بیوی بچوں پر ہی صرف کرتا ہے۔دوسرے حق داروں کے حصے ان کے حوالے نہیں کرتا۔

دیکھا گیا ہے چھوٹے یتیم بہن بھائیوں کو دو چار سال کھلا پلا کر پوری جائیداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بچے جب ہوش سنبھالتے ہیں تو پورا مال خرچ ہو چکا ہوتا ہے اور جائیداد بڑے بھائی یا اس کے اولاد کے نام منتقل ہو چکی ہوتی ہے۔

یہ قصے اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔خصوصاً جہاں دو ماؤں کی اولاد ہو وہاں تو ترکہ بانٹنے کا سوال ہی اٹھنے نہیں دیتے۔ ہر فریق لینے کا مدعی ہوتا ہے،انصاف کے ساتھ کسی کو کچھ دینے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔یہ بہت بڑی قطع رحمی ہوتی ہے۔لڑکیوں کو تو ماں باپ کی میراث سے شاید ہی کوئی خاندان کچھ دیتا ہو۔ان کا حصہ بھائی ہی دبا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض دیندار لوگ بھی اس معاملے میں بڑی کوتاہی دکھاتے ہیں۔بعض لوگ معاف کرا لینے کا بہانہ بنا کر اپنی بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں۔بہنیں بھی یہ سب سمجھ کر کہ کچھ ملنا ملانا تو ہے نہیں اپنے بھائیوں سے کیوں بگاڑ پیدا کیا جائے ، اوپرے دل سے کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے معاف کیا حالانکہ ایسی معافی شرعاً قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ درست طریقہ یہ ہے کہ پورا حصہ الگ کر کے ان کو دے دیا جائے اور پھر وہ اپنی آزاد مرضی سے بھائیوں کو دے دیں تو یہ بات معتبر ہو سکتی ہے۔

صلہ رحمی کے معنی اگر چہ اپنے رشتہ داروں کی حسب مراتب مال خدمت کرنا بھی ہے مگر اس کے علاوہ تحفے وتحائف دینا میل ملاقات قائم رکھنا،غم اور شادی میں شرکت کرنا۔ایک دوسرے سے ہنسی خوشی ملنا،خیر خیریت معلوم کرنا، اگر دور ہوں تو ان سے خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ یہ سب صلہ رحمی اور حسن سلوک کے طریقے ہیں۔ان میں سے اکثر میں تو مال بالکل خرچ نہیں ہوتا اور ان کی دلداری ہو جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حسب موقع اور حسب حال جس طرح کی صلہ رحمی ہو سکے کرتے رہنا چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب ''اگر اجنبی عورت راہ میں تھک گئی ہو تو اسکو اپنے ساتھ سوار کر لینا درست ہے''، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، ج: پنجم، ص ۳۵۱

۲۔ ایضاً، کتاب اللباس، باب ''سبز رنگ کے کپڑے پہننا''، ج: سوم، ص ۳۵۸

۳۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث البجستانی، ترجمہ علامہ وحید الزمان، سنن ابو داؤد، باب ''عورتوں کی باری بانٹنے کا بیان''، کراچی: ادارۃ القرآن پرنٹنگ پریس، ج: اول، ص ۴۴۶، ۴۴۷

۴۔ صحیح البخاری، کتاب المعظم، باب ''اگر مظلوم ظالم کا مال پالے تو وہ اپنے مال کے موافق اس میں سے لے سکتا ہے''، ج: اول، ص ۹۷۲

۵۔ ایضاً، کتاب الجہاد والسیر، باب ''آپ کی بیویوں کے گھروں کا بیان اور گھروں کا ان کی طرف نسبت دینا''، ج: دوم، ص ۱۹۶

۶۔ ایضاً، کتاب المناقب، باب ''حضرت عائشہؓ کی فضیلت''، ج: دوم، ص ۴۶۶۔۴۶۷

۷۔ ایضاً، کتاب الھبہ، باب ''جس نے اپنے دوست کو ہدیہ بھیجا اور اس کے لیے اسکی کسی خاص بیوی کی باری کا انتظار کیا''، ج: اول، ص ۹۹۳، ۹۹۴

۸۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳، ص ۲۶

۹۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج: سوم، ص ۵۳

۱۰۔ موطا امام محمد، ابواب الصیامہ، مترجم خواجہ عبدالوحید باب ''روزہ دار کو بوسہ لینے کی اجازت کا بیان''، تاجران کتب، قرآن محل، کراچی، ص ۴۱، ۴۲

۱۱۔ شہاب الدین احمد بن علی الشہر بہ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التھذیب، تحقیق شیخ خلیل مامون شیخ عمر

السلامی، شیخ علی بن مسعود، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء، ج:۲،ص ۱۵۷، ۱۵۸

۱۲۔ امام مالک بن انسؒ، مئوطا امام مالک، کتاب الجنائز، مترجم: علامہ وحید الزماں، باب "مردے کو کفن پہنانے کا بیان"، لاہور: مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، اُردو بازار، ص ۱۸۵

۱۳۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۴۸۴

۱۴۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۳۴

۱۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مراغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۷۷

۱۶۔ محمد بن عبدالملک ابن ہشام، سیرت النبی کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج: ۲، ص ۸۲

۱۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، ج: ۳، ص ۱۵۸

۱۸۔ مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۱ء، ج: دوم، ص ۵۵۴، ۵۵۵

۱۹۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کراچی نمبر ۲: مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، ص ۲۶

۲۰۔ ایضاً، باب "مرد اور عورت ایک برتن میں غسل کر سکتے ہیں"، ص ۴۷

۲۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۷۷

۲۲۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۷، ص ۲۱۸

۲۳۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: مولانا اختر فتح پوری، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۷، ص ۲۱۸

۲۴۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۷۶

۲۵۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب ''آنحضرتؐ کی بیماری اور وفات کا بیان''، ج: دوم، ص ۷۶۲

۲۶۔ ایضاً، کتاب النکاح، باب ''غیرت کا بیان''، ج: سوم، ص ۱۳۵

۲۷۔ شبیر احمد عثمانی، تفسیر حقانی تفسیر سورۃ احزاب، دارالاشاعت، کراچی، ج: دوم، ص ۳۵۰

۲۸۔ صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب ''آنحضرت کو جو وحی پہلے پہل شروع ہوئی تو یہی اچھا خواب تھی''، ج: سوم، ص ۷۸۸

۲۹۔ صحیح مسلم، باب ''شیطان کا فساد مسلمانوں میں''، ج: دوم، ص ۳۲۷، ۳۲۸

۳۰۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۳۸

۳۱۔ ایضاً، ج: ۵، ص ۳۸

۳۲۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، مترجم مرزا حیرت دہلوی، ج: ۳، باب ''عورتوں کے ساتھ حُسن معاشرت''، ص ۴۰

۳۳۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار ج: ۳، ۴، ص ۱۸۵

۳۴۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ، ان کی کنیت ابومحمد تھی، والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں، رسولؐ کے دارالارقم میں جانے سے پہلے عبداللہ بن جحش نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی لیکن پھر واپس مکہ آگئے تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص ۲۵۲)

۳۵۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، خطاب اسداللہ و اسد رسولہ تھا، آنحضرت کے چچا تھے، ان کی والدہ ہالہ بنت اہیب ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمارہ تھی، ایک مرتبہ ابوجہل نے نبیؐ کو گالیاں دیں، حمزہ کو معلوم ہوا تو غضبناک ہو کر مسجد حرام میں داخل ہوئے اور ابوجہل کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حمزہؓ اسلام لائے۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ (محمد بن سعد طبقات ابن سعد، ج: ۳، ص ۲۲۵)

۳۶۔ امیمۃ، آپ بھی عبدالمطلب اور فاطمہ کی بیٹی ہیں۔ جاہلیت میں آپ سے جحش بن ریاب نے نکاح کیا جس سے عبیداللہ اور عبداللہ پیدا ہوئے، اور زینب بنت جحش زوجہ رسولؐ اور حمنہ بنت جحش پیدا ہوئیں۔ رسول ﷺ نے امیمۃ بنت عبدالمطلب کو خیبر کی کھجوروں میں سے چالیس وسق کھجوریں دیں۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۶۷)

۳۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۱۰۷

۳۸۔ صفیہؓ بنت عبدالمطلب: آپؓ کی والدہ کا نام ہالہ تھا، آپؓ حمزہؓ کی ہمشیرہ ہیں۔ صفیہؓ نے مسلمان ہو کر آپؐ سے بیعت کی اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔ حضرت صفیہؓ نے غزوۂ احد میں حضرت حسانؓ بن ثابت کے قلعے میں محصوری کی حالت میں ایک یہودی کو قتل کر کے بچوں اور عورتوں کی جان بچائی اور حمزہؓ کی شہادت پر بے پناہ صبر کا مظاہرہ کیا۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۶۱)

۳۹۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی مولانا، ج: ۸، ص ۷۷

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۸

۴۱۔ محمد بن عبدالملک ابن ہشام، سیرت النبیؐ کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، ج: ۱، ص ۲۱۲

۴۲۔ ایضاً، ص ۸۱، ۸۲

۴۳۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۱۰۷

۴۴۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۱۸۷

۴۵۔ علامہ حافظ ابوالفداء عمادالدین ابن دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳، ۴، ص ۷۶۴، ۷۶۵

۴۶۔ علامہ حافظ ابن قیم، زادالمعاد، مترجم: رئیس احمد جعفری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ۲، ص ۳۲۵

۴۷۔ محمد بن عبدالملک ابن ہشام، سیرت النبی کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، ج: ۲، ص ۵۴۸

۴۸۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳، ۴، ص ۲۵۰

۴۹۔ ایضاً، ص ۵۰۴، ۵۰۵

۵۰۔ مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب: قریش کی عورتوں کی فضیلت، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی، ج: ۶، ص ۱۴۳

۵۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج: ۸، ص ۱۲۴، ۱۲۵

۵۲۔ حضرت حسین بن علیؓ: ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، آنحضرتؐ کے نواسے اور (شجر نبوت کے) پھول ہیں۔ ۴ھ میں فاطمہؓ بنت رسولؐ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کو شمر بن ذی الجوشن نے ۶۱ھ کو میدان کربلا میں شہید کر دیا تھا۔ (ابوعبداللہ محمد عبداللہ الخطیب، اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۱)

۵۳۔ حضرت زینب بنت علی: والدہ کا نام فاطمہ بنت محمد تھا۔ آپ حسن و حسینؓ کی بہن اور حضورؐ کی نواسی تھیں۔ ان کا نکاح عبداللہؓ بن جعفرؓ سے ہوا، واقعہ کربلا میں انہوں نے بے پناہ بہادری اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ (سیدہ زینب بنت علی فواز، الدرالمنثور فی طبقات ربات الخدور، ج: ۱، ص ۴۰۱، تا ۴۰۵)

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۵۵۔ سیدہ اشرف ظفر، ڈاکٹر، الفاطمہؓ، لاہور: ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۹۹، ۳۰۰

۵۶۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب الجنائز، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، باب "گرم پانی سے غسل دینا، لاہور: حامد اینڈ کمپنی، ج: اول، ص ۵۸۴

۵۷۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مترجم: پروفیسر غلام ربانی، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۹۱

۵۸۔ ایضاً، ج: ۱۰، ص ۲۹۹

۵۹۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مھران، معرفۃ الصحابۃ، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مسعد عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ج: ۵، ص ۳۴۳

۶۰۔ سابقہ حوالہ: ج: ۱۰،ص ۴۵

۶۱۔ سیدہ زینب بنت علی فواز، الدر المنشور فی طبقات ربات الخدور، تحقیق: محمد امین، بیروت لبنان: ضناوی دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۹ء، ج: ا،ص ۱۱۰ تا ۱۱۳

۶۲۔ شہاب الدین احمد بن علی الشہر بہ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، تحقیق شیخ خلیل مامون شیخ عمر السلامی، شیخ علی بن مسعود، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء، ج:۲،ص ۱۵۷، ۱۵۸

۶۳۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰،ص ۲۳۸، ۲۳۹

۶۴۔ موطاامام مالک، کتاب الجامع، ترجمہ علامہ وحیدالزمان، باب ''صدقے کی فضیلت کا بیان''، مکتبہ رحمانیہ،اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور،ص ۶۹۴، ۶۹۵

۶۵۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری،ترجمہ علامہ وحیدالزمان، کتاب الھبہ، باب ''تحفہ قبول کرنا''، جلد اول،ص ۱۰۲۰

۶۶۔ ایضاً، باب ''ہبہ کا معاوضہ کرنا''، ص ۱۰۲۵

۶۷۔ ایضاً، باب ''اگر عورت اپنے خاوند کے سوا اور کسی کو کچھ ہبہ کرے''، ص ۱۰۲۷

۶۸۔ ایضاً، کتاب الذکوۃ، باب'' خاوند کو اور جن یتیموں کو پرورش کر رہا ہو ان کی زکوۃ دینا''، ج :اول،ص ۶۳۱،۶۳۲۔

۶۹۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی ،غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب : مولانا محمد زکریا اقبال، کراچی: دارالاشاعت، اردو بازار،ص ۵۹۲، ۵۹۳

باب چہارم

جہادی خدمات

جہاد یا مقدس جنگ جسے اسلام میں افضل العبادات کہا گیا ہے کہ یہ جنگ فی سبیل اللہ لڑی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظام زندگی میں انقلاب برپا کرنے، نظریہ کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لیے اُٹھے تو اس کے قیام اور اسلامی اور اس سر بازی و جانثاری میں اس کی اپنی کوئی ذاتی و نفسانی غرض نہ ہو اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہو کہ ایک بادشاہ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن جائے بلکہ اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہو کہ بندگان خُدا کے درمیان ایک عادلانہ نظام زندگی قائم کیا جائے۔

اس کے معاوضہ میں اُسے خوشنودی کے سوا کچھ مطلب نہ ہو۔ اور اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لیے ہو اور کوئی شخصی یا جماعتی غرض پیش نظر نہ ہو۔ پس جہاد کے لیے فی سبیل اللہ کی قید اسلامی نقطہ نظر سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔

اسلامی ریاست کی عورت اگر چہ اصولاً جہاد کے فریضہ سے مستثنٰی ہے۔ تاہم عند الضرورت وہ میدان جنگ میں جا کر زخمیوں کو سنبھالنے، ان کی مرہم پٹی کرنے، ان کے لیے پانی یا دوسری اشیائے ضرورت مہیا کرنے کی خدمات انجام دے سکتی ہے۔

غالب ہونا اور غالب رہنا اسلام کی فطرت ہے اور یہ جہاد کے بغیر ممکن نہیں۔

جہاد اہل ایمان کے دلوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کے ایمان کے لیے جہاد ضروری ہے جس جہاد میں دین کی بقاء موقوف ہو جو ایمان کا فطری تقاضا ہو دین میں اس کا معمولی مقام نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سچے اہل ایمان کی بنیادی خصوصیات میں جہاد کو شامل کیا جاتا ہے۔

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کا شوق تھا ہی جس کے واقعات کثرت سے نقل کیے جاتے ہیں، عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں ہمیشہ مشتاق رہتیں تھیں اور

جہاں موقع مل جاتا پہنچ جاتیں اور جہاد کرتیں چاہے وہ جہاد بالسیف ہو دائمی جہاد ہو یا جہاد بالنفس ہو سب میں ہمیشہ پیش پیش رہتیں۔

فصل اول

جہاد بالسیف میں خواتین کی دینی خدمات:

جہاد بالسیف سے مراد وہ جہاد ہے کہ اسلام کی راہ روکنے والوں کے خلاف جنگ کی جائے یہ جہاد کی آخری شکل ہے اور اس کا دوسرا نام ''قتال'' ہے۔ یہ جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزما قسم ہے لیکن صحابیات نے اس قسم میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ جہاد کر کے ثابت کر دکھایا کہ عورت کسی بھی میدان میں مرد سے کم نہیں۔

اُحد کی لڑائی کے موقعہ پر مسلمان نبی کریم ﷺ کے پاس سے منتشر ہو گئے تھے۔ ابو معمر نے بیان کیا کہ میں نے عائشہ بنت ابی بکرؓ اور اُم سلیم (انسؓ کی والدہ) کو دیکھا کہ یہ اپنا ازار سمیٹے ہوئے تھیں جسکی وجہ سے ان کی پنڈلی بھی نظر آرہی تھی (جیسا کہ کسی کام کو مستعدی کے ساتھ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے) اور (تیز چلنے کی وجہ سے) مشکیزے چھلکاتی ہوئی لیے جارہی تھیں۔ وہ مشکیزے کو اپنی پشت پر ادھر سے اُدھر لیے پھرتی تھیں اور قوم کو اس سے پانی پلاتی تھیں پھر واپس آتی تھیں اور مشکیزوں کو بھر کر لے جاتی تھیں۔[۱]

غزوہ خیبر (۷ھ) میں بھی حضرت اُم سلیمؓ شریک تھیں، حسب سابق اس غزوہ میں بھی انہوں نے نہایت مستعدی سے زخمیوں کی خدمت کی۔ جب خیبر فتح ہو گیا اور حضرت صفیہ بنت حیؓ نے رسول کریم ﷺ کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں اُم سلیمؓ کے سپرد کیا کہ نہلا دھلا کر انہیں دلہن بنائیں کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہؓ کو بہت خستہ حال کر دیا تھا۔

اس کے بعد حضرت اُم سلیمؓ جنگ حنین میں شریک ہوئیں یہ بڑے سخت غزوات میں شمار ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل نے سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو تباہ کر دیں تو اہل مکہ کے تمام باغات اور جاگیریں جو طائف میں ہیں۔ ان کے قبضہ میں آجائیں گی اور یوں مسلمانوں سے بت شکنی کا انتقام بھی لیا جاسکے گا۔ چنانچہ انہوں نے بنی مضر اور بنی ہلال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور

چار ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ مکہ کو روانہ ہوئے۔ وادی حنین میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ جب رسول کریم ﷺ نے خبر سُنی تو بارہ ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر حنین کی طرف بڑھے اس لشکر میں مکہ کے دو ہزار لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جن میں نومسلم بھی تھے اور بت پرست معاہد بھی۔ یہ لوگ لشکر اسلام کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ادھر دشمن نے ایک تنگ درہ میں اپنے تیر اندازوں کو مسلمانوں کی گھات میں بٹھا دیا تھا۔ جونہی لشکر اسلام کے ہراول دستے ان کی زد میں پہنچے انہوں نے تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ کر دی۔ مکہ کے نومسلموں اور معاہدین میں ابھی ثابت قدمی اور جانثاری کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا گھبرا کر پیچھے کی طرف بھاگے اور باقی لشکر کو بھی سراسیمہ کر دیا۔

ادھر حملہ آوروں کی فوج نے اپنی پوری قوت سے چاروں طرف سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ لشکر اسلام میں انتشار پیدا ہو چکا تھا۔ میدان جنگ میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ سو۔ سوا سو کے قریب جانثار رہ گئے تھے۔ اس نازک وقت میں حضرت اُم سلیمؓ ایک خنجر ہاتھ میں لئے شمع نبوت پر قربان ہونے کے لئے کمر بستہ کھڑی تھیں۔ ان کے جانثار شوہر ابو طلحہؓ بھی نہایت پامردی کے ساتھ حضورؐ کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو حضرت اُم سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لئے کھڑی تھیں۔[۲]

حضرت ابو طلحہؓ نے پوچھا، اُم سلیم! خنجر تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ جواب دیا میں نے یہ خنجر اس لیے لیا کہ اگر کوئی مشرک مجھ سے قریب ہو تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں۔ ابو طلحہؓ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نہیں سُن رہے کہ اُم سلیمؓ کیا کہہ رہی ہیں۔[۳]

حضور اکرم ﷺ یہ سُن کر مسکرا دیئے۔ اس کے بعد اُم سلیمؓ نے حضور ﷺ سے عرض کی:

''یا رسول اللہ! مکہ کے جو لوگ آج میدان جنگ سے بھاگے ہیں اُنہیں قتل کر دیں''۔

سرورِ عالمؐ نے:

'' خُدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے''۔[۴]

غزوہ اُحد میں قریش کا لشکر اپنے مردوں اور زخمیوں کو اُٹھا کر اپنی فرودگاہ کی طرف لوٹا تو مدینہ

کی عورتیں بھی اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو سنبھالنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ بعض خواتین رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ اور زخمی ہو جانے کی خبر سُن کر پہلے ہی بیتابانہ نکل آئی تھیں ان میں اُم عمارہؓ نے رسول خدا ﷺ کی جان بچانے کے معرکے میں جنگی مردوں کی طرح حصہ لیا اور کندھے پر زخم کھایا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کرنیوالی خواتین میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ کی ماں اُم سلیم اور حضرت ابو سعید کی ماں اُم سلیط بھی تھیں۔[۵]

حضرت سلمیٰؓ بنت زارع بن عروہ، جہادی خدمات میں انکی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کفار کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی یا بیماروں کی تیماری کی خدمات انجام دیں۔ ۱۴ھ میں جنگ شجورا میں شریک ہوئیں اور ایسی بہادری سے لڑیں کہ کفار کا منہ پھیر دیا۔[۶]

حضرت عفیرہؓ بنت غفار حمیری، علامہ واقدیؒ نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ انہوں نے کئی غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جنگ شجورا اور جنگ یرموک میں وہ بڑی بہادری سے رومیوں کے خلاف لڑیں۔

حضرت نعمؓ بنت قناص، سیرت کی بعض کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں اور شعروشاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں۔ یہ کفار کے خلاف کئی معرکوں میں شریک ہوئیں اور جنگ یرموک میں دوسری خواتین کے ساتھ مل کر انہوں نے رومیوں کا اس دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا کہ ان کا منہ پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انتظامی صلاحیتوں سے بھی نوازہ تھا چنانچہ بعض موقعوں پر اسلامی لشکر کی رسد کا اہتمام ان کے سپرد کیا گیا۔

حضرت معاذہؓ غفاریہ قبیلہ ''بنو غفار'' سے تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ کئی غزوات میں شریک ہوئیں اور زخمیوں کی خبر گیری اور تیمارداری کی خدمت انجام دی۔

حضرت لبنیٰؓ بنت سوار، علامہ واقدیؒ نے ان کو بھی صحابیات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے دشمنان اسلام کے خلاف کئی لڑائیوں میں حصہ لیا اور زخمیوں کی تیمارداری کی خدمت انجام دی۔ جنگ شجورا ۱۴ھ میں وہ مردوں کے دوش بدوش نہایت جانبازی سے لڑیں اور کئی رومیوں کو قتل کیا۔

حضرت کعیبہؓ بنت سعد۔ عرب کے قبیلہ بنو اسلم سے تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔

غزوہ خیبر میں چند دوسری خواتین کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ وہ تیر اُٹھا کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو ستو پلاتی تھیں۔ ے

غزوہ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے فتح و نصرت حاصل کی تو ابو لہب نے ابوسفیان سے پوچھا کہ آخر مسلمانوں نے فتح کیسے حاصل کی؟ اُس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: کہ ایسے لوگوں کے مقابل ہوگئے تھے، جو گورے گورے تھے اور ابلق گھوڑوں پر آسمان و زمین کے درمیان تھے۔ واللہ وہ کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے اور کوئی چیز ان کے مقابل قائم نہ رہتی تھی۔ ابو رافعؓ رسول ﷺ کے آزاد کردہ عباسؓ بن عبد المطلب کے غلام تھے، اُم فضل اور عباسؓ کے ساتھ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ابو رافع نے کہا: میں نے خیمے کی طنابیں اُٹھائیں۔ پھر کہا: واللہ! وہ تو فرشتے تھے ابو لہب نے ہاتھ اُٹھایا اور میرے منہ پر زور سے ایک تھپڑ مارا۔ میں نے بھی اس کا بدلہ لیا تو اس نے مجھے اُٹھا لیا اور زمین پر دے مارا۔ پھر میرے اُوپر بیٹھ گیا اور مارنے لگا۔ میں کمزور تھا۔ اس موقع پر اُم فضل نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خیمے کی ایک لکڑی لے کر اس کی طرف بڑھیں۔ اس نے ایسا مارا کہ اس کا سر بُری طرح پھٹ گیا اور کہا:

> ''اس کا سردار پاس نہ ہونے کے سبب سے تو نے اسے کمزور سمجھ لیا پھر (ابولہب) اُٹھ کر ذلت سے چلا گیا۔ واللہ! وہ سات روز سے زیادہ زندہ نہ رہا''۔ ۸

جہاد بالسیف میں نہ صرف مردوں نے حصہ لیا بلکہ خواتین بھی ان کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ اُم عمارہؓ (نسیبہ بنت کعب مازنیہ) نے بھی جنگ اُحد میں برابر کا حصہ لیا۔ اس سلسلے میں سعید بن ابو زید انصاری نے بیان کیا۔ اُم سعد بنت سعد ربیع کہتی تھیں کہ میں اُم عمارہؓ کے پاس گئی اور ان سے کہا۔

خالہ! آپ مجھے اپنا حال بتائیے!

انہوں نے کہا:

میں دن کے ابتدائی حصے میں ہی نکل پڑی تھی اور لوگ جو کچھ کر رہے تھے، دیکھ رہی تھی۔

میرے ساتھ پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ بھی تھا۔ رفتہ رفتہ میں رسول کریم ﷺ کے قریب پہنچ گئی۔آپ اپنے اصحاب کے ساتھ موجود تھے اور فتح و نصرت مسلمانوں کو حاصل ہو چکی تھی، مگر جب جنگ نے پلٹا کھایا اور مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو میں رسول کریم ﷺ کے پاس چلی گئی اور کھڑی ہو کر خود بھی قتال میں حصہ لینے لگی ۔ رسول کریم ﷺ کے بچاؤ کے لیے تلوار چلا رہی تھی۔ دوسری طرف کمان سے تیر پر تیر پھینک رہی تھی کہ اسی حالت میں میرا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا۔ آگے اُم سعدؓ کہتی ہیں کہ میں نے اُم عمارہؓ کے کندھے پر گہرے زخم دیکھ کر دریافت کیا:

یہ زخم کس نے لگائے؟

اُم عمارہؓ نے جواب دیا:

ابن قمیہ نے ،خُدا اُسے ذلیل و رسوا کرے۔

جس وقت لوگ رسول کریم ﷺ کو چھوڑ کر الگ ہوتے جا رہے تھے۔ اُس وقت ابن قمیہ آگے بڑھ کر کہہ رہا تھا ، مجھے بتاؤ محمد کدھر ہیں ؟ اگر وہ بچ نکلے تو خدا کرے میں زندہ نہ رہوں۔ ابن قمیہ کا یہ قول سُن کر مصعب بن عمیرؓ اور کچھ لوگ رسول کریم ﷺ کے تحفظ کے لیے سامنے آگئے۔ اس موقع پر ابن قمیہ نے مجھے تلوار کا یہ زخم لگایا تھا۔ میں نے بھی اس پر تلوار کے کئی وار کیے لیکن اس دشمن خُدا نے دُہری زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس لیے زخمی نہ ہو سکا۔[9]

ازدہ بنت حارث بن کلدہ یہ وہ مجاہدہ ہے جس نے لڑائی کے میدان میں بڑی بے خوفی اور دلیری سے اپنا کردار ادا کیا، مورخین نے ان کا یہ عبرت و نصیحت آموز واقعہ نقل کیا ہے۔

اہل میسان مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمع ہوئے ان کے مقابلے کے لیے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ مرغاب پہنچے دجلہ کے پیچھے دشمن تھا، یہ دیکھ کر ازدہ نے عورتوں سے کہا کہ ہمارے مرد دشمن کے گھیرے میں ہیں ان کے پیچھے آنے کا خطرہ ہے اگر وہ آگیا تو ہمارا دفاع کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ مسلمان تعداد میں کم بھی ہیں اُنہیں شکست بھی ہوسکتی ہے اس لئے اگر ہم ان کی طرف بڑھیں تو دشمن کے حملے سے محفوظ ہوسکتی ہیں اور دشمن بھی یہ سمجھے گا کہ مسلمان کو مدد آ پہنچی ہے اس طرح اس ترکیب سے دشمن کا حوصلہ بھی پست ہو گا۔

ان عورتوں نے اپنے دوپٹے سے جھنڈے بنا لئے اور ازدہ کی قیادت میں چل پڑیں۔ پھر یہ وہاں جا پہنچیں جہاں مسلمان اور مشرکین نبرد آزما تھے مشرکوں نے جب جھنڈا بردار لشکر اپنی طرف آتا دیکھا تو وہ سمجھے کہ مسلمانوں کی کمک آگئی۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کے پیچھے گئے اور انہیں زبر دست شکست سے دوچار کیا۔[۱۰]

حضرت صفیہؓ نے جان پر کھیل کر غزوہ خندق میں بچوں اور عورتوں کی جان بچائی۔

صفیہؓ حسان بن ثابتؓ کے قلعے میں تھیں، انہوں نے بتایا کہ حسان بن ثابت بھی بچوں اور عورتوں سمیت ہمارے ساتھ قلعہ کے اندر تھے، پاس سے ایک یہودی گزر رہا تھا۔ وہ قلعے کے گرد چکر کاٹنے لگا ہماری حالت یہ تھی کہ بنو قریظہ رسول کریم ﷺ سے عہد و پیان توڑ کر آمادہ جنگ تھے اور کوئی مرد اس وقت ہمارے ساتھ نہ تھا جو مدافعت کرسکتا۔ رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمان دشمنوں کے محاذ پر تھے اور وہ اس حالت میں نہیں تھے کہ اگر ہم پر کوئی حملہ آور آجاتا تو آ کر ہماری مدد کر سکتے، اس بناء پر میں نے کہا:

''حسانؓ! یہ یہودی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، قلعے کا چکر کاٹ رہا ہے۔ خُدا کی قسم! مجھے اطمینان نہیں کہ یہ جا کر اور تمام یہودیوں کو بھی ہمارے چھپنے کی جگہ نہ بتا دے گا۔ اس وقت رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتے وہ سب کے سب محاذ جنگ میں گھرے ہوئے ہیں اس لئے تم اُتر کر جاؤ اور اسے قتل کر آؤ''۔

حسان نے جواب دیا عبد المطلب کی بیٹی! اللہ تمہیں معاف کرے، خُدا کی قسم! تم جانتی ہو، میں اس قابل نہیں، صفیہ کہتی ہیں، حسان نے مجھ سے جب یہ کہا اور میں نے دیکھا کہ ان کے پاس کچھ نہیں تو میں نے کمر کس لکڑی اُٹھائی اور قلعے میں نیچے اُتر گئی پھر آگے بڑھ کر یہودی کو اس سے قتل کر دیا اور اس کام سے فارغ ہو کر قلعے میں واپس آگئی، پھر حسان سے کہا: حسان! نیچے جا کر اس کا سامان تو نکال لاؤ، میں خود یہ سامان لے آتی، مگر اس کا مرد ہونا مانع آیا۔ حسان بن ثابت نے اب یہ کہا عبد المطلب کی بیٹی! مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔[۱۱]

غزوہ بنو قریظہ میں سعد بن معاذؓ زخمی ہوگئے تو رسول کریم ﷺ نے انہیں قبیلہ السم کی ایک خاتون رُفیدہ کے خیمے میں داخل کر دیا تھا یہ خیمہ مسجد رسولؐ کے قریب تھا، رفیدہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور دوا دارو کرتی تھیں اور جو مسلمان ضائع و تلف ہوتے تھے ان کی خدمت حسبۃً للہ کرتی تھیں۔ حضرت سعدؓ کو خندق میں جب تیر لگا تھا، رسول کریمؐ نے اپنی جماعت سے کہا تھا۔ انہیں رفیدہ کے خیمے میں داخل کر دو تا کہ میں قریب ہی سے ان کی عیادت کرتا رہوں۔[۱۲]

حضرت اُم عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئی ہوں۔ میں پیچھے رہ جاتی تھی (یعنی جب مجاہد لڑنے جاتے تو میں ان کے پیچھے خیموں میں رہ جاتی) ان کا کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیماروں کو دیکھتی بھالتی تھی۔[۱۳]

رسول کریم ﷺ جب کسی غزوہ پر روانہ ہوتے تو مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی ضرور لے جاتے اس لیے کہ وہ انکی بہادری اور دلیری کے قائل ہو چکے تھے خاص طور پر اُم سلیمؓ اور انصاری عورتوں کو ضرور ساتھ رکھتے اس لیے کہ یہ ایک تو لوگوں کو پانی پلائیں گی اور دوسرے زخمیوں کی مرہم پٹی کریں گی۔ ربیع بنت معوذ تو لوگوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے ساتھ ساتھ مقتولوں کو مدینہ پہنچاتیں اور فوج کی بھی خدمت کرتیں تھیں غزوہ حدیبیہ میں بھی موجو تھیں۔[۱۴]

تمام صحابہ کرامؓ ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ جن صحابیات نے میدان جنگ میں کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان کو باقی صحابیات پہ فوقیت دیں۔
حضرت عمرؓ نے کچھ چادریں مدینہ کی عورتوں کو تقسیم کیں۔ ایک عمدہ چادر بچ گئی تو امیر المومنین کو صحابہ نے کہا کہ یہ چادر آنحضرت ﷺ کی نواسی کو دیجئے جو آپ کی بی بی ہیں یعنی اُم کلثوم حضرت علیؓ کی صاحبزادی کو حضرت عمرؓ نے کہا نہیں اُم سلیط اس کی زیادہ حقدار ہیں۔ اُم سلیط ایک انصاری عورت تھیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی حضرت عمرؓ نے کہا یہ اُم سلیطؓ اُحد کے دن پانی کی مشکیں ہمارے لیے لاد کر لاتیں۔[۱۵]

حضرت خولہؓ بنت مالک ازور:

حضرت خولہؓ عظیم مجاہدہ اسلام تھیں۔آپؓ کا سلسلہ نسب حضرت خولہ بنت مالک ازور بن اوس خذیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خذیمہ ہے۔آپ مشہور صحابی رسول حضرت ضرارؓ بن مالک کی بہن تھیں۔آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا جو نواح خیبر میں آباد تھا۔

جب مسلمانوں نے شام پر لشکر کشی کی تو حضرت ضرارؓ اور ان کی بہادر بہن خولہؓ بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے۔شام کے معرکوں میں ان دونوں بہن بھائیوں نے ایسے ایسے حیران کن کارنامے انجام دیئے جن کو پڑھ کر خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔حضرت ضرارؓ نے اپنی جانبازی، سخت کوشی اور بے خوفی کی دھاک بٹھا دی تھی۔میدان جنگ میں وہ کبھی سرتاپا زرہ پوش ہوتے تھے اور کبھی ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ کرتا بھی اتار دیتے تھے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر رجز پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔اسی بہادری کی وجہ سے حضرت ضرارؓ رومیوں میں ''جن'' مشہور تھے۔آپؓ جدھر کا رخ کرتے رومی ''جن آیا''، ''جن آیا'' کہہ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔

۱۳ ہجری میں مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو سپہ سالار اسلام حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت ضرارؓ کو محصورین کی مدد کے لیے آنے والے لشکروں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا۔وہ برق رفتاری سے لشکریوں کے راستے میں حائل ہو گئے اور بے مثال بہادری کا نمونہ پیش کیا۔ایک موقع پر ان کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور حضرت ضرارؓ نیچے گر گئے،ابھی سنبھل نہ پائے تھے کہ رومیوں نے انہیں قابو کر کے گرفتار کر لیا۔

حضرت خالدؓ بن ولیدؓ تک حضرت ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو وہ بے حد رنجیدہ ہوئے۔اسی وقت میسرہ بن مسروق کو ایک ہزار جوان دے کر دمشق کے مشرقی دروازے پر محاصرے کے لیے بھیجا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔اچانک انہوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام کے آگے آگے ایک نقاب پوش سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار بڑی تیزی سے میدان جنگ کی طرف لپک رہا ہے۔وہ حیران ہوئے لیکن تحقیق کا موقع نہ تھا لہذا خاموش رہے۔جب رومی لشکر سے مسلمانوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش اس بے جگری سے لڑ رہا ہے کہ جدھر جھک پڑتا

ہے کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے، زخم پہ زخم کھاتا ہے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔

انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اس نقاب پوش کے بارے میں دریافت کیا لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا اتنے میں وہ نقاب پوش مارتا کاٹتا ہوا رومی فوج کے قلب سے خون میں نہایا ہوا نکلا۔حضرت خالدؓ اپنا گھوڑا دوڑا کراس کے پاس پہنچے اور پکارے" اے مرد مجاہد تو نے جانبازی کا حق ادا کر دیا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو جائے گا۔ تیرے جیسے سرفروشوں کو نقاب پوشی زیب نہیں، اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ شیر بشبیہ شجاعت کون ہے"۔

نقاب پوش پہلے خاموش رہا لیکن جب حضرت خالدؓ نے بہت اصرار کیا تو وہ یوں گویا ہوا:

"اے امیر! میں ضرار بن ازور کی بہن خولہ بنت ازور ہوں۔ میں اپنے پیارے بھائی کی گرفتاری سے سخت بے چین ہوں، خدا کی قسم میں اپنے بھائی کو دشمن کے پنجہ سے رہا کراؤں گی یا اس کوشش میں اپنی جان دے دوں گی"۔حضرت خالدؓ خولہ بنت ازور کی دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے اور فرمایا:

"خولہ آفرین ہے تم پر جس قوم میں تمہارے جیسی بیٹیاں ہوں اسے دشمن کبھی مغلوب نہیں کر سکتا۔ بیٹی تم مطمئن رہو اگر ضرارؓ زندہ ہے تو انشاء اللہ میں اسے چھڑاؤں گا اور اگر وہ شہید ہو کر زندہ جاوید ہو گیا ہے تو میں نے بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کے لیے کمر باندھ رکھی ہے"۔

حضرت خالدؓ اور حضرت خولہؓ نے فوج کے چیدہ چیدہ دستے لیے اور حضرت ضرارؓ کو رومیوں کی قید سے رہائی دلوا لائے۔ دمشق کے محاصرے کے دوران دشمن فوج نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا اور وہ کچھ مسلمان عورتوں کو قید کر کے لے گئے۔ ان عورتوں میں حضرت خولہؓ بنت ازور بھی تھیں۔ ایک جگہ رومیوں نے ستانے کے لیے پڑاؤ ڈالا تو حضرت خولہؓ نے اپنی قیدی بہنوں سے کہا۔" بہنو! ہم شجاعان عرب کی بیٹیاں ہیں اور ہادی برحق ﷺ کی نام لیوا ہیں ہم کو ان مشرکوں کی اطاعت قبول کرنے کے بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے"۔

حضرت خولہؓ کی ولولہ انگیز تقریر سن کر ان کے خون میں حرارت پیدا ہوگئی اور انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: خولہ تم نے ٹھیک کہا ہمیں جان پر کھیل جانا چاہیے لیکن ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر رومیوں سے مقابلہ کی کیا تدبیر ہو۔حضرت خولہؓ نے خیموں کی چوبیں اکھاڑنے کی تجویز پیش کی۔ وہ

خیموں کی چوبوں سے رومیوں کا اس وقت تک مقابلہ کرتی رہیں جب تک حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت ضرارؓ ان کی مدد کو نہ پہنچ گئے۔[۱۶]

حضرت عائشہؓ اور میدان جنگ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مسلمانوں کا سچا درد تھا۔ وہ معاشرے کے اندر وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتیں اور ذاتی طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہتی تھیں۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت میں مرتدین کا قلع قمع ہونے کے بعد سیاسی حالات انتہائی پرسکون ہو گئے تھے۔ آئے دن کی فتوحات نے جہاں مسلمانوں کا بیرونی دنیا میں مورال بلند کیا تھا وہیں معاشرتی سطح پر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کا ہاتھ باگ خلافت پر نہ صرف بہت مضبوط تھا بلکہ وہ ہر برائی کا تدارک وقت سے پہلے اپنی بصیرت کے مطابق کرلیا کرتے تھے۔ ان کی دور رس نگاہیں معاشرے کے کمزور پہلوؤں کا اندازہ کرلیتیں اور وہ مرض کے بڑھنے سے پہلے اس کا علاج کر لیا کرتے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سال بھی اسی طرز کا تسلسل تھے البتہ آخر زمانے میں اکابر صحابہؓ ایک کے بعد ایک کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ سرحدیں وسیع ہوگئیں اور عربی و عجمی اختلاط نے تمدن میں نئی نئی تبدیلیاں پیدا کیں تو کچھ ایسے عناصر بھی سامنے آئے جو مسلم معاشرے میں فساد پھیلا کر اسلامی جمعیت اور طاقت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے۔ سبائی فرقے کا بانی ابن سبا جو اصلاً ایک یہودی تھا اپنے گرد ایسے لوگوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا جو اپنی ذاتی وجوہات یا قبائلی تعصب کی بناء پر حکومتی پالیسیوں خصوصاً حضرت عثمانؓ پر اقربا پروری اور ان کے گورنروں پر دیگر جھوٹے سچے الزام لگا کر شورش بپا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے مصالحت کی کوششیں کیں اور ان کے الزامات کے جوابات بھی دیئے مگر باغی فرقے کی سرگرمیاں دن بدن بڑھتی رہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کی نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مدینہ پر چڑھ آئے۔ صحابہ کرامؓ رفع فساد کی کوششیں کرتے رہے مگر باغی عناصر

حضرت عثمانؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ بالآخر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ ہوا اور وہ مظلومانہ طور پر شہید کر دیئے گئے۔ انتہائی تشویشناک حالات میں حضرت علیؓ کے دست مبارک پر مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ کے طور پر بیعت ہوئی۔ کچھ اکابر صحابہؓ نے اس میں شرکت نہ کی لیکن مدینہ کی اکثر آبادی یہاں تک کہ فسادی عناصر بھی اس بیعت میں پیش پیش رہے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ جو دونوں کبار صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر باغیوں کو کھلے عام پھرتا دیکھ کر حالات سے پریشان تھے۔ یہ حضرات ان سازشیوں کی فوری گرفتاری چاہتے تھے جو ممکن نظر نہ آ رہی تھی چنانچہ مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کی ملاقات حضرت عائشہؓ سے ہوئی جو حج سے ادائیگی کے بعد واپس مدینہ آ رہی تھیں۔ آپ کو بھی یہ اندوہناک خبر مل چکی تھی۔ ان حضرات نے حضرت عائشہؓ کو مدینے کے حالات کی خبر اس طرح دی ''ہم لوگ مدینے سے لدے پھندے بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں سے بھاگے چلے آتے ہیں اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ حیران و سرگرداں ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں، نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں''۔

ہر طرف سے آنے والے لوگ بری بری خبریں سنا رہے تھے۔ پورا ملک پروپیگنڈہ اور چہ میگوئیوں کی زد میں تھا۔ کل تک جو لوگ بغاوت کے سرغنے اور خلیفہ کے قتل میں پیش پیش تھے آج غیض وغضب سے بچنے کے لیے حضرت علیؓ کے پرجوش حامی بن گئے تھے اور انہیں پہچاننا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے درمیان جو مشورہ ہوا اس میں یہی طے پایا کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے فوری طور پر قصاص لیا جانا چاہیے ورنہ اگر جلیل القدر خلیفہ کا خون رائیگاں جانے دیا گیا تو خلافت شرپسندوں اور باغیوں کے ہاتھوں بازیچہ اطفال بن جائے گی۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر بھی باغیوں کے گروہ میں شامل تھے اور حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہونے والوں میں سے ایک تھے اور مقدمہ قائم ہونے کی صورت میں سزا سے بچ نہ سکتے تھے لیکن ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ان رشتوں ناتوں کے بجائے مسند خلافت کی لاج بچانے کو ترجیح دی اور خود خلیفۂ مظلوم کے قصاص کا مطالبہ کیا۔

آپؓ کی دعوت پر زبردست اثر ہوا اور ہزاروں لوگ آپ کی معیت میں روانہ ہوئے۔ اگرچہ آپ کا ارادہ مدینہ جانے کا تھا لیکن اکثریت کی رائے سے بصرہ کا رخ کیا تاکہ بصرہ، کوفہ اور عراق وغیرہ کی نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے ان کی حمایت حاصل کی جائے۔ راستے میں حواب کا تالاب آیا۔ کتوں نے اس بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کو آنحضرتؐ کی ایک پیشن گوئی یاد آئی کہ آپ ﷺ نے ایک بار اپنی بیویوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا، ''خدا جانے تم میں سے کس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔'' اس کے یاد آتے ہی واپسی کا عزم کیا اور قافلہ رکا رہا یہاں تک کہ لوگوں نے شہادت دی کہ یہ جگہ حواب نہیں ہے اور حضرت زبیرؓ نے کہا ''تم واپس جاؤ گی ؟ شاید خدا تعالیٰ تمہارے سبب سے لوگوں میں صلح کرا دے''۔

بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ نے مختلف رئیسوں سے گفت وشنید کی، کچھ نے ساتھ دیا اور کچھ نے الگ رہنے میں عافیت سمجھی۔ والیٔ بصرہ عثمان بن حنیف کے طرفداروں اور حضرت عائشہؓ کے حامیوں میں بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ حضرت عائشہؓ بار بار سکون اور تحمل کی تاکید کر رہی تھیں اور یہی واضح کر رہی تھیں کہ آپ کے آنے کا مقصد سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں۔ اسی اثناء میں مخالفین کے کیمپ کے چند شریر لوگوں نے حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی طرف سے منادی قسمیں دے دے کر روک رہا تھا لیکن وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے۔ آخر اپنے بچاؤ کی خاطر وہ بھی میدان میں نکل آئے اور لڑائی شروع ہوگئی۔ جنگ کا خاتمہ اصلاح پسندوں کی کامیابی پر ہوا۔ حضرت عائشہؓ کا بصرہ پر قبضہ مکمل ہوگیا۔

جنگ جمل:

حضرت علیؓ کو اس فوجی مہم کی خبریں مل رہی تھیں۔ وہ مدینہ سے سات سو آدمی لے کر چلے اور کوفہ سے مزید سات ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی فوج ان کے ساتھ تھی۔ حضرت عائشہؓ بھی تیس ہزار فوج کے ساتھ بصرہ میں موجود تھیں۔ خانہ جنگی کے آثار دیکھ کر غیر جانبدار مسلمانوں نے مصالحت کی کوشش کی تو فریقین اس کے لیے راضی ہو گئے۔ کوئی بھی مسلمانوں کی آپس میں لڑائی کا خواہش مند نہ تھا۔ معاملات تقریباً طے پا چکے تھے اور لوگوں کو حالات کی بہتری کی امید بندھ گئی تھی۔

دونوں جانب کے لشکروں میں موجود فتنہ پردازوں کے لیے یہ پریشان کن صورتحال تھی۔صلح کی صورت میں ان کی شامت ضرور آتی چنانچہ انہوں نے خفیہ سازش کر کے رات کے سناٹے میں جبکہ سب آرام کی نیند سو رہے تھے حضرت عائشہؓ کی فوج پر شب خون مار دیا۔گھبراہٹ میں کسی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ حملہ آور کون لوگ ہیں۔ ہر کوئی یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔حضرت عائشہؓ آہنی ہودہ میں اونٹ پر سوار ہوئیں اور حضرت علیؓ گھوڑے پر سوار اپنے اپنے حامیوں کو خونریزی سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا اور عام جنگ شروع ہو چکی تھی۔

حضرت عائشہؓ کا ہودج قلب فوج میں تھا اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔ عین اس وقت جب لڑائی زوروں پر تھی حضرت علیؓ زبیرؓ کے پاس آئے اور کہا ابو عبداللہ تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہؐ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ اس وقت تم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے“۔حضرت زبیرؓ کو یہ بات یاد آگئی اور وہ یہ کہتے ہوئے لڑائی سے الگ ہو گئے کہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ یاد دلایا۔ بیٹے (عبداللہ بن زبیرؓ) سے بھی ایسا کرنے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا تو وہ تن تنہا ہی روانہ ہو گئے اور راستے میں ایک بد بخت کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔

حضرت طلحہؓ نے بھی اس موقع پر اپنی اجتہادی غلطی محسوس کرتے ہوئے الگ ہونا چاہا تو سازشی ان کا ارادہ بھانپ گئے۔انہیں بھی زہر میں بجھا تیر مار کر شہید کر دیا گیا۔اب میدان میں صرف حضرت عائشہؓ رہ گئی تھیں اور جان نثاران کے اونٹ کے چاروں طرف جمع ہو کر جان کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ جب تک اونٹ کو بٹھا نہ دیا جائے لڑائی نہیں رک سکتی۔ چنانچہ آپکے حکم سے اونٹ کے پاؤں پر زور کی تلوار ماری گئی۔ اونٹ کے بیٹھتے ہیں فوج کی ہمت جو حضرت طلحہؓ کی شہادت اور حضرت زبیرؓ کے جانے سے پہلے ہی کم ہو گئی تھی جنگ کا فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں ہو گیا۔

جنگ کے اختتام کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو اپنی ہمشیرہ کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ پھر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیریت دریافت کی۔آپؓ نے جواب دیا کہ اچھی ہوں۔ چند دن آپ کی خدمت گزاری کے بعد آپ کو

اپنے بھائی اور دیگر معزز خواتین کے ساتھ مدینہ بھیج دیا اور خود دور تک آپ کو چھوڑنے آئا۔ جاتے وقت حضرت عائشہؓ نے اس دردناک واقعے پر سخت افسوس کا اظہار کیا اور کہا: کہ مجھے علی سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی اور نہ اب ہے، ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے اس کی میں نفی نہیں کرتی۔حضرت علیؓ نے بھی آپ کے لیے عزت و تعظیم کے الفاظ فرمائے اور یہ مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت عائشہؓ کو اپنی اجتہادی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اصلاح احوال اور رفع فساد کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا آپ عمر بھر کبھی اس پر مطمئن نہ ہو سکیں اور افسوس کرتی رہیں۔ آپؓ اس واقعے کو یاد کر کے کہا کرتی تھیں ''اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں درخت ہوتی''۔ [۷۱]

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے سعد بن معاذ کو خندق کے دن ایک شخص نے جو قریش میں سے تھا عرقہ (اس کی ماں کا نام ہے) کا بیٹا ایک تیر مارا ان کی اکحل (شریان) میں لگا تو رسول اللہ ﷺ نے سعد کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا (اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا اور بیمار کا رہنا درست ہے) وہیں نزدیک سے ان کو پوچھ لیتے جب آپ خندق کی لڑائی سے لوٹے تو ہتھیار رکھ دیئے اور غسل کیا پھر حضرت جبرائیل علیہ اسلام آپ کے پاس آئے اپنا سر جھٹکتے ہوئے غبار سے اور کہا: آپ نے ہتھیار اُتار ڈالے اور ہم نے تو قسم خدا کی ہتھیار نہیں رکھے۔ چلو ان کی طرف آپ نے فرمایا کہاں؟ انہوں نے اشارہ کیا بنی قریظہ کی طرف۔ پھر لڑے ان سے رسول کریمؐ اور وہ قلعہ سے اُترے آپ کے فیصلہ پر راضی ہو کر آپ نے ان کا فیصلہ سعد پر رکھا (کیونکہ وہ حلیف تھے سعد کے) سعد نے کہا میں یہ حکم کرتا ہوں کہ ان میں جو لڑنے والے ہیں وہ تو مار دیئے جاویں اور بچے اور عورتیں قیدی بنیں۔ اور ان کے مال تقسیم ہو جاویں۔

سعد بن معاذ کا زخم سوکھ گیا اور اچھا ہونے کو تھا اُنہوں نے دعا کی یا اللہ! تو جانتا ہے کہ مجھے تیری راہ میں جہاد کرنے سے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور نکالا کوئی چیز زیادہ پسند نہیں ہے یا اللہ! اگر قریش کی لڑائی ابھی باقی ہو تو مجھے زندہ رکھ لیں اُن سے جہاد کروں گا یا اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ان کی لڑائی تو نے ختم کر دی اگر ایسا ہے تو اس زخم کو کھول دے۔ اور

میری موت اسی میں کر۔ یہ آرزو ہے شہادت کی اور موت کی آرزو نہیں ہے جو منع ہے۔ پھر وہ زخم بہنے لگا ہنسلی کے مقام سے یا گردن سے یا اسی رات کو بہنے لگا اور لوگ نہیں ڈرے مگر مسجد میں ان کے ساتھ ایک خیمہ تھا بنی غفار کا خون اس طرف بہنے لگا تب وہ بولے اے خیمہ والو یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے آرہا ہے (معلوم ہوا کہ سعد کا زخم بہہ رہا ہے) آخر اسی زخم میں مرے (اور اللہ تعالیٰ نے شہادت دی)[۱۸]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ عورت کو نہ خادم کو البتہ جہاد میں خدا کی راہ میں مارا اور آپ کو جو کسی نے نقصان پہنچایا اس کا بدلہ نہیں لیا البتہ اگر خدا کے حکم میں خلل ڈالا تو خدا کے واسطے بدلہ لیا (یعنی شرعی حدوں میں جیسے چوری میں ہاتھ کاٹا۔ زنا میں کوڑے لگائے یا سنگسار کیا)۔[۱۹]

اُم المومنین حضرت حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہجرت کے متعلق آپ نے فرمایا: مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد ہے اور نیت ہے۔ اور جب تم سے کہا جائے جہاد کو نکلنے کے لیے تو نکلو۔[۲۰]

جہیزہ (والدہ شبیب خارجی)

غزالہ (زوجہ شبیب خارجی):

پہلی صدی ہجری میں خوارج کا ایک مشہور سردار تھا جس کا نام شبیب بن نعیم شیبانی تھا۔ ۷۷ھ، ۷۶ھ میں اس نے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہ عبدالملک بن مروان کا زمانۂ خلافت تھا اور حجاج بن یوسف ثقفی اس کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ شبیب ایک آزمودہ جنگجو اور جانباز آدمی تھا۔ اس نے متعدد معرکوں میں اپنی قلیل جمعیت کے باوجود سرکاری فوجوں کو تابڑ توڑ شکستیں دیں۔ ان معرکوں میں اس کی والدہ جہیزہ اور بیوی غزالہ بھی اس کے ساتھ ہوتی تھیں اور اس کے پہلو بہ پہلو سربکف ہو کر لڑتی تھیں۔ غزالہ کی جانبازی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک لڑائی میں اس کا حجاج سے سامنا ہو گیا۔ اس نے ایسی پامردی سے حجاج کا مقابلہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا اور پھر کبھی خود غزالہ کے

مقابل نہ ہوا۔ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا۔

پیہم کامیابیوں سے شبیب کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی کہ اس نے عراق کے دارالامارت کوفہ کا رخ کیا۔ حجاج نے سوید بن عبدالرحمٰن اور عثمان بن قطن کو دو دو ہزار فوج کے ساتھ شبیب کو دو سمتوں سے روکنے کے لیے بھیجا۔ شبیب بہادری سے لڑتا ہوا حیرہ کی طرف نکل گیا، پھر کچھ دور آگے جا کر چکر کاٹتا ہوا کوفہ کو پلٹا۔ اس کی بیوی غزالہ نے منت مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی۔ وہ کچھ دن چڑھے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر شہر میں داخل ہوئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا اور سرکاری فوج بھی بہت بڑی تعداد میں شہر کے اندر موجود تھی۔ شبیب بیباکانہ قصر امارت کی طرف بڑھا اور اپنے گرز سے قصر کے دروازے پر ضربیں لگائیں۔

حیرت کی بات ہے کہ کسی کو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ پھر وہ غزالہ کے ساتھ جامع مسجد پہنچا۔ خود مسجد کے سامنے تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور غزالہ نے اندر جا کر نہایت اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی اور رکعتیں بھی معمولی نہیں، پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسری میں سورۂ ال عمران۔ یہ قرآن کی سب سے طویل سورتیں ہیں اور دو دو اور اڑھائی اڑھائی پاروں پر محیط ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہوئی تو اپنے شوہر اور ساتھیوں کو لے کر مزاحم ہونے والوں کو مارتی گراتی اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئی۔ حجاج کی فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت شبیب اور غزالہ نے کوفہ کا رخ کیا۔ حجاج بن یوسف بصرہ میں تھا۔ اس کو کوفہ کی طرف خوارج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو ایک زبردست فوج کے ساتھ تیزی کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی شبیب اور غزالہ کوفہ میں داخل ہو چکے تھے۔ جو لوگ جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کو قتل کر دیا اور غزالہ نے اطمینان کے ساتھ اپنی منت پوری کر لی۔

اب حجاج کو بڑا جوش آیا۔ اس نے ایک تجربہ کار افسر عبدالرحمٰن بن اشعث کو چھ ہزار منتخب بہادر دے کر شبیب کے استیصال پر مامور کیا۔ عبدالرحمٰن نے بڑی احتیاط اور مستعدی سے شبیب کا تعاقب کیا لیکن شبیب اس کو جھانسے پر جھانسہ دیتا آگے بڑھ جاتا تھا۔ اس طرح عراقی فوجیں تھک گئیں۔ اسی اثناء

میں عیدالاضحیٰ کا زمانہ آ گیا۔ شبیب نے فریقین کے عید منانے کے لیے چند دن کے لیے صلح کا پیغام بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے اسے منظور کر لیا۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے عبدالرحمٰن کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عثمان بن قطن کو افسر مقرر کیا۔ عثمان نے بلا تاخیر شبیب پر حملہ کر دیا۔ اس کے پاس صرف ایک سو اسی آدمی تھے جن میں جہیزہ اور غزالہ بھی شامل تھیں۔ انہوں نے سرفروشی کا بے مثال مظاہرہ کیا اور خونریز لڑائی کے بعد کثیر التعداد عراقی فوج کو شکست فاش دی۔ عثمان بن قطن لڑتا ہوا مارا گیا۔

شبیب کی کامیابیوں کو دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اب حجاج نے خلیفہ عبدالملک سے مدد طلب کی، اس نے چھ ہزار منتخب شامی جنگجوؤں پر مشتمل کمک روانہ کی۔ ادھر حجاج نے اپنے ایک آزمودہ کار افسر عتاب بن ورقاء کو شبیب کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ ایک کہن سالہ اور تجربہ کار بہادر زہرہ بن حویہ کو بطور مشیر بھیجا۔ ساباط کے قریب اس لشکر کا شبیب سے سامنا ہوا۔ اس کے پاس صرف ایک ہزار آدمی تھے مگر انہوں نے ایسی جانبازی سے سرکاری فوج کا مقابلہ کیا کہ اس کا منہ پھیر دیا۔ عتاب بن ورقاء اور زہرہ بن حویہ دونوں مارے گئے اور عراقی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اس شرمناک شکست نے حجاج کو سخت برہم کر دیا۔ اس نے حارث بن معاویہ کو ایک ہزار فوج دے کر شبیب کو روکنے کے لیے بھیجا جو معمولی سی جمعیت کے ساتھ کوفہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شبیب نے حارث بن معاویہ کو شکست دے کر قتل کر دیا اور کوفہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اسی اثناء میں عبدالملک کی بھیجی ہوئی کمک بھی کوفہ پہنچ گئی۔ حجاج عراقی اور شام کی کمکی فوج کو ساتھ لے کر شہر سے نکلا اور شبیب پر پرزور حملہ کیا۔ خارجی بڑی پامردی سے لڑا۔ شبیب کے ساتھ جہیزہ اور غزالہ بھی اس لڑائی میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑ رہی تھیں۔ اب کی بار متحدہ عراقی اور شامی لشکر بھی جان توڑ کر لڑ رہا تھا۔ اس نے پہلے کوفہ کے باہر خارجیوں کی تو تعمیر مسجد پر قبضہ کیا اور پھر ان پر زبردست دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر اس کو جوش دلا رہا تھا۔

اثنائے جنگ میں شبیب کا بھائی مصاد مارا گیا۔ وہ بڑا نامی بہادر تھا اس سے حجاج کا حوصلہ بڑھ گیا۔ خوارج غزالہ اور جہیزہ کو لڑتے دیکھ کر برابر لڑائی میں مشغول تھے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے

تھے۔آخر حجاج نے چند آدمیوں کوحکم دیا کہ ان عورتوں کو ہرصورت میں مارگراؤ۔وہ چکر کاٹ کر عقب سے خوارج پر حملہ آور ہوئے اورغزالہ کو مارگرایا لیکن جہیزہ بچ گئی۔اب خارجیوں کی ہمت پست ہوگئی اوروہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔شبیب اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کراہواز کی طرف نکل گیا۔ حجاج نے عبدالرحمٰن حکمی کو تین ہزارفوج دے کراس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ایک مقام پر شبیب نے اس فوج سے زبردست مقابلہ کیا لیکن پھرمیدان چھوڑ کرآرام لینے کے لیے کرمان چلا گیا۔اب حجاج نے سفیان بن ابرو اورحکم بن ایوب والیٔ بصرہ کوایک آزمودہ کارلشکر دے کراس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔اہواز کے ساحل کے قریب ان کی شبیب سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔اس کے پاس بہت تھوڑے آدمی تھے لیکن وہ صبح سے شام تک بڑی بہادری سے مقابلہ کرتا رہا۔اندھیرا زیادہ ہوگیا تو فریقین نے لڑائی سے ہاتھ روک لیے۔شبیب نے رات گزرنے کے لیے دریا کوعبورکرکے دوسری سمت نکل کر جانا چاہا کہ عین پل کے وسط میں اس کا گھوڑا بدکا اوروہ پانی میں گر پڑا۔شبیب بھی پانی میں غوطے کھانے لگا،لوہے کی زرہ اوردوسرے جنگی اسلحہ نے تیرنا ناممکن بنا دیا۔اس وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰہ، اَمْراً کَانَ مفعولاً

جب غوطہ کھا کرایک بارابھرا تو اس کی زبان سے نکلا:

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ

اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے دریا میں غرق ہوگیا۔یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے،کہا جاتا ہے کہ اس کی لاش نکلوا کر سینہ چیرا گیا اوردل نکال کر دیکھا گیا تو وہ غیرمعمولی جسامت کا اورپتھر کی طرح سخت تھا۔ایک روایت ہے کہ اس کے سینے میں دو دل پائے گئے۔

ابن اثیر اورعلامہ طبری کا بیان ہے کہ شبیب کی غرقابی کے وقت اس کی ماں جہیزہ اس کے ساتھ نہیں تھیں۔کسی نے اس سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا تو اس نے کہا: شبیب اورمارا جائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔آخر جب دوسرے دن اسے بتایا گیا کہ وہ ڈوب کرمرگیا تو اس نے کہا ہاں یہ ممکن ہے۔

مؤرخین نے جہیزہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ روم کی رہنے والی تھی اورشبیب کی ولادت سے پہلے اسے باندی بنا کرشام لایا گیا تھا۔اس کے حسن وجمال کو دیکھ کرشبیب کے باپ یزید بن نعیم نے

اسے خرید لیا اور اس سے شادی کر لی ۔وہ اپنے شوہر پر جان چھڑکتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔شبیب اس کے بطن سے ۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوا جب وہ بطن مادر میں تھا تو جہیزہ نے خواب میں دیکھا کہ اس سے ایک تارا نکلا جو زمین اور آسمان کے درمیان چمکنے لگا پھر وہ پانی میں گر پڑا اور غائب ہو گیا۔

اس کی تعبیر یہ دی گئی کہ اس کا بیٹا بڑی تیزی سے بام عروج پر پہنچے گا اور اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہوگی۔اس خواب کو بعد کے احوال و واقعات نے سچا کر دیا۔[۲۱]

فصل دوم

جہاد بالجسم / دائمی جہاد میں خواتین کی دینی خدمات:

دائمی جہاد (دین کی حمایت میں اُٹھایا جانے والا ہر قدم دائمی جہاد ہے)

سیدہ زینبؓ کبریٰ کا ذکر آتے ہی کربلا کا وہ واقعہ جو (۱۰) محرم الحرام ۶۱ھ کو پیش آیا ہماری آنکھوں کے سامنے آجا تا ہے جس میں حضرت زینبؓ کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے، بھتیجے اور بھائی اور دیگر جانثار شامی فوج سے لڑتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہادت کے منصب پر فائز ہوئے لیکن انہوں نے جس حوصلے، صبر و تحمل، شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

تاریخ کے صفحات میں رقم ہے کہ حضرت امام حسینؓ بے جگری اور جرأت و شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے سیدہ زینبؓ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے پھر ظالموں نے حضرت امام حسینؓ کے سرِاقدس کو نیزے پر چڑھایا اور اہل بیت کے خیموں کی طرف بڑھے ایک بد بخت اس مقصد کے لئے کہ امام زین العابدینؓ کو شہید کر دے حملہ آور ہوا۔ امام زین العابدینؓ بیمار تھے اور لڑائی کی سکت نہ رکھتے تھے۔ حملہ آور کو ان کی طرف بڑھتے دیکھ کر زینبؓ چٹان کی طرح اس بد بخت کے راستے میں حائل ہو گئیں اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں جب تک زندہ ہوں کوئی اس بیمار کو قتل نہیں کر سکتا''

سیدہ زینبؓ کا عزم و استقلال و جرأت و استقامت دیکھ کر وہ بد بخت اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

اور جب ۶۱ھ کو اس قافلے کو جس میں صرف چند خواتین ۹ بچے حضرت امام زین العابدین بن حسینؓ اور سیدہ زینبؓ کو قیدی بنا کر کوفہ کی طرف لے جایا گیا۔ اور یہ قافلہ جب کوفہ میں داخل ہوا تو ہزاروں کوفی انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ان بے وفا کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر سیدہ زینبؓ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور پکار کر فرمایا:

''لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے''

اس کے بعد انہوں نے اہل کوفہ کے سامنے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ جسے سُن کر کوفیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور ان کی اس شجاعت و بہادری کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کا خطبہ سُن کر کوفیوں کو ایسی ندامت ہوئی کہ ان میں سے اکثر نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔

سیدہ زینبؑ کی بہادری کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب دوسرے دن ان مظلوم قیدیوں کو کورز کوفہ ابن زیاد کے دربار میں لے جایا گیا تو اس نے پوچھا۔ یہ عورت کون ہے؟ ایک لونڈی بولی ۔ یہ زینب بنت علیؑ ہیں ۔ابن زیاد نے گھور کر دیکھا اور کہا:

خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔

سیدہ زینبؑ نے جرأت و بے باکی سے جواب دیا:

اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اپنے رسول محمدؐ کے ذریعے ہمیں عزت عطا فرمائی، انشاء اللہ تعالیٰ فاسق رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔

اتنا بڑا واقعہ پیش آنے کے باوجود حضرت زینبؑ کی شجاعت و دلیری قابل دید ہے یہاں تک کہ ان کی جرأت و استقامت کو دیکھ کر ابن زیاد بھی بہت حیران ہوا اور کہا۔

تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟

سیدہ زینبؑ نے بڑے حوصلے سے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مرتبہ شہادت پر فائز کیا۔ بہت جلد وہ اور تم محشر کے سامنے جمع ہو گے اس وقت تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے۔

ابن زیاد نے یہ سنا تو کوئی جواب بن نہ پڑا کہنے لگا، بنی ہاشم کے سب سے سرکش شخص کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

اور جب ابن زیاد کی نظر امام زین العابدین پر پڑی تو اُسے بھی قتل کرنے کا حکم دیا لیکن زینبؑ نے شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن زیاد کو امام زین العابدین کے قتل کے ارادے سے باز رکھا۔

پھر چند دنوں کے بعد جب یہ قافلہ فوج کے پہرے میں قیدیوں اور شہداء کے سروں کو لے کر دمشق میں یزید کے دربار میں پہنچا تو یزید نے بہت سی باتیں کیں لیکن حضرت زینبؑ نے یزید کے دربار میں بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سننے والوں کے دل دہل گئے اور تقریر کے دوران یزید کے دربار میں سناٹا چھا گیا چنانچہ اُس نے خطرے کے پیش نظر کہ کہیں لوگ خاندان رسالت کی حمایت میں اس کے خلاف اُٹھ نہ کھڑے ہوں چنانچہ اُس نے خواتین کو اپنے محل سرا میں ٹھہرا کران کی ہر ممکن دلجوئی کرنے کی کوشش کی اور پھر چند دنوں کے بعد نعمان بن بشیر کی حفاظت میں اہل بیت کے قافلہ کو مدینہ طیبہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جب یہ قافلہ بحفاظت مدینہ طیبہ پہنچا تو دن کا اُجالا ختم ہو چکا تھا۔ اہل قافلہ کی روئیداد سُن کر مدینہ طیبہ سوگوار ہو گیا۔ سیدہ زینبؓ روضہ رسولؐ پر حاضر ہوئیں تو ان کی آنکھیں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری تھی اور رقت قلبی کے ساتھ کہا۔

نانا جان! میں آپ ﷺ کے فرزند اور اپنے بھائی حسینؓ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپؐ کی اولاد کو رسیوں سے باندھ کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

روضہ رسول ﷺ پر موجود لوگوں نے سیدہ زینبؓ کے یہ الفاظ سنے تو ہر شخص رونے لگا۔ اس کے بعد اپنی والدہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی قبر انور پر گئیں اور اس قدر زار و قطار روئیں کہ پتھر بھی پانی ہو گئے۔ پھر جب قلب اطہر کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو اپنے خاندان کے دیگر لوگوں سے مل کر انہیں سانحہ کربلا کی روداد غم سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی صبر کی تلقین کی۔[۲۲]

اسلام معاشرے کو ذلت اور برائیوں سے پاک کرنے آیا تھا اور اکثر خرابیاں دور جاہلیت کی پیداوار تھیں اور جاہلین کے افعال زیادہ شنیع ہوتے تھے اور اسکی بڑی وجہ دین اسلام سے بے رغبتی تھی، جنہوں نے دین اسلام کو دل سے قبول کیا وہ راہ ہدایت پا گئے۔

معاذہؓ اور مسکیۃؓ دو باندیاں ایسی تھیں کہ جن کے دلوں میں ایمان داخل ہوتے ہی ان کے حالات تبدیل ہو گئے۔ اس وقت باندی کی زندگی اور عمر عموماً بدکاری کے پیشہ سے وابستہ ہوتی تھی اور ان پر ایسے سخت دل اور بے ضمیر لوگ مسلط ہو جاتے تھے جو ان سے پیشہ کراتے تھے۔ باندیوں کو کمائی کی صنعت قرار دے کر ان سے خوب دولت کماتا۔

جب اسلام کا ظہور ہوا جو پاکیزگی اور پارسائی کا دین ہے،اس سے معاذہ، مسکیتہ جب آشنا ہوئیں تو ان کے دل پر اس کا بڑا خوشگوار اثر ہوا۔ ایمان کی حرارت سے ان کے دل بدل گئے۔ یہ دونوں باندیاں، منافقین کے سردار ''عبد اللہ بن ابی'' کی غلامی میں تھیں۔ یہ منافق اپنی منافقت کی کرسی پر بیٹھا پاکیزگی اور صفا کے دور میں نفاق اور برائیاں پھیلا رہا تھا۔ وہ روشنی کے مقابلے میں اندھیرا اور خیر کے مقابلے میں شر کو لا رہا تھا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ باطل کبھی بھی حق پر غالب نہیں آسکتا اور بھلائی کی ہمیشہ مدد و نصرت ہوتی ہے۔

ہوا یوں کہ ایک دن یہ اس گندی کمائی کا حساب کرنے بیٹھا تو عام معمول سے کم پایا۔ اس نے اپنے معاون دلالوں سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔ سردار جی، مدینہ میں اسلام پھیل گیا ہے اور ہمارے پاس آنے والے اکثر نوجوان اسلام قبول کر چکے ہیں اور اس دین میں بدکاری حرام ہے۔

یہ سُن کر ابن ابی غصہ سے پھٹ پڑا اور کہنے لگا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ کس طرح محمد ﷺ کو میری بادشاہت کے مقابلے میں لاتے ہیں۔ اس نے کھل کر اسلام کی دشمنی کرنا شروع کر دی۔ لیکن معاذہؓ اور مسکیتہ کے دلوں میں دین حنیف اسلام نے جڑ پکڑ لی اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ دین کیا ہے؟ اسکی دعوت کیا ہے؟ یقیناً یہ ایک دین حق ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نوجوان جو ہمارے لئے دوڑے چلے آتے تھے آج اس دین کی اتباع کر رہے ہیں۔ بس ان دونوں کے دلوں میں ایمان کے سفر کی ابتداء ہو گئی۔

ان کا پاک دل اللہ کے دین اسلام کے لئے کھل گیا اور ان دونوں باندیوں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ وہ فعل نہ کریں گی جس سے اللہ ناخوش ہو۔ کئی دن گزر جانے کے بعد ایک دن یہ دونوں عبد اللہ بن ابی کے پاس آئیں اور ان میں سے ایک کے پاس ایک دینار اور دوسری کے پاس کچھ بھی نہ تھا تو اس نے انہیں کہا کہ جاؤ اور کچھ کما کر لاؤ۔ تو انہوں نے کہا۔

''خُدا کی قسم! ہم کبھی بھی ایسا نہیں کریں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بدکاری کو حرام قرار دیا ہے''

یہ سن کر اس نے ان دونوں کو مارنا شروع کر دیا تاکہ انہیں بدکاری پر مجبور کر دے۔

جب ان دونوں کی تکلیفیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو یہ دونوں رسول کریم ﷺ کے پاس اس منافق کی شکایت لے کر آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔[۲۳]

''تمہاری جو لونڈیاں پاکدامن رہنا چاہتی ہیں اُنہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی
غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر
کے بعد بخشش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے''۔[۴۴]

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تذکرہ نازل ہونے سے یہ دونوں باندیاں بہت خوش ہوئیں اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی ۔

جب حضور ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو اسماء بنت عمیسؓ اور تقریباً باون یا ترپن لوگ یمن میں تھے ۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہجرت کی نیت سے نکلے مدینہ آنے کے لئے یہ کشتی پر سوار ہوئے لیکن کشتی انہیں نجاشی کے ملک حبشہ لے گئی وہاں انکی ملاقات ابو جعفر سے ہوئی انہوں نے وہاں انہی کے ساتھ قیام کیا اور جب وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے ۔حضرت اسماء حفصہؓ سے ملنے گئیں تو عمرؓ بھی وہاں پہنچے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ حفصہؓ نے بتایا اسماءؓ ہیں ۔

عمرؓ نے فرمایا: اچھا وہی جو حبشہ سے بحری سفر کر کے آئی ہیں ۔ اسماءؓ نے کہا کہ جی ہاں عمرؓ نے ان سے فرمایا: کہ ہم تم لوگوں سے ہجرت میں آگے ہیں اس لیے رسول کریم ﷺ سے ہم تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں ۔ خُدا کی قسم تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہو، تم میں جو بھوکے ہوتے تھے اُسے آنحضور ﷺ کھانا کھلاتے تھے اور جو ناواقف ہوتے، اُسے آنحضور ﷺ نصیحت و موعظت کیا کرتے تھے، لیکن ہم بہت دور حبشہ میں غیروں اور دشمنوں کے ملک میں رہتے تھے، یہ سب کچھ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے راستے ہی میں تو کیا اور خُدا کی قسم ! میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تمہاری بات رسول اللہ ﷺ سے نہ کہہ لوں ہمیں اذیت دی جاتی تھی، دھمکایا ڈرایا جاتا تھا، میں آنحضورؐ سے اس کا ذکر کروں گی اور آپؐ سے اس کے متعلق پوچھوں گی، خُدا گواہ ہے کہ نہ میں جھوٹ بولوں گی، نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ کسی (خلاف واقعہ بات کا) اضافہ کروں گی ۔

چنانچہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی :

یا رسول اللہ ﷺ ! عمرؓ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں ۔

آنحضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے اُنہیں کیا جواب دیا ؟ انہیں اور ان کے ساتھیوں کوصرف ایک ہجرت حاصل ہوئی اور تم کشتی والوں نے دو ہجرتو ں کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے بیان کی کہ اس واقعہ کے بعد ابوموسیٰؓ اور تمام کشتی والے میرے پاس گروہ درگروہ آنے لگے اور مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھنے لگے،ان کے لیے دنیا میں حضور اکرمؐ کے متعلق اس ارشاد سے زیادہ خوش کن اور باعث فخر اور کوئی چیز نہیں تھی ۔ [۲۵]

حضرت فاطمہ الزہراؓ نے اپنی پوری زندگی صبر، شکر، زہد وتقوی کے ساتھ گزاری۔ دنیا کے مال ومتاع سے بے رغبتی طبیعت کا حصہ بن گئی۔ دیگر صحابیات کے ساتھ غزوہ اُحد میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور زخمی مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمات سرانجام دیں۔ اس جنگ میں رسول کریم ﷺ بھی زخمی ہوئے۔آپ کے زخموں کو پانی سے صاف کیا اور ان پر کپڑا جلا کر راکھ سے پٹی کی، جس سے خون نکلنا بند ہوگیا۔ اس جنگ میں حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب شہید ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے بہت غم کیا۔حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے غزوہ خندق،غزوہ خیبر اور فتح مکہ میں بھی خدمات سرانجام دیں۔[۲۶]

جنگ یرموک میں حضرت اُم حکیمؓ بھی اپنے شوہر عکرمہؓ کے ساتھ شریک تھیں۔ آپ نے بڑی پامردی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں حضرت عکرمہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد اُم حکیمؓ نے خالد بن سعید سے نکاح کر لیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ جنوبی دمشق میں کفار کے ساتھ ایک معرکہ درپیش ہوا۔ اُم حکیمؓ نے حضرت خالدؓ بن سعید سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ اس جنگ میں کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے بعد آپ کے پاس آؤں۔حضرت خالدؓ نے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں گا جیسے آپ کی مرضی۔آپ رخصت ہوکر خالد بن سعید کے پاس آگئیں۔ شب سہاگ کے بعد صبح حضرت خالدؓ نے ولیمہ کیا۔ ولیمے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومی فوج آگئی اور خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ جس میں حضرت خالدؓ واقعی شہید ہو گئے ۔

پھر اُم حکیمؓ نے اسی خیمے کی ایک چوب اکھاڑی جس میں انہوں نے شب زفاف گزاری تھی۔ اسی لکڑی سے قتال شروع کیا اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ مرد بھی عاجز آگئے۔ انہوں نے اس لکڑی سے سات رومیوں کو قتل کیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی ۔ [۲۷]

اُم ایمنؓ نے جہاد میں بھر پور حصہ لیا غزوہ اُحد میں شریک ہوئیں زخمی مجاہدین کو پانی پلانے اور ان کی مرہم پٹی کا فریضہ سرانجام دیا۔غزوہ اُحد میں جب مسلمان پسپا ہوئے تو ان میں سے چند ایک کو اسلامی حمیت،غیرت اور خودداری کا درس دیتے ہوئے بڑا ہی تلخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمانے لگیں تم یہاں بیٹھ کر مکھیاں مارو اور تلوار میرے حوالے کرو۔[۲۸]

اُم ایمنؓ غزوہ خیبر میں دیگر صحابیاتؓ کے ہمراہ شریک ہوئیں اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان جلیل القدر صحابیات کو باقاعدہ حصہ بھی عطا کیا۔

غزوہ حنین میں حضرت اُم ایمنؓ اپنے دونوں بیٹوں ایمن اور اُسامہ کے ساتھ قافلہ مجاہدین میں شریک ہوئیں۔غزوہ حنین میں ایک موقع پر جب مجاہدین میں بھگدڑ مچی تو جو عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کو اپنے گھیرے میں لے کر ثابت قدم رہے ان میں حضرت اُم ایمنؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ شامل تھیں۔ان کا بڑا بیٹا ایمن غزوہ حنین میں شہید ہو گیا تھا۔اپنے بیٹے کی شہادت پر اُم ایمنؓ کے ایمان و یقین اور جذبہ تسلیم و رضا میں مزید اضافہ ہوا۔[۲۹]

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الا انصاریہ الاشہلتیہ نے نامور مجاہد خواتین کے زمرے میں روشن کارنامے چھوڑے بھلا ان سے ایسے کارنامے سرزد کیوں نہ ہوتے وہ تو ایسے خاندان سے تھی جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

غزوہ اُحد میں ایک کٹھن گھڑی آئی، دشمن نے رسول کریم ﷺ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔اتنے میں انصار کی ایک جماعت آگے بڑھی، ان میں خاندان اسکن کے افراد بھی تھے انہوں نے محبوب نبی کریم ﷺ کا دفاع اپنی جان ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے کیا کہ عام طور پر اس انداز میں دفاع کرنے والا مغلوب نہیں ہوتا۔ان لمحات میں محبت، بہادری، جرات، شجاعت اور قربانی کے ایسے ایسے عجیب وغریب واقعات سامنے آئے کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جاتا۔[۳۰]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ میں ایک مشرک ہتھیار سجائے صف سے نکلا اور ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کے پکارا ''ہے کوئی مقابلہ کرنے والا''؟ رسول اللہؐ نے ایک مسلمان سے

فرمایا: تم اس کے مقابلہ کو جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا اگر آپؐ فرمائیں، ادھر زبیرؓ اٹھ اٹھ کر آپؐ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپؐ کی نظر پڑی فرمایا: اچھا تم ہی چلو اے صفیہ کے بیٹے۔ حضرت زبیرؓ تو چاہتے ہی تھے، فوراً نکل کر اس کے مقابل ہوگئے۔ مقابلہ شروع ہوا، دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے خوب ایک دوسرے کو چمٹے ہوئے الٹ پلٹ ہو رہے تھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو بھی ان میں سے پہلے زمین پر گرے گا وہی ختم کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ دعا فرماتے رہے چنانچہ کافر ہی زمین پر گرا فوراً حضرت زبیرؓ سینے پر چڑھے اور قصہ ختم کر ڈالا۔[۳۱]

صفیہ بنت ابی عبید کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ اور وہ عبد اللہ (اپنے شوہر) کی وفات کے سوگ میں تھیں تو انہوں نے سرمہ نہیں لگایا یہاں تک کہ ان کی آنکھیں کیچ سے بھر گئیں۔ لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی۔[۳۲]

اُمِ علقمہ:

حجاج بن یوسف ثقفی پہلی صدی ہجری میں بنو امیہ کا مشہور فوجی افسر اور گورنر گزرا ہے۔ وہ اپنی بعض خوبیوں اور کارناموں کے باوجود تاریخ میں ایک ظالم اور سفاک انسان کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اموی حکومت یا اپنے مخالفین پر قابو پا کر ان سے نہایت بے رحمانہ سلوک کیا کرتا تھا۔ اس کی سفاکی کا شکار ہونے والے لوگوں میں صحابہ کرامؓ بھی شامل تھے اور تابعین بھی۔ عبد الملک بن مروان کے عہد حکومت میں اس نے مکہ معظّمہ پر قبضہ کرنے کے لیے خانہ کعبہ پر منجنیقوں کے ذریعے پتھر برسانے سے بھی گریز نہیں کیا۔

جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کی رو سے سفاک ٹھہرایا۔ جس زمانے میں حجاج عراق کا گورنر تھا، خوارج کے ساتھ سرکاری فوج کے کئی معرکے ہوئے۔ علماء اسلام نے اگرچہ خوارج کو مردود و مبغوض ٹھہرایا ہے لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ قرون اول کے خوارج بڑے جانباز لوگ تھے اور اپنے مقصد کی خاطر جان پر کھیل جانا ان کے نزدیک بہت معمولی بات تھی۔ پھر ان کی زندگی بہت سادہ بلکہ زاہدانہ ہوتی تھی۔ وہ عبادت الٰہی سے بہت شغف رکھتے تھے۔ اموی فوج کے خلاف لڑنے والے خارجیوں میں ام علقمہ نام کی ایک انتہائی دلیر

اور جنگجو عورت بھی تھی۔ اس نے ہر معرکے میں ایسی جرأت اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا کہ اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔ بدقسمتی سے ایک لڑائی میں وہ سرکاری فوج کے ہاتھ گرفتار ہوگئی اور اسے حجاج کے سامنے پیش کیا گیا چونکہ حجاج نے اس کے ہم مسلک لوگوں پر قابو پا کر ان کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کیا تھا اس لیے وہ اس سے سخت نفرت کرتی تھی۔ دشمن کے قبضے میں ہونے کے باوجود اس کے طنطنے میں کوئی کمی نہ آئی اور وہ حجاج کی طرف منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ حجاج نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

اے خارجیہ میرے منہ کی طرف دیکھ۔

ام علقمہ نے نہایت حقارت اور نفرت کے ساتھ کہا:

جو منہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہو چکا ہو میں اسے دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

حجاج نے غضب ناک ہو کر اپنے مصاحبوں سے پوچھا:

اس گستاخ عورت کے خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا: حلال ہے۔

یہ سن کر ام علقمہ خوفزدہ ہونے کے بجائے مسکرانے لگی۔ حجاج اس کو ہشاش بشاش اور متبسم دیکھ کر بہت حیران ہوا اور اس سے پوچھا:

اس موقع پر جب کہ موت تیرے سر پر کھڑی ہے تو کیوں مسکرا رہی ہے؟

ام علقمہ نے کہا: اس لیے کہ تیرے مصاحبوں نے تیرے دوست کے مصاحبوں کو بھی مات کر دیا۔

حجاج نے پوچھا: وہ کون میرا دوست ہے؟

ام علقمہ بولی: فرعون۔۔۔اس نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے میں اپنے درباریوں اور مصاحبوں سے مشورہ کیا تو ان سب نے یک زبان ہو کر مشورہ دیا کہ ''ارجہ و اخاہ'' یعنی اس کو اور اس کے بھائی کو چند روز کی مہلت دے لیکن تیرے مصاحب فرعون کے مصاحبوں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ ایک عورت کے قتل کا مشورہ دے رہے ہیں۔

حجاج پر ام علقمہ کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ رخصت ہونے لگی تو اس سے کہا جا میں تجھے مہلت دیتا ہوں، اپنے گھر بیٹھ اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو۔[۲۳]

بی بی ام الخیرؓ بنت حریش:

ام الخیرؓ بنت حریش بن سراقۃ البارقی کوفہ کی ایک نڈر اور بے باک خاتون تھیں ۔وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھیں اور نہایت فصیح و بلیغ رجزیہ اشعار پڑھ کر لوگوں کو ان کی مدد پر ابھارتی تھیں ۔حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ والئی کوفہ کو فرما بھیجا کہ ام الخیرؓ بنت حریش کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس دمشق بھیج دو ۔ والئی کوفہ نے ان کے حکم کی تعمیل کی ۔ جب وہ دمشق آئیں تو امیر معاویہؓ نے ان کو اپنے حرم میں اتارا اور پھرایک دن ایوان خلافت میں بلا بھیجا۔

انہوں نے دربار میں آتے ہی کہا:

السلام علیک یا امیر المومنین و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ

امیر معاویہؓ نے جواب مسنون دے کر فرمایا:

ام الخیر میں اب کس طرح امیر المومنین کے لقب کا مستحق ہو گیا؟

ام الخیر بولیں: لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَاب ترجمہ: ہر بات کا ایک وقت معین ہے۔

امیر معاویہؓ نے ان کی مزاج پرسی کی تو انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے خیرو عافیت کے ساتھ ایک روشن مجلس اور مہربان حکمران کی خدمت میں پہنچا دیا۔

امیر معاویہؓ نے فرمایا:

میں اپنے حسن نیت ہی سے تم لوگوں پر فتح مند ہوا ہوں ۔

ام الخیرؓ: اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کولغزش مقال سے بچائے ۔

امیر معاویہؓ نے فرمایا:

نہیں میرا ارادہ نیک تھا اے ام الخیر! تم کو وہ تقریر یاد ہے جو تم نے عمار بن یاسرؓ کے قتل کے وقت کی تھی؟

ام الخیرؓ: اگر پہلے سے تیار کی ہوتی تو یاد بھی رہتی، چند جملے تھے جوصدمے کے سبب آپ ہی آپ زبان سے نکل گئے تھے ۔اس کے سواء اگر کوئی اور کلام سننا چاہتے ہیں تو حاضر ہوں ۔

امیر معاویہؓ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا، کسی کو اس کی تقریر یاد ہے؟ ایک صاحب نے ام الخیر کی اس فصیح و بلیغ اور پر جوش تقریر کے چند جملے امیر معاویہؓ کے سامنے پڑھا۔ ان میں حضرت علیؓ کے فضائل بیان کیے گئے تھے اور لوگوں کو اہل شام سے لڑنے پر ابھارا گیا تھا۔

اب امیر معاویہؓ نے ام الخیر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے ام الخیر! تیری اس تقریر نے تو لوگوں کو میرے خون کا پیاسا بنا دیا تھا۔ واللہ! اگر اب میں تجھے قتل کر ڈالوں تو اس میں کوئی قباحت نہ ہو گی۔

ام الخیر: واللہ! مجھے ہرگز افسوس نہ ہوگا کیونکہ آپ کی شقاوت میری سعادت کا باعث ہو گی اور میں شہید کہلاؤں گی۔

امیر معاویہؓ: حضرت عثمانؓ کے بارے میں تو کیا کہتی ہے؟

ام الخیر: جب وہ خلیفہ ہوئے لوگ ان سے راضی تھے اور جب وہ شہید کیے گئے تو لوگ ان سے ناراض تھے۔

امیر معاویہؓ: مدح ایسی ہی گول مول ہوتی ہے؟

ام الخیر: خدا گواہ ہے اس سے کوئی اور مطلب نہیں۔ وہ سابقون الاولون میں سے تھے اور بے شک آخرت میں ان کا درجہ بلند ہے۔

امیر معاویہؓ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

ام الخیر: جن کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہو اور جو آپؐ کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ کی ہر مصیبت کے ساتھی ہوں، ان کے حق میں میری رائے کیا وزن رکھتی ہے۔

اس کے بعد ام الخیرؓ نے کہا:

اے امیر! آپ قریش میں احلم الناس مشہور ہیں۔ اس قسم کے سوالوں سے مجھے معذور رکھیے۔

چنانچہ امیر معاویہؓ نے سوالات موقوف کر دیئے اور ام الخیرؓ کو ایک بیش قرار انعام دے

کر رخصت کر دیا۔[۳۶۳]

بی بی دارمیۃ الحجونیہؓ:

حضرت امیر معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے۔ وہاں انہوں نے اہل مکہ سے بنو کنانہ کی ایک خاتون دارمیہ کا حال دریافت کیا جو حجون میں رہتی تھیں اور دارمیۃ الحجونیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ زندہ سلامت موجود ہے۔ امیر معاویہؓ نے ان کو بلا بھیجا، جب وہ امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا:

اے حام کی بیٹی! جانتی ہو کہ تم کو کیوں بلایا گیا؟

دارمیہ نے جواب دیا:

میرا حام سے کوئی واسطہ نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ تو غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔

امیر معاویہؓ نے فرمایا:

میں نے یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ تو نے حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں دیا اور مجھ سے کیوں دشمنی رکھی؟

دارمیہ: کیا آپ مجھے اس سوال کے جواب سے معاف نہ رکھیں گے؟

امیر معاویہؓ: نہیں، تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہوگا۔

دارمیہؓ: آپ اصرار کرتے ہیں تو میں بتائے دیتی ہوں، میں حضرت علیؓ کو اس لیے دوست رکھتی ہوں کہ وہ رعیت سے انصاف کرتے تھے۔ سب کو استحقاق کے مطابق حقوق دیتے تھے۔ مسکینوں سے محبت اور دینداروں کی عزت کرتے تھے۔ آپ کی اس لیے مخالف تھی کہ میری دانست کے مطابق آپ اپنے سے افضل کے ساتھ لڑے اور جس کے آپ مستحق نہ تھے۔ اس حق کے طالب ہوئے۔ آپ نے خونریزی کرائی۔۔۔۔۔

امیر معاویہؓ: کیا تو نے علیؓ کا کلام بھی سنا؟

دارمیہؒ: کیوں نہیں، خود ان کی زبان سے سنا جب وہ بولتے تھے تو دل کی گمراہی ایسے دور ہوجاتی تھی جیسے برتن کا زنگ زیتون کے تیل سا۔

اسی طرح کئی اور سوال و جواب ہوئے۔ آخر میں امیر معاویہؓ نے فرمایا:

اے دارمیہ! تیری کوئی حاجت ہوتو بیان کر میں تیری کھری کھری باتوں سے بہت خوش ہوا ہوں۔

دارمیہؒ: مجھے ایک سو سرخ اونٹنیاں عنایت کیجیے جن کے ساتھ ان کے نر اور چرواہے بھی ہوں۔

امیر معاویہؓ: ان کا کیا کرو گی؟

دارمیہؒ: بچوں کو ان کا دودھ پلاؤں گی اور بڑوں کو حیا دلاؤں گی۔ ان کی وجہ سے قبائل میں شرافت کا درجہ پاؤں گی اور ان میں امن قائم کروں گی۔

امیر معاویہؓ: اگر میں تیری یہ حاجت پوری کردوں تو پھر تیرے دل میں میرے لیے علیؓ کے برابر جگہ ہوگی یا نہیں؟

دارمیہؒ: آپ کے لیے بھی کچھ کم جگہ نہ ہوگی۔

اس پر امیر معاویہؓ نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں تیرے ساتھ حلم کا برتاؤ نہ کروں تو پھر کون ہے میرے بعد جس سے امید کی جائے۔ یہ اونٹنیاں تجھ کو مبارک ہوں اور یاد رکھ اس شخص کو جو عداوت کے جواب میں حسن سلوک کرتا ہے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے فرمایا، واللہ اگر علیؓ زندہ ہوتے تو ان حالات میں ایک اونٹنی بھی تجھ کو نہ دیتے۔

دارمیہ نے کہا: ہاں خدا کی قسم! یہ سچ ہے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک پیسہ بھی مجھے عطا نہ کرتے۔ پھر وہ امیر معاویہؓ کو دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئیں۔ [۳۵]

بی بی بکارہ ہلالیہؒ:

عرب کے قبیلہ بنو ہلال کی شیوا بیان شاعرہ تھیں اور حضرت علیؓ کی نہایت عقیدت مند اور مداح تھیں۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو انہوں نے شروع سے اخیر تک حضرت علیؓ کی پرجوش

حمایت اور حضرت امیر معاویہؓ کی پر زور مخالفت کی، اس سلسلے میں انہوں نے بہت سے اشعار کہے جو لوگوں کے دلوں میں آگ لگا دیتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں وہ اس قدر ضعیف ہو چکی تھیں کہ بدن میں رعشہ تھا اور آنکھوں سے بہت کم بجھائی دیتا تھا۔ایک دفعہ امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئیں اور سلام کر کے بیٹھ گئیں۔امیر معاویہؓ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا، بکارہ افسوس! زمانہ نے تمہاری حالت کو بہت متغیر کر دیا۔بولیں اے امیر! زمانہ کی گردش ایسا ہی تغیر وتبدل کرتی رہتی ہے جو زندہ رہ جاتا ہے وہ بڈھا ہو جاتا ہے جو مر جاتا ہے گم ہو جاتا ہے۔

اہل دربار میں سے بعض اصحاب نے امیر معاویہؓ کو بکارہ کے بعض اشعار یاد دلائے جو انہوں نے امیر کے خلاف کہے تھے۔ان میں اس قسم کے اشعار بھی تھے۔

میری آرزو تھی کہ مر جاؤں لیکن بنی امیہ کے کسی خطیب کو منبر پر نہ دیکھوں مگر
اللہ نے میری رسی دراز کر دی کہ زمانہ کی عجیب نیرنگیاں میری نظر سے
گزریں، آئے دن بنی ہاشم کے خطیب دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں۔

بکارہ نے یہ باتیں سنیں تو کہا:

اے امیر! مکرنے سے کچھ حاصل نہیں اور جھوٹی خوشامد کی مجھے عادت نہیں اور اسی قسم کے اور اشعار جو ان کو اور امیر کو معلوم نہیں، ان اشعار سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔

امیر معاویہؓ! یہ سن کر ہنسے اور فرمایا: ہوں گے لیکن یہ امر مجھے تمہارے ساتھ نیک سلوک کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔تم اپنی حاجت بیان کرو میں اسے خوشی کے ساتھ پورا کروں گا۔

بکارہ نے کہا، اس بےلطفی کے بعد اس وقت میں کوئی حاجت بیان نہیں کروں گی، پھر وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ [۳۶]

فصل سوم

جہاد بالنفس میں خواتین کی خدمات:

اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا اور اس کو گناہوں سے پاک کرنا جہاد بالنفس کہلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔

نفس کے خلاف جہاد بہت ہی مشکل ہے اس لیے کہ انسان جب اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے تو وہ گویا ہر برائی سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے اور فضول، دنیوی خواہشات کو دل سے نکال کر اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔ تزکیہ نفس کے لیے وہ اپنے آپ کو عبادت میں مشغول کر لیتا ہے جیسے روزہ رکھ کر وہ اپنے آپ کو ہر برائی سے بچا لیتا ہے اُس کے سامنے کھانا پڑا رہتا ہے لیکن وہ پورا دن بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغل گوئی یا ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ صحابیات نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہمیشہ وہ عمل کیا جو وہ کرتے تھے اور انکی وفات کے بعد بھی جاری رکھا آنحضرت ﷺ رمضان کے اخیر میں برابر اعتکاف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اُٹھا لیا پھر آپ ﷺ کے بعد آپکی بیبیاں اعتکاف کرتی رہیں۔[۳۷]

اگر انسان کسی برائی کو دیکھے اور اُس سے منع فرمائے تو وہ شخص اپنے ذمہ سے بری ہو گیا جس نے اس کام کو دل سے بُرا سمجھا وہ بھی بچا رہا اور جو کوئی برائی سے خوش رہا اُن کے ساتھ ملا رہا تو وہ برائی کے وبال میں شریک رہے گا۔

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے اُوپر ایسے حاکم مقرر ہوں گے کہ اُن کے کام تمہیں کچھ اچھے معلوم ہوں گے اور کچھ برے لہذا جس نے (بری بات سے) انکار کر دیا (اور اُسے منع کیا) واقعی وہ شخص اپنے ذمہ سے بری ہو گیا اور جس نے اس کام کو (دل سے) برا سمجھا وہ بھی بچا رہا۔ ہاں! جو کوئی (برائی سے) خوش رہا اور ان لوگوں کے ساتھ رہا (وہ اس برائی کے وبال میں شریک رہے گا) صحابہؓ

> نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ان سے جہاد نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں اُن سے جہاد نہ کرنا یعنی جو کوئی اس کام کو دل سے بُرا سمجھے اور دل سے انکار کرے (وہ شخص سالم رہا)۔[۳۸]

ایک محاورہ ہے جیسا را جا ویسا پرا جا جیسا حاکم ہو گا تو اُمت کو بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہﷺ یہ دعا کرتے تھے یا الٰہی! جو کوئی میری اُمت کے کسی کام کا والی وحاکم بنایا جائے اور وہ اُنہیں مشقت میں ڈالے تو اس پر سختی کر اور جو کوئی میری اُمت کے کسی امر کا والی بنایا جائے اور وہ اُس پر نرمی کرے تو بھی اس پر نرمی کر۔[۳۹]

اسی طرح سے وزیر بھی امیر کا ہم مزاج ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہﷺ نے فرمایا:

> جس وقت اللہ تعالٰی کسی امیر کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا وزیر سچا بنا دیتا ہے کہ اگر بادشاہ بھول جاتا ہے تو وزیر اُسے یاد دلا دیتا ہے اور اگر اُسے یاد ہوتا ہے تو اس کی تائید کرتا ہے اور جب کسی امیر کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا بُرا وزیر بنا دیتا ہے کہ اگر یہ بھول جاتا ہے تو وزیر یاد نہیں دلاتا اور اگر اسے یاد ہوتا ہے تو اس کی تائید نہیں کرتا۔[۴۰]

غزوہ اُحد میں لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر ایک بے گناہ کو شہید کر ڈالا حضرت عائشہؓ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جہادی خدمات سرانجام دے رہی تھیں اور یہ سب انکے سامنے ہوا۔ (پہلے پہل کافروں کو شکست ہوئی تو ابلیس ملعون نے دھوکا دینے کے لیے) یوں پکارا خُدا کے بندو! اپنے پیچھے والوں کی خبر لو یہ سُن کر (آگے کے) مسلمان پچھلے مسلمانوں پر ہی ٹوٹ پڑے اور انہی سے (آپس ہی میں) لڑنے لگے حذیفہ نے جو نگاہ ڈالی تو اپنے باپ کو دیکھا پکارا! خدا کے بندو! یہ (کیا غضب ہے) میرے والد ہیں میرے والد ہیں۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں مسلمانوں نے ایک نہ سُنی اس کو مار ہی ڈالا۔

حذیفہ نے یوں کہا: اللہ تم کو بخشے عروہ نے کہا خُدا کی قسم حذیفہ میں اس کلمہ کی بدولت جب تک

خُدا سے ملے کچھ بھلائی ہی رہی ۔ [۴۱]

صحابیات نیک و پارسا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بہت معمولی عورت خیال کرتیں اور آخری لمحات میں بھی اپنی تعریف کروانا پسند نہ کرتیں تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے جبکہ آپ نزع کے کرب و بے چینی میں تھیں۔ ابن عباسؓ نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میری تعریف نہ کریں کسی نے عرض کی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور خود بھی صاحب و جاہت و عزت ہیں (اس لئے آپ کو اجازت دے دینی چاہیے) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ پھر انہیں اندر بلالو۔ ابن عباسؓ نے آپ سے پوچھا: کہ آپ کس حال میں ہیں؟

آپ نے فرمایا: ''کہ اگر میں نے تقویٰ اختیار کیا ہوگا تو خیر کے ساتھ ہی گزر جاؤں گی''۔

اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا:

''کہ انشاء اللہ آپ خیر کے ساتھ ہی ہوں گی، آپ رسول کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ اور آپ کے سوا آنحضور ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، اور آپکی برأت (قرآن مجید میں) لوح محفوظ سے نازل ہوئی''۔

ابن عباسؓ کے تشریف لے جانے کے بعد آپکی خدمت میں ابن زبیرؓ حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا: کہ ابھی ابن عباسؓ آئے تھے اور میری تعریف کی، میں تو چاہتی ہوں، کہ میں ایک بھولی بسری چیز ہوتی۔ [۴۲]

صحابیات نہایت سادہ زندگی بسر کرتیں انہیں دنیوی مال و متاع سے کوئی غرض نہ تھی بعض اوقات ان کے گھروں میں کئی پہروں چولہا نہیں جلتا تھا اور پہننے کے لیے بمشکل چند ایک کپڑے تھے۔ حضرت عمران بن حصینؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مجھ سے حسن ظن رکھتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

اے عمران! تمہارا میرے نزدیک ایک خاص مقام ہے کیا تم میری بیٹی فاطمہؓ کی عیادت کو چلو گے؟

میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، ضرور چلوں گا۔ چنانچہ ہم

روانہ ہو گئے، جب ہم سیدہ فاطمہؓ کے دروازہ پر پہنچے تو حضور سرور کائنات نے دروازہ پر دستک دی اور سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی ۔سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے فرمایا،تشریف لائیے ۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے ۔

سیدہ فاطمہؓ نے دریافت کیا ، دوسرا کون ہے؟

ارشادفرمایا: عمرانؓ ۔

سیدہ فاطمہؓ بولیں

مجھے قسم ہے اس اللہ کریم جل جلالہ کی جس نے آپ ﷺ کوحق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں صرف ایک چادر سے جسم پاک چھپائے ہوئے ہوں ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے دست اقدس کے اشارے سے فرمایا:

تم اس طرح پردہ کرلو ۔

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے کہا:

اس طرح میرا جسم اطہر تو ڈھک جاتا ہے مگر سرنہیں چھپتا۔

آپ ﷺ نے ان کی طرف ایک پرانی چادرمبارک پھینکی اورفرمایا:

تم اس سے سرکوڈھانپ لو ۔

اس کے بعد آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور سلام کے بعد پوچھا:

بٹی کیسی ہو؟

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ ! مجھے دوہری تکلیف ہے ایک تکلیف تو بیماری کی ہے اور دوسری تکلیف بھوک کی ہے،میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جسے کھا کراپنی بھوک مٹا سکوں ۔

سیدہ فاطمہؓ کی یہ بات سُن کرسیدنا رسول اللہ ﷺ کی چشم اطہر میں آنسو آگئے اورفرمایا:

بیٹی ! گھبراؤ نہیں، اللہ پاک کی قسم ! میرا پروردگار عالم کے ہاں تجھ سے زیادہ مرتبہ ہے مگر میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں تو مجھے ضرور کھلائے مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنا دست شفقت سیدہ فاطمہؓ کے سر مبارک پر پھیرا اور فرمایا:

بیٹی ! دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہو تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔[۴۳]

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: کہ ایک دن میں حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ اسی اثنا میں سیدہ فاطمہؓ تشریف لائیں اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاطمہؓ ذرا پاس آؤ۔

سیدہ فاطمہؓ تھوڑا سا قریب ہوئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

فاطمہؓ نزدیک ہو جاؤ۔

سیدنا فاطمہؓ تھوڑا سا مزید پاس ہوگئیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا:

فاطمہؓ قریب ہو جاؤ۔

سیدہ فاطمہؓ حضور نبی کریم ﷺ کے مزید قریب ہوگئیں اور آپ ﷺ کے بالکل پاس سامنے کھڑی ہوگئیں۔ اس وقت سیدہ کے چہرہ اقدس پر زردی چھائی ہوئی تھی اور خون نظر نہ آتا تھا۔ حضورؐ نے اپنی مبارک انگلیاں پھیلا کر اپنی مبارک ہتھیلی سیدہ فاطمہ کے سینہ اقدس پر رکھی اور اپنا سر مبارک اُٹھا کر دعا فرمائی۔

اے میرے اللہ ! بھوک کے پیٹ کو بھر دینے والے اور حاجت روائی کرنے والے اور گرے ہوئے کو بلند کرنے والے ! فاطمہ بنت محمد کو بھوکا نہ رکھ۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ بھوک کے باعث سیدہ فاطمہؓ کے چہرہ اقدس پر جو زردی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اور خون ظاہر ہو رہا تھا۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

کہ اے عمرانؓ اس وقت سے مجھے کبھی بھوک نے تنگ نہیں کیا۔[۴۴]

ایک مرتبہ سیدہ فاطمہؓ مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے وہ روٹی کا ٹکڑا لے لیا اور دریافت فرمایا، بیٹی یہ کہاں سے آیا ہے؟ سیدہ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ تھوڑے سے جو مل گئے تھے اُن کو پیس کر روٹی پکائی تھی تا کہ بچوں کو کھلا دوں۔ بچوں کو کھلا ہی رہی تھی کہ آپ ﷺ کا خیال آ گیا اور بے اختیار یہ ایک ٹکڑا لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوگئی۔ یہ سُن کر سیدنا رسول اللہ ﷺ کی چشم اطہر میں آنسو آ گئے اور فرمایا، بیٹی!

''مسلسل چار وقتوں کے بعد روٹی کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں گیا ہے''[۴۵]

ایک دن حضور نبی کریم ﷺ فاقہ سے تھے اور بیت اطہر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا جبکہ سیدہ فاطمہؓ کے بیت اطہر میں بھی تناول کرنے کے لیے کچھ نہ تھا وہاں پر بھی فاقہ تھا سرکار مدینہ محمد رسول اللہؐ بھوک کی حالت میں بیت اطہر سے نکلے اور تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ابو بکرؓ و عمرؓ ملے ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوایوب انصاریؓ کھجوروں کے باغ میں گئے ہوئے تھے اور اتفاق سے گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی زوجہ محترمہ نے حضور اقدس ﷺ کا خیر مقدم کیا۔ حضور سرور کائناتؐ نے دریافت فرمایا کہ ابوایوبؓ کہاں ہیں؟ اسی اثنا میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جو کہ قریب ہی اپنے باغ میں موجود تھے حضور سرور کون و مکان ﷺ کی آواز سنی تو فوری طور پر کھجوروں کا گچھا توڑ کر تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش کیں۔ پھر اسی وقت ایک بکری ذبح کی نصف گوشت کا سالن پکوایا جبکہ نصف گوشت کے کباب بنوائے اس طرح کھانا تیار کر کے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھا اور فرمایا:

کہ اسے فاطمہؓ کو بھیج دو اُس پر کئی دنوں کا فاقہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت ابوایوب انصاریؓ نے سیدہ فاطمہؓ کے بیت

اطہر میں بھجوا دیا۔ پھر حضور اکرمؐ نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ کھانا تناول فرماتے ہوئے حضور اکرم ﷺ پر رقت طاری ہوگئی اور ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیوی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔[۴۶]

ابو طالب کی وفات کے قریباً دو ماہ بعد رمضان ۱۰ھ نبوی میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کو بڑی محبت تھی وہ آنحضرت ﷺ کی تمام مصائب و تکالیف میں رفیق تھیں۔ سب سے پہلے وہی آپؐ پر ایمان لائی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی ہمت بند ھائی۔ اور مصیبتوں میں آپ ﷺ کو تسلی دی تھی۔ ابو طالب اور خدیجہ دونوں حضورؐ کے رفیق و ہمدرد تھے۔ اُن کی وفات نے آنحضرت ﷺ کو بہت غمگین بنا دیا۔ اور ساتھ ہی قریش کی ایذاء رسانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے کہ کسی شریر نے آپ ﷺ کے سر پر بہت سی کیچڑ اُٹھا کر ڈال دی۔ حضور ﷺ کی ریش مبارک کے تمام بال آلودہ اور جسم مبارک کے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ آپؐ اسی حالت میں اپنے گھر کے اندر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ پانی لے کر اُٹھیں۔ وہ آپ ﷺ کا سر مبارک دھلاتی جاتی تھیں اور زارو قطار رو رہی تھیں۔

آپؐ نے فرمایا:

بیٹی رومت۔ خُدا تعالیٰ تمہارے باپ کی خود حفاظت کرے گا۔[۴۷]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، کہ میرے شوہر ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مجھ کو اونٹ پر بٹھایا اور میری گود میں میرا چھوٹا بچہ سلمہ تھا، جب ہم روانہ ہوئے تو میرے قبیلہ کے لوگوں نے ابو سلمہؓ کو آکر گھیر لیا۔ اور کہا کہ تو تو جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تو ہماری لڑکی کو لے جائے۔ اتنے میں ابو سلمہؓ کے قبیلے والے بھی آگئے۔ انہوں نے کہا کہ تو چلا جا۔ لیکن بچہ ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے۔ اسے نہیں لے جا سکتا۔ چنانچہ بنو عبد الاسد تو بچہ کو چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ اُم سلمہؓ کو لے گئے۔ ابو سلمہؓ تنہا مدینہ کو چلے گئے۔ ام سلمہؓ سے خاوند اور بچہ دونوں جُدا ہو گئے۔ اور ابو سلمہؓ نے بیوی اور بیٹے دونوں کو چھوڑ کر ہجرت کا ثواب حاصل کیا۔

جب حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کی اور حضور اکرم ﷺ، حضرت علیؓ کو صرف

اس لیے چھوڑ گئے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے پاس بہ احتیاط تمام پہنچ جائیں۔

کفار حضرت علیؓ کو چھوڑ کر سیدھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہنچا۔ دروازے پر آواز دی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ باہر نکلیں۔ ابو جہل نے پوچھا۔لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟ بولیں مجھے خبر نہیں۔ یہ سُن کر اُس نے اس زور سے طمانچہ مارا کہ اُن کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔لیکن حضرت اسماء نے اُف تک نہ کہا اور اسلام کی راہ میں ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں۔[۴۸]

غزوہ اُحد جو ۳ھ میں ہوا۔اس میں تین ہزار جنگجو اور جنگ نبرد آزما بہادروں کا لشکر ماہ شوال کی ابتدائی تاریخوں میں روانہ ہوا۔ جنگ بدر کے مقتول سرداران قریش کی لڑکیاں اور بیویاں بھی ہمراہ چلیں۔ کہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کو قتل ہوتا ہوا دیکھیں۔شعراء بھی ساتھ تھے۔ وہ اپنے اشعار سنا سنا کر راستہ بھر بہادروں کے دلوں میں لڑائی کا جوش اور شوق پیدا کرتے ہوئے آیا۔مسلمانوں نے قریش کی عورتوں کو جو پیچھے دف بجا بجا کر اشعار گا رہی اور اپنے مردوں کو لڑنے کی ترغیب دلا رہی تھیں۔ دیکھا کہ وہ اپنا تمام ساز و سامان چھوڑ چھاڑ کر بھاگ رہی ہیں اور بھگوڑوں کے ساتھ شامل ہو رہی ہیں۔ ہند بنت عتبہ بھی جو عورتوں کی جرنیل تھی بدحواسی کے ساتھ بھاگی اور اپنا تمام سامان میدان میں چھوڑ گئی۔[۴۹]

حضرت اُم عمارہؓ جن کا نام نسیبہ بنت کعبؓ تھا۔مسلمانوں کے ساتھ یمامہ کی طرف نکلیں اور بذات خود جنگ میں شریک ہوئیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلیمہ کو قتل کرا دیا۔ وہ اس حالت میں وہاں سے واپس ہوئیں۔ کہ تلواروں اور برچھوں کے بارہ زخم انہیں لگے تھے۔یعنی انہوں نے عورت ہونے کے باوجود اتنے زخم کھا کر بہادری اور شجاعت کا اعلیٰ مظاہرہ پیش کیا جس کی مثال نہ تاریخ میں ہے اور نہ آئندہ دی جا سکتی ہے۔[۵۰]

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ کئی غزوات میں شریک ہوئی، جن میں قتال بھی تھا اور خوف بھی مثلاً مریسیع ، خیبر، فتح مکہ اور غزوہ حنین وغیرہ۔لیکن ہمارے نزدیک غزوۂ خندق سے بڑھ کر رسول کریم ﷺ کیلئے زیادہ تکلیف دہ اور خوف ناک جنگ کوئی نہیں تھی۔ اس میں مسلمان ریوڑ کی مثل ہو چکے تھے۔ بنی قریظہ سے ہماری اولادیں محفوظ نہیں تھیں۔ مدینہ طیبہ میں صبح تک پہرہ لگایا جاتا تھا۔ ہم شہر میں مسلمانوں کی تکبیر کی آواز سنتے تھے۔ یہاں تک کہ خوف کی حالت میں بھی

ان کی صبح ہو جاتی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناراض ہو کر واپس لوٹا دیا اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔[۵۱]

زرقا بنت عدی

زرقا بنت عدی دربار میں حق گوئی کا مظاہرہ کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ عدی بن قیس ہمدانی کی بیٹی تھی۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس عمر، سعید۔ عتبہ اور ولید موجود تھے تو اس وقت زرقا بنت عدی کا ذکر ہوا۔ یہ اپنی قوم کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھی۔ سب نے ان کے اشعار سنائے جن سے اس کی قوم اشتعال میں آ کر حضرت معاویہؓ کی فوجوں پر حملہ کرتی تھی۔ زرقا کو امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ امیر معاویہؓ نے اس سے کہا: ''اے زرقا تو کیا جنگ صفین میں سرخ اونٹ پر موجود نہ تھی اور کیا تو اپنے خطبوں کے تیز و تند کلمات سے آتش حرب کو بھڑکا نہیں رہی تھی اور لوگوں کو قتل و خون میں لتھڑنے کے لیے جوش نہیں دلا رہی تھی، آخر اس کا سبب؟''

زرقا ''زمانہ انقلاب انگیز ہے حوادث و واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے''۔

امیر معاویہؓ نے اس موقع پر زرقا بنت عدی کو وہ تقریر جو اس نے جنگ صفین میں سپاہیوں میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لیے کی تھی یاد دلائی، ''تم اس فتنہ سے بچو جو ظلمت کے پردے ڈال رہا ہے، لوگوں کو راہ راست سے بہکا رہا ہے۔ یہ کیسا اندھا، بہرا اور گونگا فتنہ ہے کہ نہ ہانکنے والوں کی ہانک سنتا ہے اور نہ کھینچنے والوں کی مرضی پر چلتا ہے دیکھو چراغ آفتاب کے سامنے روشن نہیں یعنی علیؓ کی موجودگی میں معاویہؓ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ستارے چاند کے سامنے ماند رہتے ہیں پس اے مہاجرین! یاد رکھو یاد رکھو عورتوں کی آرائش مہندی سے اور مردوں کی خون سے''۔

یہ الفاظ سنانے کے بعد امیر معاویہؓ نے کہا: ''اے زرقا! جو خون علیؓ نے بہائے ان میں تو بھی شریک تھی''۔

زرقا، ''امیر المومنین! خدا آپ کا بھلا کرے! گزشتہ واقعات سنا کر آپ نے میرے دل کو پرجوش بنا دیا اور میری مردہ روح کو پھر زندہ کر دیا''۔

امیر معاویہ: ''تمہیں اس بات پر اب بھی خوشی ہے کہ تم علیؓ کے ساتھ تھی''۔

زرقا: نہ صرف خوشی بلکہ فخر بھی ہے۔

امیر معاویہؓ: علیؓ کے ساتھ تیری وفاداری اس کی وفات کے بعد زیادہ قابل عزت ہے بہ نسبت اس محبت وعقیدت کے جو اس کی زندگی میں تم اس کے ساتھ رکھتی تھی۔ اے زرقا! جس چیز کی تجھے خواہش ہو مجھ سے مانگ، تجھ جیسی قابل، وفادار اور حق گو عورت کی ضروریات کا پورا کرنا میرا فرض ہے۔

زرقا: جس کے خلاف میں ہمیشہ اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہی۔ لڑائیوں میں فوج کو بھڑکاتی رہی اب اس سے کس منہ سے سوال کروں؟[۵۲]

امیر معاویہؓ نے زرقا جیسی بہادر اور حق گو عورت کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اور اس کے ہمراہیوں کو انعام و اکرام اور خلعت فاخرہ دے کر رخصت کیا۔ قرون اولیٰ کی مسلمان عورتوں جیسی بے غرضی راست بازی اور حق گوئی آج کے مسلمان مردوں میں بھی نظر نہیں آتی۔

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ [۵۳] فرماتیں ہیں کہ میں ہجرت کے لیے سفر کی تیاری کر رہی تھی، ہند بنت عتبہ[۵۴] سے ملاقات ہوئی کہنے لگیں اے نورچشم محمد ﷺ مجھے معلوم ہوا ہے تم اپنے باپ کے پاس جانے کا ارداہ کر رہی ہو؟ میں نے کہا لیکن میرا ارادہ تو یہ نہیں تھا (کہ تمہیں اطلاع کروں) ہند بولیں، بھتیجی ایسا مت کرو اگر تمہیں سفر کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو یا اپنے باپ کے پاس تم کچھ لے جانا چاہو تو میں مہیا کر دوں، مجھ سے بالکل نہ چھپاؤ، عورتوں کے معاملات میں اس طرح (پردہ داری) نہیں ہوتی جیسی مردوں کے معاملات میں ہوتی ہے۔

میں نے کہا: خدا کی قسم! یہ میرا مقصد نہیں ہے (کہ میں کسی ضرورت کو چھپا رہی ہوں)۔ ہند بولیں یہ نہیں ہو گا، تمہیں میرا کہا کرنا پڑے گا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں ہند سے ڈرتی تھی اس لیے پہلے ہی سے ایسا ارادہ نہیں تھا۔ الغرض میں نے سامان باندھا اور اپنے دیور کنانہ کے ساتھ (مدینہ کو) روانہ ہوئی۔ کنانہ تیر کمان ساتھ لیے ہوئے تھے۔ ہم دن میں ہی روانہ ہوئے، کنانہ آگے آگے تھے۔ قریش میں شور ہو گیا اور تعاقب کر کے ذی طوی کے مقام پر انہیں جا لیا۔ سب سے پہلے ھبار ابن اسود آگے بڑھا اور رحمت للعالمین کے جگر پارے کو نیزہ سے ڈرایا۔ آپ اس وقت حمل سے بھی تھیں، نیچے گر گئیں۔ کنانہ نے ٹھہر کر ترکش سے تیر نکالے اور کفار سے کہا: اگر کسی نے قریب آنے کی ہمت کی تو تیر جگر کے پار ہو گا۔ کفار ڈر کر ہٹ گئے۔

ابو سفیان بولے کنانہ! ذرا تیر اندازی روکو، ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔ کنانہ رک گئے۔ ابو سفیان نے قریب آ کر کہا، تم اعلانیہ سب کی آنکھوں کے سامنے اس طرح انہیں (زینبؓ) کو لے کر چل دیئے یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ تم کو معلوم ہے محمدؐ کی وجہ سے ہم کن مصیبتوں اور ذلتوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس طرح دن دہاڑے سب کے سامنے تم کوچ کرو گے تو اس کا مطلب ہماری سراسر ذلت اور کمزوری اور بے بسی ہو گا (کہ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے)۔ اور سچ مانو! ہم حضرت زینبؓ کو ہرگز ان کے والد محمدؐ کے پاس جانے سے نہیں روکتے، نہ ہمیں اس پر کوئی گرانی ہے۔ لیکن اب تو انہیں واپس لے چلو جب یہ شور و شغب کم ہو جائے اور یہ بھی (دل کی تسلی کے لیے) کہہ لیں کہ ہم لوٹا لائے۔ تب خاموشی سے لے جانا اور ان کے باپ کے پاس پہنچا دینا۔ (یوں کھلم کھلا تو ہمیں رسوا نہ کرو) کنانہ نے یہی کیا۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں حضرت زینبؓ کسی کے ہمراہ روانہ ہوئیں، پیچھے سے قریش کے دو آدمیوں نے جا کر روک لیا، مقابلہ ہوا اور ان دو نے حضرت زینبؓ کے ہمراہی کو مغلوب کر لیا اور بدبختوں نے صاحبزادیؓ کو بھی دھکا دیا۔ وہ نیچے گر گئیں، نیچے پتھر تھا اس پر گریں۔ آپ حاملہ تھیں، اسقاط ہو گیا اور بری طرح خون بہنے لگا، اٹھا کر ابو سفیان کے گھر لائی گئیں۔[۵۵]

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں کشمکش ہوئی۔ بنی امیہ کہتے تھے کہ ہمارے چچیرے بھائی ابوالعاص کی بیوی ہیں اس لیے ہمارے ہاں رہیں گی۔ آپ ہند بنت عتبہ کے پاس ٹھہریں۔ ہند بار بار کہتی تھیں! زینبؓ، یہ سب تمہارے باپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ کو اپنی انگوٹھی عنایت کی تاکہ صاحبزادی کو دے دیں۔ حضرت زیدؓ مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو لے جانے کا راستہ ڈھونڈتے رہے۔

ایک چرواہا ملا پوچھنے لگے کس کے چرواہے ہو؟ اس نے کہا ابوالعاص کا، پوچھا بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے کہا زینبؓ بنت محمدؐ کی ہیں۔ زید نے اس کو رازدار بنایا اور پوچھا میں ایک چیز دوں کیا تم زینبؓ کو دے آؤ گے؟ مگر کسی سے تذکرہ بالکل نہ کرنا۔ اس نے وعدہ کیا، حضرت زیدؓ نے سرکار ﷺ کی انگوٹھی اسے دے کر کہا یہ زینبؓ کو دے آؤ۔ حضرت زینبؓ دیکھتے ہی پہچان گئیں اور چرواہے سے پوچھا

کہ یہ انگوٹھی تجھے کس نے دی؟ اس نے کہا: کہ فلاں آدمی نے دی ہے، پوچھا وہ کہاں ہے؟ چرواہے نے بتایا فلاں جگہ ملا تھا۔حضرت زینبؓ خاموش ہوگئیں اور رات کو چپ چاپ نکل کر آئیں۔حضرت زیدؓ [۵۶] موجود تھے۔ زید نے عرض کیا: صاحبزادی پہلے سوار ہو جائیں۔حضرت زینبؓ نے کہا نہیں پہلے تم سوار ہو ۔زید سوار ہو گئے پھر صاحبزادی سوار ہوئیں اور مدینہ پہنچ گئیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری سب سے اچھی بیٹی ہے جسے میری وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی۔[۵۷]

اوائل ۴ھ بعد بعثت میں جب رحمت عالم ﷺ نے اعلانیہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین مکہ فرط غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوت حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔جب مظالم نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو ۵ھ بعد بعثت میں حضورؐ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند عیسائی تھا۔ چنانچہ پہلی بار گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔

۶ھ بعد بعثت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رخ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس [۵۸] اور ان کے شوہر حضرت جعفرؓ [۵۹] بن ابی طالب [۵۹] بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے بعد حبش سے مکہ آ گئے تھے لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناسازگار پا کر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

قریش مکہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔حبش پہنچ کر یہ لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے۔مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔قریش مکہ کو اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کا یہ امن چین گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس ایک وفد تحفے تحائف دے کر اس مقصد کے لیے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔

اس وفد کی قیادت عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بڑے ذہین اور منجھے

ہوئے سیاست دان تھے۔ انہوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کے درباریوں کو تحفے تحائف دے کر رام کر لیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہ وفد قریش کی حمایت کریں گے۔اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح آدمیوں نے ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دین کے خلاف ہے۔ اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے جو ہمارے پاس سے بھاگ کر آئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں گمراہی پھیلا رہے ہیں بطارقہ اور درباریوں نے وفد قریش کی پر زور تائید کی لیکن نجاشی ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ تھا، اس نے کہا جب تک میں خود ان لوگوں کو بلا کر تحقیق احوال نہ کر لوں انہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا چنانچہ اس نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

دوسرے دن تمام مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان سب نے حضرت اسماءؓ کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو اپنا ترجمان بنایا۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: ''اے لوگو، وہ کون سا مذہب ہے جس کے لیے تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے؟''حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا اور نجاشی کو مسلمانوں کو پناہ دینے پر رضا مند کر لیا۔[۲۰]

حضرت اسماءؓ بنت عمیس ۔ ان کے شوہر جعفرؓ بن ابی طالب اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران میں سرور عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، احد، خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسماءؓ اور حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے، اپنے ان بھائیوں کے آنے سے انہیں دوہری خوشی ہوئی ۔ رحمت عالمؐ نے حضرت جعفرؓ کو گلے سے لگایا، ان کی پیشانی چومی اور فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے''۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماء بنت عمیس اُم المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے ان کے گھر گئیں اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ اس وقت بعض صحابہؓ کا خیال تھا کہ حقیقی مہاجرین اولین وہی ہیں

جنہوں نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی لیکن سرور کائنات ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ جن اصحاب نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ان کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا اور اس اعتبار سے مہاجرین مدینہ کو مہاجرین حبشہ پر فضیلت نہیں دی جا سکتی چونکہ یہ وضاحت حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کے استفسار پر فرمائی تھی، اس لے مہاجرین حبشہ بار بار ان کے پاس آتے تھے اور یہ حدیث سن کر مسرور ہوتے تھے۔

حضرت اسماءؓ اور ان کے شوہر نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان پر آزمائش کا وقت آ گیا۔ ۸ھ میں شام کے ایک قصبہ موتہ کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے رسول اکرمؐ کے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضورؐ کا نامہ مبارک حاکم بصری حارث بن شمر غسانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرجیل کی یہ حرکت سرور دو عالمؐ کو سخت ناگوار گزری اور آپؐ نے حارث بن عمیر کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر موتہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حب النبی حضرت زید بن حارثہ کر رہے تھے او راس میں حضرت جعفرؓ بھی شامل تھے۔ حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو رخصت کرتے وقت فرمایا: ''اگر اس لڑائی میں زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ امیر ہوں گے۔ اگر جعفرؓ بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے''۔

موتہ کے علاقے میں اتفاق سے ان دنوں ہرقل شاہ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقان میں مقیم تھا۔ شرجیل نے اس سے مدد مانگی۔ ہرقل نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ قیس۔ جذام، لخم وغیرہ کے جنگجو عیسائی قبائل بھی شرجیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ موتہ مدینہ منورہ سے بہت دور تھا، اس لیے مزید کمک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعث ننگ۔ مسلمان اللہ کے بھروسے پر غنیم کے ٹڈی دل سے نبرد آزما ہوئے۔ موتہ کے میدان میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور اس جرأت اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفریں پکار اٹھی۔

تقریباً نوے زخم اس مردحق نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی بھی پشت پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ

قلم ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے علم سنبھالا ، دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں علم پکڑ لیا۔دشمنوں کا ہرطرف سے نرغہ تھا۔تیروں اور تلواروں کی بارش ہورہی تھی۔ آخر رسول اکرمؐ کا یہ قوی بازو اور دین حق کا یہ سچا علمبردار شہید ہو گیا۔ اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری [۶۱] نے سنبھالا۔وہ بھی دادِشجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالدبن ولید [۶۲] نے علم سنبھالا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا ’’اے غازیان دین! جنت الفردوس تمہارا انتظار کر رہی ہے اور پیچھے ہٹنے والوں کے لیے جہنم کے شعلے دہک رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور رضائے الٰہی کو پالو‘‘۔

مسلمانوں نے اب کمر سے کمر جوڑلی اور ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ حملہ شروع کیا۔لڑتے لڑتے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے نوتلواریں ٹوٹیں اور بالآخر غازیان دین کی بے پناہ شجاعت نے اپنے سے چالیس گنا جمعیت کو پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔غنیم کے پسپا ہو جانے کے بعد حضرت خالدؓ لشکر اسلام کو نہایت وقار کے ساتھ بچا کر واپس لے آئے۔

جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے کر دیا۔حضورؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرامؓ لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپؐ کے سامنے ہو رہی ہے، جب حضرت جعفرؓ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جام شہادت پیا تو حضورؐ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور آپؐ نے فرمایا ’’میں جنت میں جعفرؓ کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں‘‘۔حضورؐ کے اس ارشاد کے مطابق حضرت جعفرؓ اور ذوالجناحین کے القاب سے مشہور ہوئے۔ جب حضرت خالدؓ نے علم اٹھایا تو حضورؐ نے فرمایا ’’اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم سنبھالا ہے‘‘، چنانچہ اس دن سے حضرت خالدؓ سیف اللہ کے خطاب سے پکارے جانے لگے۔

اس واقعے کے بعد حضورؐ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے،وہ اس وقت آٹا گوندھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ’’جعفرؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ‘‘۔حضرت اسماءؓ نے بچوں کو خدمت اقدس میں پیش کیا۔حضورؐ نے نہایت غم و اندوہ کی حالت میں بچوں کو گلے سے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔حضرت اسماءؓ حضورؐ کے آبدیدہ ہونے سے پریشان

ہو گئیں اور دریافت کیا۔

''یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ غمگین کیوں ہیں، کیا جعفرؓ کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا، ''ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں''۔

اس سانحۂ جانگداز کی خبر سنتے ہیں حضرت اسماءؓ کی چیخ نکل گئی، ان کی گریہ و زاری سن کر آس پڑوس کی خواتین جمع ہو گئیں۔ رحمت دو عالم ﷺ واپس تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات کو ہدایت فرمائی کہ آل جعفرؓ کا خیال رکھنا وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں سینہ کوبی اور بین سے منع کرنا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی اپنے شجاع چچا کی مفارقت کا شدید صدمہ ہوا اور وہ ''واعماہ واعماہ'' کہہ کر روتی ہوئی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے باچشم پرنم فرمایا ''بے شک جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے''۔ اس کے بعد حضورؐ نے اپنی لخت جگر سے فرمایا ''فاطمہ جعفر کے بچوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ اسماءؓ آج سخت غمزدہ ہے''۔[۶۳] تیسرے دن رحمت عالمؐ پھر حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔

لیلیٰ الاخیلیّہ:

پہلی صدی ہجری میں ایک نامور عرب شاعرہ ہوئی ہے۔ اس کے والد کا نام عبداللہ بن الرّحال بن کعب بن معاویہ تھا جو قبیلہ عقیل بن کعب سے تھا۔ اس کے اسلاف میں سے کسی شخص کا لقب الاخیل (یعنی باز) تھا۔ اسی لیے اس خاندان میں یہ نام عام ہو گیا تھا۔ لیلیٰ کو بھی اسی نسبت سے الاخیلیہ کہا جاتا تھا۔

کہتے ہیں کہ لیلیٰ کو اپنے ابن عم توبہ بن حیر الخفاجی سے بہت محبت تھی۔ توبہ بھی اس سے شادی کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے عبداللہ بن الرحال سے لیلیٰ کا رشتہ مانگا لیکن اس نے توبہ کی درخواست منظور نہ کی اور لیلیٰ کی شادی بنی الادلع کے ایک شخص سے کر دی۔ تاہم لیلیٰ کے دل سے توبہ کی یاد نہ گئی۔ توبہ اپنے قبیلے کا نامی شہسوار تھا اور اکثر اردگرد کے قبائل پر چھاپے مارتا رہتا تھا۔ لیلیٰ کی شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں قبیلہ عوف بن عامر عقیل نے توبہ کو اس کے آئے دن کے چھاپوں سے تنگ آ کر مار ڈالا۔ لیلیٰ کو خبر ہوئی تو اس کو سخت صدمہ پہنچا اور اس نے توبہ کے غم میں نہایت

دردناک مرثیے کہے۔ یہ مرثیے عربی ادب میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

لیلیٰ نہ صرف اعلیٰ درجے کی مرثیہ گوتھی بلکہ مدحیہ اشعار بھی کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان اورحجاج بن یوسف ثقفی کی مدح میں بھی بے شمار قصائد نظم کیے جوفصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہیں۔

لیلیٰ نے اپنے اشعار میں اوربھی کئی لوگوں کو اپنا ممدوح بنایا۔ ایک دفعہ عرب کے نامور شاعر فرزدق سے کسی نے پوچھا کہ کیا تجھے کسی دوسرے شاعر کے کلام پر رشک بھی آیا ہےتو اس نے کہا کہ مجھے کبھی کسی کے شعر پر رشک نہیں آیا لیکن لیلیٰ الاخیلیہ کے ان اشعار پر جواس نے عمرو بن خلیع کی مدح میں کہے ہیں مجھے اکثر رشک آتا ہے۔

يا ايها الدم الملوى راسه
ليقود عن امر الحجاز بريما
اتريد عمرو بن الخليع ودونه
كعب اذًا ا؛و كدتب، رؤما
ابن الخليع ودهطه فى عامر
كالقلب ليس حوء حوء أو حزيما
لا تغرون الدهر المطرف
لا ظالما أبداً ولا مظلوما
قوم رباط الخيل وسط بيوتهم
واسنة زرق تخال نجوما
ومخرق عن القميص تخاله
بين البيوت من الحياء سقيما
حتىٰ اذا رفع اللواء رايته

تحت اللواء على الخميس زعيما

لن تستطيع بان تحول عزهم

حتیٰ تحول ذالهضاب ليسوما

ان سالموك ندعهم من هذه

وارتد كفی لك بالرقا و نعيما

ترجمہ: اے کج کلاہ نوجوان، کیا تو حجاز کے بیچ میل لشکر کے ساتھ عمرو بن خلیع پر چڑھائی کرے گا، اس کی حمایت پر تو کعب ہے تو اسے رحم کیا گیا پائے گا۔خلیع اور اس کی قوم، بن عامر میں دل کر طرح محفوظ ہیں۔ آل مطرف کو تو کبھی دھوکا نہیں دے سکتا، نہ ظالم بن کر نہ مظلوم بن کر، یہ ایسی قوم ہے کہ گھوڑوں کے اصطبل اور چمکتے ہوئے تیر جن کو تو نارا گمان کرے،ان کے گھروں میں ہیں اور ان کے گھروں میں سردار ہے کہ جس کے کپڑے خدمت کرتے کرتے پھٹ گئے ہیں،تو اسے دیکھے کہ یہ تو بیمار ہے، حیا کے سبب سے یہاں تک کہ جنگ کا جھنڈا بلند ہو تو تو اسے علم کے نیچے بڑے لشکر کا سردار پائے گا، ان کی عزت ہل نہیں سکتی، جب تک کہ پہاڑ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اگر وہ تجھ سے صلح کریں تو غنیمت جان اور سو جا،ہی نعمت تیرے لیے کافی ہے۔

لیلیٰ کو کئی مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ، خلیفہ عبدالملک اور حجاج سے گفتگو کا موقع ملا۔ اس گفتگو کی تفصیل مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی فصیح البیان، روشن دماغ اور ذہین خاتون تھی۔ ایک دفعہ حجاج کے پاس گئی اور ایک رات اس کی ایک بیوی کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو حجاج سے رخصت ہونے آئی تو اس نے اپنے غلام سے کہا ۵۰۰ دے دو۔ لیلیٰ نے کہا، اے امیر: شاید آپ کی مراد پانچ سو اونٹوں سے ہے۔ ایک درباری نے کہا، نہیں بکریاں دی جائیں گی۔ لیلیٰ نے کہا یہ امیر کی شان کے خلاف ہے،وہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔حجاج کا ارادہ فی الواقع بکریاں دینے کا تھا لیکن لیلیٰ کی باتیں سن کر وہ ایسا شرمندہ ہوا کہ بکری کا لفظ تک زبان پر نہ لا سکا اور اس کو پانچ سو اونٹ دے کر ہی رخصت کیا۔

علامہ اصمعیؒ کا بیان ہے کہ لیلیٰ نے بڑھاپے میں حجاج سے درخواست کی کہ وہ اسے اس کے ابن عم قتیبہ بن مسلم کے پاس خراسان پہنچا دے لیکن کہتے ہیں کہ جب وہ واپس آ رہی تھی تو راستے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے برعکس ابوالفراج اصفہانی کا بیان ہے کہ لیلیٰ توبہ بن حمیر کی قبر پر فوت ہوئی۔ اس سلسلے میں اس نے طویل کہانی بیان کی ہے۔[۱۴]

عقیلہ بنت ابی النجاد بن النعمان

پہلی صدی ہجری کے مشہور عرب شاعر فرزدق کا بیان ہے کہ ہماری قوم کے ایک شخص کے دو غلام گم ہو گئے (یا بھاگ گئے) وہ اونٹنی پر سوار ہو کر ان کی تلاش کے لیے نکلا۔ راستے میں وہ بادوباراں کے طوفان میں گھر گیا۔ قریب ہی بنو حنیفہ کا ایک گھر نظر آیا۔ وہ پناہ لینے کے لیے اس گھر کے اندر بطور مہمان چلا گیا اور اپنی اونٹنی کو باہر ایک طرف بٹھا کر باندھ دیا۔ وہاں اسے ایک عجیب واقعہ پیش آیا جسے اس نے اس طرح بیان کیا:

مجھے وہاں بیٹھے کچھ دیر گزری تھی کہ ایک حسین لڑکی جس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں، آئی اور پوچھا، یہ کس کی اونٹنی ہے؟ ایک سیاہ فام کنیز نے جو پہلے ہی میرے پاس بیٹھی تھی، کہا، تمہارے اس مہمان کی۔ اس نے میری طرف رخ کر کے کہا: ''السلام علیکم''۔

میں نے سلام کا جواب دیا تو اس نے پوچھا، آپ کس قبیلے سے ہیں؟

میں نے کہا، بنی حنظلہ سے۔

اس نے پوچھا، بنی حنظلہ کے کون سے خاندان سے؟

میں نے کہا، بنی نہشل سے۔

اس پر وہ مسکرائی اور کہا، تو آپ ان لوگوں سے ہیں جن کے گھرانے کی فرزدق نے تعریف کی ہے۔

ان الذی سمک السما بنی لنا

بیتاً دعائمہ اعزو اطول

بے شک جس ذات نے آسمان کو بلند و بالا بنایا ہے اس نے ہمارے لیے ایسا گھر تعمیر کیا ہے

جس کے ستون نہایت مضبوط اور بڑے طویل ہیں۔

بیتاً زوارة محتسب بفنائه

ومجاشع ابو الفوارس نهشل

ایسا گھر جس میں بڑے بڑے نامور لوگ آتے رہے اور مجاشع ابو الفوارس بھی آ چکے ہیں۔

میں نے کہا، ہاں۔۔۔اور مجھ کو یہ شعر بہت پسند آئے پھر وہ ہنسی اور کہا، لیکن ابن الخطفی نے تمہارے اس گھر کو اپنے اس شعر سے ڈھا دیا ہے۔

اخزی الذی رفع السماء مجاشعاً

وبنی بناء بالحفیض الاسفل

یعنی جس ذات نے آسمان کو رفعت عطا کی ہے اس نے مجاشع کو ذلیل و رسوا کر دیا اور اس کے لیے سب سے نیچے خشک جگہ میں ٹھکانا بنایا ہے۔

یہ شعر سن کر میری طبیعت مکدر ہوگئی اور اس کے آثار میرے چہرے پر بھی نمودار ہوئے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا، آپ رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ زمانے کا یہی دستور ہے کہ ایک کہتا ہے اور ایک سنتا ہے۔

پھر اس نے پوچھا: آپ کہاں جائیں گے؟

میں نے کہا، یمامہ۔

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، آپ کی منزل مقصود آپ کے سامنے ہی ہے۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھا۔

تذکرنی بلاداً خیر اهلی

بها اهل المروءة والکرامة

تو نے مجھے ایسا علاقہ یاد دلایا ہے جس کے باشندے میرے بہترین ساتھی ہیں جو بڑی مروت اور بزرگی کے حامل ہیں۔

میں نے پوچھا۔۔۔تمہارا عقد ہو گیا ہے یا نہیں؟

اس نے جواب دیا:

اذا وقـد الـنـيـام فـان عـمـرا

تـورقـه الهـمـوم الـى الـصبـاح

جب سونے والے گہری نیند سو جاتے ہیں تو عمرو کو تفکرات صبح تک بیدار رکھتے ہیں۔

میں نے پوچھا۔۔۔ یہ عمرو کون ہے؟

اس نے جواب میں شعر پڑھا:

سـالـت ولـو عـلـمـت كـفـفـت عـنـه

ومـن لـك بـالـجـواب سـوى الـخـبـيـر

تو نے عمرو کے بارے میں پوچھا ہے اگر تجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو اس سوال سے رک جاتا بجز خوب جاننے والے کے اور تجھے اس کا جواب کون دے سکتا ہے۔

پھر کچھ اور شعر پڑھے اور دفعتہً خاموش ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ سن رہی ہے۔ پھر اس کی زبان پر یہ شعر جاری ہوگئے۔

بـخـيـل لـى هـيـا عـمـرو بـن كـعـب

كـانـك قـد حـمـلـت عـلـى الـسـريـر

مجھے خیال ہوتا ہے کہ اے عمرو بن کعب۔ گویا لوگ تیرا جنازہ اٹھائے لیے جاتے ہیں۔

فـان تـك هـكـذا يـا عـمـروانـى

مـبـكـرة عـلـيـك الـىٰ الـقـبـور

پس اے عمرو! اگر یہ بات ہے تو میں۔ صبح سویرے تیرے پاس قبروں میں پہنچوں گی۔

یہ کہہ کر اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر اس طرح گری کہ گرتے ہی دم نکل گیا۔

میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ لڑکی کون ہے؟

انہوں نے بتایا، ضحاک بن عمرو بن محرق بن نعمان بن منذر بن ماء السماء کی بیٹی عقیلہ ہے۔

میں نے کہا، یہ عمرو کون شخص ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کا چچا زاد بھائی عمرو بن کعب بن محرق۔

میں وہاں سے رخصت ہو کر یمامہ پہنچا تو میں نے عمرو بن کعب کو تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو چکا ہے اور عین اس وقت عقیلہ چیخ مار کر گری تھی، اس کو یمامہ میں دفنایا جا رہا تھا۔ [۶۵]

تبصرہ

پہلی صدی ہجری کی خواتین کی جہادی خدمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ مسلمان خواتین نے میدان جنگ میں بھی عزم و استقلال کی نئی داستانیں رقم کی ہیں۔ بہت سی خواتین نے جہاد و قتال میں بھی شجاعت کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ مرد رشک کھاتے تھے۔ مثال کے طور پر غزوہ اُحد میں اُم عمارہؓ۔

ہماری تاریخ ایسی کئی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں پہلی صدی ہجری کی خواتین کی بہادری کو ہمارے سامنے نمایاں کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ بہادری سے مراد صرف تیر و تلوار سے لڑنا نہیں بلکہ زخمیوں کی مرہم پٹی، مجاہدین کو پانی پلانا اور ان کی ہمت باندھنا، دین کی حمایت میں ہر طرح کا قدم اٹھانا چاہے اس میں اس کی جان بھی چلے جائے لیکن بالکل بھی پرواہ نہ کرنا بھی جہاد کے ضمرے میں آتا ہے۔

اگر ہم اسلام کا جائزہ لیں تو اسلام نے صرف ظلم کرنے سے ہی نہیں روکا بلکہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ جب دنیا سے ظلم کا قلع قمع نہ کیا جائے دنیا میں نہ انسانیت کا احترام باقی رہ سکتا ہے۔ نہ امن قائم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کی خواتین نے دائی جہاد میں بھی نمایاں کردار ادا کیا جیسے زینبؓ بنت علیؓ کا واقعہ کربلا میں کردار، ام علقمہؓ کا حجاج بن یوسف کے سامنے بہادری کا مظاہرہ وغیرہ۔

جہاد بالنفس میں بھی پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ جب انسان اپنے نفس کو کنٹرول کر لیتا ہے تو وہ گویا ہر چیز پر حاوی ہو جاتا ہے۔ پہلی صدی ہجری کی خواتین نے نفس کو کبھی اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا بلکہ ہمیشہ نفس کو کنٹرول میں رکھا جس کی بدولت وہ اپنے وقت کی بہترین خواتین کہلائیں۔ اللہ ہمیں بھی ان کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ (آمین)

حوالہ جات

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب المغازی، باب ''اس آیت کریمہ کے متعلق کہ جب دو جماعتوں نے تم میں سے مستی کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ ان کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے''، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل، ج:۲، ص ۵۴۱ تا ۵۴۲

۲۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، جنوری ۲۰۰۶ء، ج: ۲، ص ۳۹۶

۳۔ ایضاً، ج: ۲، ص ۳۹۷

۴۔ علامہ محمد بن سعد۔ طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۴۷۸

۵۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۵، ص ۳۹۵

۶۔ علامہ محمد بن سعد۔ طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۳۲۱

۷۔ بحوالہ سابق: ج: ۵، ص ۳۹۵

۸۔ الحافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن محمد بن سید الناس الیعمری، السیرۃ النبویہ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، تحقیق: محمد العید الخطر اوی، محی الدین مستو۔ المدینۃ المنورہ: مکتبہ دارالتراث، ج: ۱، ص ۴۰۹، ۴۱۰

۹۔ ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ کامل، ترجمہ: مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج: ۲، ص ۶۴، ۶۵

۱۰۔ ابی الحسن علی بن محمد الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، ج: ۵، ص ۲۰۱

۱۱۔ بحوالہ سابق: ج: ۲، ص ۲۶۵

۱۲۔ ابن جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: اول،ص ۲۸۷

۱۳۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰،ص ۳۲۹

۱۴۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، الجامع الترمذی، مترجم محمد صدیق سعید ہزاروی، باب ''عورتوں کی جنگ میں شرکت'' کراچی: نور محمد اصح المطابع، جلد اول،ص ۸۲ ۷

۱۵۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب ''ام سلیط کا بیان'' جلد دوم،ص ۵۹۷، ۵۹۸

۱۶۔ سیدہ زینب بنت علی فواز ، الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور، تحقیق: محمد امین ضناوی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۹ء، ج: ا،ص ۳۲۰ تا ۳۲۴

۱۷۔ احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید۔ تحقیق: محمد سعید العریان، دارالفکر، ج: ۵،ص ۷۰، ۷۱

۱۸۔ محمد بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب ''جو عہد توڑ ڈالے اس کو مارنا درست ہے۔ اور قلعہ والوں کو کسی عادل شخص کے فیصلے پر اتارنا درست ہے'' ج: ۵،ص ۴۳،۴۴

۱۹۔ ایضاً، باب '' آپ صرف اللہ کے واسطے انتقام لیتے تھے''، ج:۵،ص ۳۱

۲۰۔ ایضاً: باب ''مکہ کی فتح کے بعد اسلام یا جہاد یا نیکی پر بیعت ہونا اور اس کے بعد ہجرت نہ ہونے کے معنی'' جلد ۵،ص ۱۴۶

۲۱۔ شہاب الدین احمد ابن عبدالوہاب المغیری، نہاءۃ العرب فی فیوز العرب، تحقیق: مفید کمیہ، بیروت: دارالکتب رحیمیہ، ج: ۲۱،ص ۱۱۵، ۱۱۶

۲۲۔ سیدہ زینب بنت علی فواز ، الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور، تحقیق: محمد امین ضناوی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۹ء، ج: ا،ص ۴۰۱ تا ۴۰۵

۲۳۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج:۱۰،ص ۲۴۲

۲۴۔ القرآن، ۳۳:۳۳

۲۵۔ صحیح مسلم ،ترجمہ علامہ وحید الزمان ، باب ''جعفر بن ابی اسماء بنت عمیسؓ اوران کی کشتی والوں کی فضیلت''
ج :۶،ص ۱۳۵

۲۶۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبیؐ ،ترجمہ :مولانا محمد اسلم قاسمی،ترتیب : مولانا محمد زکریا اقبال،
کراچی : دارالاشاعت، اردو بازار،ص ۴۶۱

۲۷۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ،
۱۴۱۳ھ، ج :۱۰،ص ۲۹۰

۲۸۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد۔ ترجمہ: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالیہ،
ج : ۸ ،ص ۲۲۳

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۲۴

۳۰۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن علامہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء،مترجم : محمد اصغرمغل،
کراچی: دارالاشاعت اردو بازار،جنوری ۲۰۰۶، ج :۲ ،ص ۴۰۴، ۴۰۵

۳۱۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبی ﷺ ،ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی،ترتیب مولانا محمد زکریا اقبال،
کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، کراچی،ص ۴۶۱

۳۲۔ امام مالک بن انسؓ ، موطا امام مالک ، باب سوگ کا بیان، ترجمہ : علامہ وحید الزمان، کراچی: نور محمد اصح
المطابع ،ص ۴۹۶

۳۳۔ بہاؤالدین محمد ابن حسین العاملی، الکشکول، تحقیق: محمد عبدالکریم المری، بیروت : دارالکتب رحیمیہ، ۱۹۹۸ء ،
ج : ۲،ص ۲۶۳

۳۴۔ احمد بن محمد بن عبد ربہٖ الاندلسی، العقد الفرید ۔ تحقیق: محمد سعد العریان، دارالفکر، ج :۱،ص ۲۰۰ تا ۲۰۳

۳۵۔ ایضاً: ج :۱،ص ۲۹۹، ۳۰۰

۳۶۔ ایضاً: ج :۱،ص ۲۹۳،

۳۷۔ صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب الصوم، باب ''اعتکاف کا بیان''، ج ۱،ص ۸۱۲

۳۸۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب ''کعبہ کی تعمیر توڑ کر از سر نو بنانا'' ج:۳، ص ۴۰۸۔۴۰۹

۳۹۔ ایضاً: ج ۳، ص ۱۵۲

۴۰۔ ایضاً: ج ۳، ص ۱۵۵

۴۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، ج ۸، ص ۹۳

۴۲۔ صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب المناقب، باب ''حذیفہ بن یمان کی فضیلت'' ج ۲، ص ۴۸۵

۴۳۔ ایضاً، کتاب تفسیر القرآن، باب ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد'' ج ا، ص ۷۹۷، ۷۹۸

۴۴۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، جنوری ۲۰۰۶، ج: ۲، ص ۳۸۲

۴۵۔ لابی بکر احمد بن حسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، محقق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء ج: ۶، ص ۱۰۸

۴۶۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مترجم پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۶، ص ۲۹۷

۴۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد۔ ترجمہ: مولانا عبداللہ العمادی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ا، ص ۳۸۴

۴۸۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ا، ص ۱۲۱

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۳۷ تا ۱۴۰

۵۰۔ ایضاً: ج: ۸، ص ۴۴۶

۵۱۔ ایضاً: ج: ۸، ص ۴۴۷

۵۲۔ احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، تحقیق: محمد سعد العریان، دارالفکر، ج: ا، ص ۲۹۴، ۲۹۵

۵۳۔ حضرت زینبؓ بنت محمدؐ: آپ کی والدہ کا نام خدیجہ بنت خویلدؓ ہے۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ نبوت سے قبل اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ کے

نکاح میں تھیں۔حضرت زینب بنت علیؓ اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ چلی گئی تھیں۔ابوالعاص بعد میں مسلمان ہوئے۔رسول ﷺ نے دونوں میں تفریق نہیں کرائی۔زینبؓ نے ۸ھ کے آغاز میں وفات پائی۔(محمد بن سعد،طبقات ابن سعد، ج:۸،ص ۳۱۷)

۵۴۔ ہند بن عتبہ: آپ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی صاحبزادی ہیں۔آپ کی والدہ صفیہ بنت امیہ ہیں۔ہند سے حفص بن مغیرہ نے شادی کی جن سے آپ کے ادبان پیدا ہوئے۔پھر ان کی شادی ابوسفیان سے ہوئے۔مکہ کے دن ہند نے اسلام قبول کیا۔ (محمد بن سعد،طبقات ابن سعد، ج:۸،ص ۴۹)

۵۵۔ ابوسفیان صخر بن حرب: سرداران قریش میں سے تھے اوران کو صاحب الرائے سمجھا جاتا تھا لیکن جب اسلام آیا تو صاحب الرائے ابوسفیان نے پیٹھ پھیر لی۔فتح مکہ کی رات کو اسلام لائے۔خلافت عثمانؓ کے دوران میں فوت ہوئے اور حضرت عثمانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔(علامہ امام ابی الحسن علی الجزری، اسدالغابہ، ج:۱۱،ص ۱۳۸)

۵۶۔ زید بن حارثہ: ان کی کنیت ابو اسامہ ہے ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ ہیں جو بنی معن میں سے ہیں۔غزوہ موتہ میں جب کہ یہ لشکر کے امیر تھے۔جمادی الاول ۸ھ میں شہید کر دیئے گئے۔(ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب اسماء الرجال مشکوٰۃ المصابیح،مترجم،مولانا اشتیاق احمد۔مولانا معراج الحق،ص ۳۷)

۵۷۔ ابی محمد عبدالملک بن ہشام،السیرۃ النبویۃ،تحقیق: طٰہٰ عبدالرؤف، بیروت: دارالجلیل، ج ۲،ص ۲۱۵، ۲۱۶

۵۸۔ اسماءؓ بنت عمیس : آپ عمیس بن معد کی صاحبزادی ہیں۔آپ کی والدہ ہند یعنی خولہ بنت عوف ہیں۔اسماء بنت عمیس رسولؐ کے دارارقم میں داخل ہونے سے قبل مکہ میں مسلمان ہوئیں اور رسول ﷺ سے بیعت کی اور اپنے شوہر جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئیں۔جہاں آپ کے عبداللہ،محمد اورعون پیدا ہوئے۔پھر جعفرؓ ۸ھ غزوہ میں موتہ میں شہید ہو گئے۔پھر ابو بکرؓ نے اسماءؓ سے شادی کی لیکن وہ بھی وفات پاگئے۔پھر ان سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا۔(محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج:۸،ص ۳۵۸)

۵۹۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب : ابی طالب کا نام عبد مناف بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی تھا۔ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔جعفرؓ کی اولاد میں عبداللہ تھے۔انہیں سے ان کی کنیت تھی اولاد

جعفر میں عبداللہ ہی سے نسل برقرار رہی۔ حضرت جعفرؓ غزوہ موتہ میں شہید کر دیئے گئے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص ۱۹۱)

۶۰۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، جنوری ۲۰۰۶ء، ج: ۲، ص ۴۰۶، ۴۰۷

۶۱۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری: ان کی والدہ کبشہ بنت واقد تھیں۔ بدر، اُحد۔ خندق و حدیبیہ میں شریک تھے، یوم موتہ میں شہید ہوئے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص ۱۵۰)

۶۲۔ خالدؓ بن ولید بن مغیرہ: آپ کی والدہ کا نام عصماء ہے۔ آپ غزوہ بدر، اُحد اور خندق میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ آپ نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ غزوہ موتہ میں انہوں نے بے پناہ بہادری کا مظاہرہ کیا اور ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ ۲۱ھ میں حمص میں انتقال کر گئے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۴۹)

۶۳۔ علامہ بن برہان الدین حلبی، غزوات النبیﷺ، ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب: مولانا محمد زکریا اقبال، کراچی: دارالاشاعت، ص ۵۳۰، ۵۳۱

۶۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۵ء، ج: ۱۸، ص ۲۰۰

۶۵۔ سیدہ زینب بنت علی فواز، الدّرالمنثور فی طبقات رُبات الخدور تحقیق: محمد امین ضناوی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۹ء، ج: ۲، ص ۱۴۲ تا ۱۴۴

باب پنجم

اخلاقی خدمات

فصل اول

ایثار و فیاضی میں خواتین کی دینی خدمات:

ایثار کے لغوی معنی ترجیح دینا ہے۔ یعنی ذاتی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم رکھنا مثلاً: خود نہ کھائے اور دوسروں کو کھلائے۔ اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو مقدم رکھنا، تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں جن میں ایک مسلمان اپنی ذات کی بجائے اپنے بھائی کو مقدم رکھے ایثار کہلاتی ہیں۔ اچھے معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے لیے مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا جذبہ بھی بڑا ضروری ہے۔

اسلامی معاشرہ جن بنیادوں پر مستحکم ہوتا ہے اس میں پہلا مرحلہ اخوت و بھائی چارہ، دوسرا مرحلہ خیر خواہی، تیسرا مرحلہ تعاون اور چوتھا مرحلہ ایثار کا ہوتا ہے۔ اگر یہ چاروں صفات حاصل ہو جائیں تو ایک بہترین مستحکم معاشرہ سامنے آتا ہے۔ ایثار اور پہلی تین صفات میں فرق یہ ہے کہ ایثار ایسا تعاون ہے کہ انسان کو خود کسی چیز کی ضرورت اور طلب ہو اور اس کے باوجود وہ اس چیز کو استعمال کرنے کے بجائے دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دے اور وہ چیز اسے دے دے۔ یہ کمال درجے کا تعاون اور حسن اخلاق ہے۔ ایثار و فیاضی میں خواتین کی دینی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

حضرت سودہؓ جود و سخا اور فیاضی میں بھی ایک خاص اور نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ آپ حتی المقدور غرباء کی مدد کرتی تھیں اور حاجت مندوں کے کام آنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ درہم و دینار سے آپ کو قطعاً کوئی سروکار نہ تھا جو کچھ ہاتھ آتا راہ خدا میں تقسیم کر دیتیں تھیں ایک مرتبہ عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں درہم و دینار سے بھری ایک تھیلی اپنے ایک خادم کے ہاتھ حضرت سودہؓ کی خدمت میں بھیجی تاکہ آپؓ اسے اپنے کام میں لے آئیں۔ حضرت سودہؓ نے تھیلی لانے والے خادم سے پوچھا۔

اس تھیلی میں کیا ہے؟

خادم نے بتایا۔

اس میں درہم و دینار ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے آپؓ کی ضرورت کے وقت کام آنے کے لیے بھیجے ہیں۔

حضرت سودہؓ نے خادم کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

کیا درہم و دینار بھی کبھی کھجوروں کی طرح تھیلیوں میں ڈالے جاتے ہیں؟

پھر حضرت سودہؓ نے اس تھیلی میں سے ایک درہم یا ایک دینار بھی نہیں لیا، بلکہ تمام نقدی غربا، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔[1]

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لیے جب بوڑھی ہو گئیں تو انکو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں اور شرف محبت سے محروم ہو جائیں۔ اس بناء پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی یہ سمجھ کر کہ آنحضرتؐ سب بیبیوں سے زیادہ انکو چاہتے ہیں اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔[2]

زینب حضرت عبد اللہ کی بیوی نے جب وہ خطبہ جو رسول کریم ﷺ نے انہیں دیا، فرمایا: عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کرو اگر چہ تم اپنے زیوروں سے کرو کیونکہ قیامت کے دن تم اکثر دوزخی ہوں گی تو اُس دن سے زینبؓ کو جو کچھ ملتا صدقہ کر دیتیں تھیں اُم سلمہؓ نے کانوں میں بالیاں پہن رکھی تھیں جب حضورؐ نے زکوۃ کا حکم دیا تو وہ سمجھی کہ شاید ان پر بھی زکوۃ لگتی ہے پوچھے بناء نہ رہ سکی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ یہ کنز نہیں ہے پھر مطمئن ہو گئیں۔[3]

حضورؐ نے چونکہ اپنی ازواج مطہرات کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا اس لیے انہوں نے اپنی بیویوں سے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد تم پر بہت زیادہ خرچ کرے گا وہ صادق اور نیک ہے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے اُمہات المومنین کے لیے ایک باغ وقف کر دیا تھا جو چالیس ہزار کا فروخت ہوا حضرت عائشہؓ نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ انہیں جنت کے چشمہ سے پلا۔[4]

حضرت اسماءؓ میں پائی جانے والی تمام خوبیوں میں سب سے زیادہ نمایاں خوبی جود و سخاوت

کی تھی۔ جو انہیں اپنے باپ صدیق اکبرؓ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں جود و سخا کا انداز اپنانے کی تلقین کی تھی کہ بخل نہ کرنا ''کہ (کہیں اس سے) تمہارے رزق میں بھی تنگی ہو جائے''۔[۵]

فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد سُنا مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا اور اللہ نے ایسی برکت دی کہ ابھی رزق باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور بھیج دیتے ہیں،حضرت اسماءؓ اپنی بیٹیوں کو بھی صدقہ کی ترغیب دلاتی اور ساتھ حضورؐ کا یہ ارشاد بھی دہراتی۔کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''کہ مٹکے میں بند کر کے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے۔اپنی استطاعت بھر لوگوں میں تقسیم کرو''۔[۶]

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ واقعہ ایثار کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ اُنہوں نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلو میں اپنے لیے قبر کی جگہ مخصوص فرمائی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے ان سے یہ جگہ اپنے لیے مانگی تو حضرت عائشہؓ نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

اس کو میں خود اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج آپ کو اپنے اُوپر ترجیح دیتی ہوں۔[۷]

اس واقعے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ کو سلام کہتا ہے اور امیرالمومنین نہ کہنا کیونکہ میں آج مؤمنین کا امیر نہیں ہوں اور کہو کہ عمر بن الخطابؓ آپ سے اجازت مانگتا ہے کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کیا جائے۔عبداللہ بن عمرؓ نے سلام پہنچایا اور اندر آنے کی اجازت مانگی پھر داخل ہوئے تو ان کو اس حال میں پایا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور اس بات کی اجازت مانگتے ہیں کہ ان کو انکے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں اپنی ذات کے لیے یہ ارادہ رکھتی تھی اور میں آج اپنی ذات کو ان پر مقدم کرتی ہوں۔ جب وہ آگئے تو آپ سے کہا گیا کہ یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں، فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ تو ایک شخص ان کو سہارے سے لے کر بیٹھا۔پھر فرمایا کہ کیا جواب لائے ہو۔انہوں نے کہا کہ وہی اے

امیر المومنین! جو آپ چاہتے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی۔کہا کہ الحمدللہ کوئی چیز میرے لیے اس سے زیادہ اہم نہیں تھی۔ پھر جب کہ میرا انتقال ہو جائے اور مجھے اٹھا کر لے جاؤ تو پھر سلام پہنچاؤ اور کہو کہ عمر بن الخطاب اجازت مانگتا ہے۔پھر اگر عائشہؓ نے اجازت دی تو مجھے اندر لے جانا اور اگر مجھے لوٹا دیا تو مسلمانوں کے قبرستان کی طرف لے جانا۔

جب ان کی وفات ہوئی تو ہم ان کو باہر لائے اور لے چلے تو عبداللہ بن عمرؓ نے عائشہؓ کو سلام پہنچایا اور کہا کہ عمر بن الخطابؓ اجازت چاہتے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ان کو اندر لے جاؤ تو وہ لے جائے گئے اور وہیں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہوئے۔[۸]

غزوہ اُحد میں حضرت صفیہؓ اپنے بھائی سید الشہداء امیر حمزہؓ کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی برہنہ نظر آئی دل میں شرمندہ ہوئیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو، چنانچہ ایک کپڑا انصاری صحابی کے کفنانے کے لیے دے دیا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش انتہائی فیاض، سخی اور کھلے ہاتھ کی مالک تھیں، غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی سرپرستی کرتی تھیں، جو کچھ پاتی تھیں صدقہ کر دیتی تھیں۔ حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے گھر کو ''ماویٰ المساکین'' یعنی مسکینوں کا ٹھکانہ کہا جانے لگا۔

نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ہم میں سے آپؐ کو جلد کونسی بیوی ملے گی آپؐ نے فرمایا جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔انہوں نے ایک کھپانچ لے کر اُس سے ماپنا شروع کیا اور ہم میں سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ و خیرات دینا ہے۔ہم میں سے جلد آپ ﷺ کو ملنے والی زینبؓ تھی وہ صدقہ پسند کرتی تھیں۔[۹]

حضرت زینبؓ بنت جحشؓ نے اپنا کفن اپنی زندگی ہی میں تیار کرا لیا تھا، جب آپؓ کا انتقال کا وقت آیا تو حضرت زینبؓ نے وصیت فرمائی کہ ''میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے غالباً حضرت عمر فاروقؓ

بھی امیر المومنین ہونے کے ناطے میرے لئے کفن بھیجیں گے، اگر وہ کفن میرے لیے استعمال کیا تو دوسرا صدقہ کر دینا''۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اُم المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی وفات پر پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے۔عمر فاروقؓ کے بھیجے ہوئے کفن میں اُم المومنین حضرت زینبؓ کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو حضرت زینبؓ نے خود تیار کر رکھا تھا اُس کو اس کی بہن حضرت حمنہ بنت جحشؓ نے صدقہ کر دیا۔

ان کی نماز جنازہ عمر فاروقؓ نے پڑھائی آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اُس دن سخت گرمی تھی جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں حضرت عمر فاروقؓ نے خیمہ لگوا دیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت البقیع میں کسی قبر پر لگایا گیا۔اس وقت ان کی عمر ۵۳ برس تھی۔[۱۰]

حضرت زینب بنت جحشؓ بڑی روزے رکھنے والی اور بڑی تہجد گزار تھیں۔بڑی کمانے والی تھیں جو کماتی تھیں سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں۔

برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

حضرت عمر فاروقؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو وظیفہ بھیجا تو آپؓ یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات آپؓ کا ہے اور یہ فرمایا: کہ اللہ عمر فاروقؓ کی مغفرت کرے۔پھر جب حضرت زینبؓ کو بتایا گیا کہ یہ سب آپؓ کا ہے تو انہوں نے اس مال پر کپڑا ڈالوا دیا اور مجھے کہا کہ اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا کر جتنا ہاتھ میں آتا ہے وہ فلاں بن فلاں کو دے آؤ۔فلاں یتیم کو دے آؤ فلاں مسکین کو دے آؤ چنانچہ اسی طرح مال تقسیم ہوتا رہا جب تھوڑا بچ گیا تو مجھے کہا کہ بقایا تم لے لو۔ میں نے دیکھا تو وہ پچاس درہم تھے۔اس تقسیم کے بعد حضرت زینبؓ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا:

اے اللہ! اس سال کے بعد حضرت عمرؓ کا وظیفہ مجھے نہ پائے چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپؓ کا انتقال ہوگیا۔[۱۱]

اُم سلمہؓ کو ایک گوشت کا ٹکڑا تحفۃً بھیجا گیا اور نبی کریم ﷺ کو گوشت بہت پسند تھا اس لیے خادمہ سے کہا اس کو گھر میں رکھ دو شاید کہ نبی کریم ﷺ تناول فرمائیں۔اس نے گھر کے طاقچے میں رکھ دیا۔ایک سائل آیا اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کچھ صدقہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں میں برکت دے۔

انہوں نے کہا: اللہ برکت دے سائل چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے اور فرمایا: اے اُم سلمہ تمہارے پاس کچھ کھانے کے لیے ہے اُس نے کہا جی ہاں اور لونڈی سے کہاکے نبی کریم ﷺ کو گوشت لا کر دے وہ گئی وہاں طاقچہ میں پتھر کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ملا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ گوشت پتھر بن گیا ہے۔ کیونکہ تم نے سائل کو نہیں دیا۔[۱۲]

رسول کریم ﷺ نے وفات سے پہلے سب کچھ صدقہ کر دیا تھا اور صحابیات کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا رسول کریم ﷺ جس وقت بیمار ہوئے عائشہؓ کے پاس چھ یا سات دینار تھے۔ رسول کریم ﷺ نے مجھے ان کے تقسیم کرنے کا حکم دیا میں آپؐ کی بیماری میں مشغول ہونیکی وجہ سے بھول گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ ان دیناروں کا کیا ہوا ہے میں نے کہا: میں آپ کی بیماری کی وجہ سے بھول گئی۔ آپ نے منگوائے اور اپنے ہاتھوں میں ان کو رکھا پھر فرمایا اللہ کے نبی کا کیا گمان ہے اگر وہ اللہ کو ملے جبکہ یہ دینار اس کے پاس ہیں۔[۱۳]

فضائل اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ کا رُتبہ بہت بلند تھا وہ بے حد فیاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں ایک بار حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے اسی وقت سب رقم غریبوں، مسکینوں میں تقسیم کر دی اُس دن روزے سے تھیں شام ہوئی تو خادمہ نے کہا:

اُم المومنین کیا اچھا ہوتا آپ نے اُس رقم سے کچھ گوشت ہی افطار کے لیے خرید لیا ہوتا فرمایا: تم نے یاد دلایا ہوتا۔[۱۴]

حضرت اسما بنت ابو بکرؓ حد درجہ فیاض تھیں، عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے تھے، کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا، حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی، بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں تھیں، حضرت زبیرؓ کا مزاج تیز تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرتؐ نے اجازت دی۔

حضرت اسماءؓ اپنی بیٹیوں اور گھر والوں سے کہا کرتی تھیں تم لوگ خرچ و خیرات کرو بچت کو نہ دیکھو کیونکہ اگر تم بچت کا انتظار کرو گی تو حسب ضرورت ہی تم کو ملے گا اور اگر تم خیرات کرتی رہو گی تو تمہارا ہاتھ کبھی نہ رکے گا۔ [۱۵]

ریطہ عبد اللہ کی بیٹی اور ابن مسعود کی بیوی ہیں اور ان کی اُم ولد ہیں آپ ایک کاریگر خاتون تھیں بولیں: یا رسول اللہ ﷺ میں ایک صنعت کار عورت ہوں اور اپنی مصنوعات کو فروخت کرتی ہوں اور میرے پاس اور میری اولاد کے پاس کچھ اور نہیں اور میں نے آپ سے پوچھا کیا میں اپنے شوہر اور اولاد پر خرچ کرسکتی ہوں؟ فرمایا: تمہیں ان پر خرچ کا اجر ملے گا۔ [۱۶]

حضرت حسینؓ علیل ہوئے تو جناب سیدہؓ نے نذر مانی کہ بچوں کی تندرستی پر تین روزے رکھیں گی۔ چنانچہ شہزادوں کے رو بہ صحت ہونے پر سب اہل خانہ نے روزہ رکھا افطار کرنے لگے تو ایک مسکین نے صدا دی۔

ترجمہ: ''مجھے کھانا کھلائیں کہ اللہ آپ کو جنت میں سیر کرائے''۔

یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا:

ترجمہ: فاطمہؓ! اے عظمت و یقین کا پیکر، اے خیر البشر ﷺ کی دختر! آپ دیکھ رہی ہیں کہ ایک بھوکا مسکین، حزن و ملال سے دروازے پر کھڑا ہے۔ اللہ کی جناب سے شکوہ کر رہا ہے۔ ہم سے دردمندی کے ساتھ اپنی بھوک کی شدت بیان کرتا ہے۔

ہر اُمراء اپنے کسب کا مرہون منت ہے اور بھلائیوں کے کام آشکار ہیں۔ اس کے لیے جنت (علین) کا وعدہ ہے جسے اللہ نے کنجوس پر حرام کیا ہے اور بُخل کے لیے بُرا مقام ہے، جسے آگ سے بھڑکایا گیا ہے۔

ان کی شراب، شہد، کھولتا پانی ہے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا لب کشا ہوئیں۔

ترجمہ: ''اُسے کھلائیں اور میری طرف سے ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں۔ جب کہ ایک بھوک سے نڈھال انسان سیر ہونے کی اُمید سے آیا ہے۔ نیکو کاروں کی جماعت کے لیے ہی حق ہے، جنت میں متمکن رہیں اور میرے لیے شفاعت ہے ان سب

نے اپنا طعام اس مسکین سائل کو دے دیا''۔ [۱۷]

دوسرے دن بھی سب اہل خانہ روزے سے تھے ایک یتیم نے وقت افطار التجا کی جسے سُن کر حضرت علیؓ نے فرمایا:

ترجمہ: اے فاطمہ! سید کریم ﷺ کی دختر، نبی محترمؐ کی صاحبزادی، جس کے لیے ستائش ہی ستائش ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس یہ یتیم آیا ہے اور اللہ نے کنجوس پر جنت حرام کی ہے۔ کنجوس روز حشر دہکتی ہوئی آگ میں ہوں گے۔ ان کا پانی کھولتا ہوا اور دردانگیز ہوگا۔ اور صاحب جود و سخا اس روز جنت نعیم میں ہوگا۔ اور اس کے پینے کے لیے تسنیم اور خوشگوار پانی ہوگا۔

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا:

ترجمہ: میں اُسے کھانا کھلاتی ہوں اور مجھے انکار نہیں اور میرے بچے بھی ایسا ہی کریں گے۔ وہ بھوکے رہیں گے اور میرے بچے ہمدرد ہیں۔ یتیم کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہوئے ان قدسیوں نے اپنا سامان افطار اس کے حوالے کیا۔ تیسرے دن بھی روزہ افطار کرنے کو تھے کہ ایک آواز سنائی دی:

ترجمہ: اے اہل بیت محمدؐ! میں اسیر محتاج ہوں اور کچھ نہیں کھایا۔ اس رزق میں سے، جو اللہ آپ کو دیا ہے، مجھے بھی کھلائیں،

حضرت علیؓ نے فوراً کہا:

ترجمہ: اے فاطمہؓ! بنت نبی احمد ﷺ، سید و سردار کی بیٹی، ہمارے پاس ایک مجبور قیدی آیا ہے، جو آج کچھ کھلائے گا، کل اس کا صلہ پائے گا۔ ہمارے اعلیٰ بزرگ و برتر رب کی جناب سے جو آج نیکیوں کا بیج بوئے گا، کل اس کا ثمرہ حاصل کرے گا۔

جناب فاطمہؓ نے فرمایا:

ترجمہ: آج ایک صاع کے سوا کچھ بھی باقی نہیں تھا، اس کے پیسنے سے میرے ہاتھوں میں آبلے ہو گئے ہیں بھوک کے ساتھ بھی میرے فرزند اور اُن کا باپ خیرات پر مائل ہیں۔ چنانچہ تیسرے دن بھی ایثار فرمایا۔ [۱۸]

حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے (پہلے) میں کس کو

حصہ بھیجوں آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ نزدیک ہو۔[۱۹]

ماں باپ کی طرف سے صدقہ کیا جا سکتا ہے اور اُن کو اس کا ثواب ملتا ہے ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا دم یکا یک نکل گیا اگر بات کرنے پاتی تو ضرور صدقہ کرتی کیا میں اسکی طرف سے صدقہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔''ہاں''۔[۲۰]

حضرت زینبؓ بنت علیؓ اگر چہ خود بھی بہت فیاض تھیں لیکن اُن کے شوہر حضرت عبد اللہؓ بھی نہایت کشادہ دست اور فیاض تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے یا کسی کی مصیبت کا انہیں پتہ چلے اور وہ اس کی خبر گیری نہ کریں۔ دونوں میاں بیوی کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ کئی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دست کرم سے فائدہ اُٹھا لیتے تھے۔ خاوند کے گھر میں دولت کی ریل پیل حضرت زینبؓ کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی اور وہ بدستور صبر و قناعت سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔[۲۱]

اللہ تعالٰی بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر ہم ذرہ برابر بھی نیکی کریں گے تو وہ اس کا دگنا ثواب دیتا ہے، یہاں تک کہ ہم اگر کسی اچھے کام کے کرنے کا ارادہ ہی کرلیں تو اسی وقت ہماری نیکی لکھ دی جاتی ہے اور ہمارے معمولی سے کام بھی صدقہ شمار کیئے جاتے ہیں۔

> جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمد اللہ کہا، یا لا الہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا نیک بات کہہ دی یا بُری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اُس دن زمین پر اس حال میں چلے پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہوگا۔
> [۲۲]

حضرت عائشہؓ نے سورج گرہن کی نماز کا قصہ بیان کیا کہ جب سورج گرہن ہوا تو حضور اکرمؐ

نے نماز میں اتنا لمبا سجدہ کیا کہ جب آپ فارغ ہوئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا اُس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا۔ خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

> کہ آفتاب و ماہتاب خُدا کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر، جب تم ان کو اس حالت میں دیکھوتو خُدا کی یاد اور اسکی بزرگی بیان کرواور صدقہ دو۔[۴۳]

تبصرہ :

ایثار و فیاضی یہ دونوں صفات پہلی صدی ہجری کی خواتین میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ جو کچھ بھی ان کے ہاتھ آتا وہ خرچ کر دیتیں تھیں۔ خرچ کرنا انسانی ضرورت بھی ہے اور ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بھی یہ انسان کی عادت کا حصہ بھی ہے۔ خرچ دو طرح کے ہوتے ہیں، انفرادی اور اجتماعی یعنی اپنی ذات اور ضروریات کے لیے خرچ کرنا یا دوسروں پر اور ان کی ضروریات پر صرف کرنا۔

ذاتی خرچ کے سلسلے میں اسلام نے میانہ روی کا حکم دیا ہے جو کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی اور خرچ میں میانہ روی برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے دو چیزوں کو اپنے اوپر لازمی قرار دیا ہوا تھا، یعنی قناعت اور سادگی قناعت کے معنی ہیں تھوڑی چیز پر خوش رہنا اور جو مل جائے اس پر راضی رہنا۔ سادگی بے تکلفی کا نام ہے انسان کا ہر بناوٹ سے بے نیاز رہنا سادگی ہے۔ پہلی صدی ہجری کی خواتین نے اپنی زندگی میں قناعت اور سادگی کو اختیار کیا ہوا تھا اس لیے ان کے خرچ میں میانہ روی خود بخود آ گئی تھی۔

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایثار و فیاضی ایسے اخلاق کریمانہ ہیں کہ جنہیں دنیا کے سب خوش بخت اور ذی حیثیت افراد اپنے لیے وجہ امتیاز بناتے ہیں۔ پہلی صدی ہجری کی خواتین نے ایثار و فیاضی میں بے مثال روایات قائم کیں۔

فصل دوم

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خُدا اور رسول ﷺ کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟

حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو طوفان اُٹھا تھا آنحضرت ﷺ (اُس طوفان کے زمانہ میں) زینب بنت جحش سے حضرت عائشہؓ کا حال پوچھتے فرماتے زینب تو کیا سمجھتی ہے تو نے کیا دیکھا ہے؟ وہ کہتیں یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جو سُنا اور جو دیکھا وہی کہوں گی۔ میں تو عائشہؓ کو پاک دامن ہی سمجھتی ہوں۔ اور آپکی بیویوں میں میرے مقابل وہی تھیں مگر اُنکی پرہیز گاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو بچائے رکھا۔[۲۴]

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیاتؓ اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہؓ کا سلوک کیسا رہا؟ اُس نے کہا ''ان میں کوئی عیب نہ تھا'' سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اُسی جگہ دوسرا اُونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اُسی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اُسی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سُن کر کہا، استغفر اللہ اگر میں ان سے اس بناء پر بغض رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے سُنا کہ اے اللہ! جو شخص میری اُمت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔[۲۵]

اسی طرح کچھ لوگ حسان بن ثابتؓ کو حضرت عائشہؓ کے سامنے بُرا کہنے لگا انہوں نے کہا حسان کو بُرا مت کہو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مشرکوں کا مقابلہ کرتا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا حسان نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی میں قریش کے کافروں کی ہجو کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میرا بھی تو خاندان قریش ہی میں ہے حسان نے کہا میں آپ ﷺ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جیسے

بال آٹے میں سے (صاف) نکال لیا جاتا ہے۔[۲۶]

حسان بن ثابتؓ (شاعر مشہور) حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اندر آنے کی اجازت مانگی مسروق کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا تم اس شخص کو کیوں آنے دیتی ہو انہوں نے کہا بڑا عذاب اس کو آ لگا، سفیان ثوری نے کہا یعنی آنکھوں سے اندھا ہو گیا، پھر حسان نے (حضرت عائشہؓ کی تعریف میں) یہ شعر پڑھا۔

عاقلہ ہے پاک دامن ہے ہر عیب سے وہ نیک بخت
صبح کرتی ہے وہ بھوکی بے گناہ کا گوشت وہ کھاتی
نہیں

عائشہؓ نے کہا، ہاں مگر حسانؓ تو تو ایسا نہیں ہے۔[۲۷]

تہمت لگانے والوں نے حضرت عائشہؓ پہ اتنا بڑا الزام لگایا لیکن انہوں نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکی بیان کی اور انہوں نے مخالفین کو کچھ نہ کہا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا آنحضرت ﷺ جب سفر کو جانا چاہتے تو اپنی بیویوں پر قرعہ ڈالتے اور جس کے نام پر پانسا نکلتا اس کو ساتھ لے جاتے۔ ایک جہاد (بنی مصطلق) کے لیے آپ ﷺ جانے لگے تو میرا نام نکلا۔ میں آپؐ کے ساتھ روانہ ہوئی اور یہ واقعہ پردے کا حکم اُترنے کے بعد کا ہے۔ خیر میں ایک ہودے میں سوار رہتی اس میں بیٹھے بیٹھے مجھ کو اُتارا کرتے ہم اسی طرح چلتے رہے۔ جب آپ ﷺ اس جہاد سے فارغ ہوئے اور سفر سے لوٹے اور ہم لوگ مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے۔

ایک رات ایسا ہوا آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا میں یہ حکم سنتے ہی اُٹھی اور لشکر سے آگے بڑھ گئی جب حاجت سے فارغ ہوئی تو اپنے ہودے کے پاس آئی۔ سینہ پر جو ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ ظفار کے کالے نگینوں کا ہار جو میں پہنے تھی ٹوٹ کر گر گیا۔ میں اس کے ڈھونڈنے کے لیے پھر لوٹی اور ڈھونڈتی رہی، میرا ہودہ اُٹھانے والے لوگ ہودے کے پاس آئے۔ وہ سمجھے کہ میں اسی میں ہوں۔ انہوں نے اس کو اُٹھایا جس اونٹ پر میں سوار ہوا کرتی تھی اس پر لاد دیا۔

اس زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ بھاری بھر کم نہ تھیں۔ نہ ان کے بدن پر زیادہ

گوشت تھا ذرا سا کھانا کھایا کرتی تھیں۔تو جب لوگوں نے میرا ہودہ اُٹھایا اس کو معمول کے موافق بوجھل سمجھ کر اُٹھا لیا کیونکہ میں اس وقت ایک کم سن (دبلی پتلی) لڑکی تھی خیر وہ اونٹ کو اُٹھا کر چل دیئے اور جب سارا لشکر نکل گیا اس وقت میرا ہار ملا۔ میں جو لوگوں کے ٹھکانے پر آئی دیکھا تو وہاں کوئی نہیں ہے میں اُس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں پر اُتری تھی میں یہ سمجھی کہ جب لوگ مجھ کو (قافلہ میں) نہ پائیں گے تو اسی جگہ لوٹ کر آئیں گے بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی میں سو رہی۔[۴۸]

صفوان بن معطل سلمی زکوانی ایک شخص تھے وہ قافلہ کے پیچھے رہا کرتے میری جگہ پر آئے انہوں نے پردہ عائد ہونے سے بیشتر مجھے دیکھا تھا اس لیے فوراً پہچان گئے۔ اُنہوں نے پوچھا آپ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں ہیں، خُدا آپ پر رحم فرمائے، مگر میں نے ان سے کوئی بات نہ کی پھر انہوں نے اپنا اونٹ مجھ سے قریب کر کے کہا اس پر بیٹھ جاؤ اور خود پیچھے ہٹ گئے، میں بیٹھ گئی۔

انہوں نے اونٹ کو تیز چلایا کہ ہم لشکر کو پکڑ سکیں لیکن ہم ناکام رہے اور صبح جب لوگ پہنچ کر ٹھہر چکے تھے صفوان مجھے لے کر پہنچے پھر تو لشکر کفار میں کھلبلی مچ گئی۔اور تہمت لگانے والوں کا سردار عبد اللہ بن ابی سلول (منافق) بنا۔ خیر میں مدینہ آئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ لوگ اس طوفان کا چرچہ کرتے رہے میں بیمار تھی مجھ کو شک یوں پیدا ہوا کہ انحضرت ﷺ کی وہ مہربانی میں نے نہ پائی جو بیماری کی حالت میں مجھ پر ہوا کرتی آپؐ صرف اندر آتے اور سلام علیک فرماتے اور یہ پوچھ کر چلے جاتے اب کیسی ہے مجھے اس طوفان کی خبر تک نہ ہوئی۔ میں بہت ناتواں ہوگئی۔

ایک بار میں اور مسطح کی ماں دونوں مناصع کی طرف نکلے مناصع میں ہم لوگ قضائے حاجت کے لیے جایا کرتے اور رات ہی کو جایا کرتے۔ان دنوں ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلا نہ تھے اور اگلے زمانہ کے عربوں کی طرح جنگل میں یا باہر دور جا کر قضائے حاجت کیا کرتے، خیر میں اور مسطح کی ماں (سلمٰی) بنت ابی رہم دونوں جا رہی تھیں وہ اپنی چادر میں اٹک کر پھسلی کہنے لگی (ہائے) مسطح تباہ ہوگیا میں نے کہا یہ کیا بُری بات نکالتی ہے تو ایسے شخص کو بُرا کہتی ہے جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا،

وہ کہنے لگی اری بھولی بھالی تجھ کو کچھ خبر بھی ہے لوگوں نے کیا طوفان اُٹھایا ہے اس نے مجھ سے یہ طوفان بیان کیا ایک تو میں بیمار تھی ہی دوسرے یہ سُن کر اور زیادہ بیمار ہوگئی۔ جب میں اپنے گھر

پہنچی آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپؑ نے سلام علیک کیا پوچھا اب کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا مجھ کو میرے والدین کے پاس جانے کی اجازت دیجئے میرا مطلب یہ تھا کہ میں ان کے پاس جا کر اس خبر کی تحقیق کروں خیر آپؑ نے مجھ کو اجازت دی۔

میں اپنے ماں باپ پاس پہنچی اور اماں جان سے پوچھا یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں انہوں نے کہا بیٹا ایسی باتوں کی پرواہ نہ کر یہ تو زمانہ کا دستور ہے۔ جہاں کسی مرد کو کوئی گوری چٹی خوبصورت عورت ملی اور مرد کو اس سے محبت ہوئی تو اُس کی سوکنیں اس قسم کی باتیں بہت کیا کرتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں کیا اس کا چرچا ہو گیا (انہوں نے کہا ہاں) خیر میں نے یہ رات اسی طرح کاٹی کہ ساری رات نہ میرے آنسو تھمے نہ مجھ کو نیند آئی جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے علی بن ابی طالبؓ اور اُسامہ بن زیدؓ دونوں کو بلوا بھیجا، کیونکہ اس وقت تک کوئی وحی آپؑ پر نہیں اُتری تھی آپؑ نے اُن سے یہ صلاح کی کیا میں عائشہؓ کو چھوڑ دوں۔

اُسامہ کے دل میں جو آنحضرت ﷺ کی بیویوں سے محبت تھی انہوں نے ویسی ہی رائے دی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ عائشہؓ آپ کی بیوی ہے اور ہم تو اُس کو پاک دامن ہی سمجھتے ہیں خُدا کی قسم اور علی بن ابی طالبؓ نے یوں کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر کچھ تنگی نہیں کی عائشہؓ نہ سہی تو نہ سہی عورتوں کی کیا کمی ہے۔ بھلا آپؑ عائشہؓ کی لونڈی (بریرہؓ) سے ان کا حال پوچھیے وہ سچ سچ کہہ دے گی آپ ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا اور پوچھا کیا تو نے عائشہؓ میں کوئی شک کی بات کبھی دیکھی ہے؟ وہ کہنے لگی نہیں قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں نے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر عیب لگاؤں۔ ہاں یہ تو ہے وہ ابھی کم سن بچی ہے آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہے بکری آکر آٹا چکھ جاتی ہے۔

یہ سُن کر آپ ﷺ اسی دن خطبہ سنانے کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن ابی سلول کی شکایت کی (اس کو سزا دلوانا چاہی) آپؑ نے فرمایا کون میرا بدلہ لے گا۔ اس (منافق مردود) شخص سے جس نے میری بیوی پر تہمت لگائی۔ قسم خُدا کی میں تو اپنی بیوی کو اچھا ہی سمجھتا ہوں اور جس مرد (صفوان) سے تہمت لگاتے ہیں۔ میں اس کو بھی نیک ہی جانتا ہوں۔ وہ کبھی میری بیوی پاس نہ آتا مگر میرے ساتھ یہ

سُن کر سعد بن معاذ کھڑے ہوئے (جو اس قبیلے کے سردار تھے) کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کا بدلہ لیتا ہوں اگر وہ شخص اوس کا ہے تو ہم اُسکی گردن اُڑا دیں گے اور جو ہمارے بھائیوں خزرج کا ہے تو جیسا آپؐ حکم دیں گے وہ ہم بجا لائیں گے۔

سعد بن عبادؓ جو خزرج کے سردار تھے اور اس سے پہلے وہ نیک آدمی تھے لیکن اس وقت ان کو جہالت آگئی۔سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے پروردگار کے بقا کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے نہ تو اس کو مارے گا نہ ایسا کر سکے گا۔یہ سن کر اسید بن حضیر (جو اوس قبیلے کے ساتھ) کھڑے ہوئے اور سعد بن عباد سے کہنے لگے چل لے جھوٹے پروردگار کے بقاء کی قسم واللہ ہم تو اس کو ضرور قتل کریں گے اور تو بیشک منافق ہے۔جب تو منافقوں کی (عبداللہ بن ابی سلول) اور اس کے ساتھیوں کی طرف داری کرتا ہے یہ کہنا ہی تھا کہ اوس اور خزرج دونوں طرف کے لوگ کھڑے ہو گئے اور ہتھیار چلنے ہی کو تھے۔

آنحضرت ﷺ منبر پر سے اُترے اور ان کو ٹھنڈا کیا وہ خاموش ہوئے آپ ﷺ بھی خاموش ہو گئے میرا یہ حال کہ سارا دن روتے گزرا نہ آنسو رُکتا تھا نہ دم بھر نیند آتی تھی میرے ماں باپ میرے پاس آگئے میں دو رات اور ایک دن سے برابر رو رہی تھی میں سمجھی کہ میرا کلیجہ پھٹ گیا ہے وہ میرے پاس ہی بیٹھے تھے میں رو رہی تھی، اتنے میں ایک انصاری عورت نے (اس کا نام معلوم نہ ہوا) اندر آنے کی اجازت چاہی۔وہ بھی آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی ہم اس خیال میں تھے کہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جس دن سے یہ طوفان اُٹھا تھا، آپؐ میرے پاس بیٹھتے ہی نہ تھے ایک مہینہ (کامل) آپؐ اسی تردد میں رہے میرے بارے میں کوئی وحی نہ آئی آپؐ نے تشہد پڑھا اور فرمایا عائشہؓ مجھے تیری طرف سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تیری پاک دامنی کھول دے گا۔

اور جو تو (واقعی) پھنس گئی ہے تو اللہ سے بخشش مانگ توبہ کر جب بندہ توبہ کرتا ہے اور گناہ کا اقرار کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے جب آپؐ یہ گفتگو کر چکے تو میرے آنسو دفعتاً بند ہو گئے ایک قطرہ بھی نہ رہا اور میں نے اپنے باپ سے کہا تم میری طرف سے آنحضرت ﷺ کو جواب دو۔وہ کہنے لگے خُدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا۔میں آنحضرت ﷺ کو کیا جواب دوں۔پھر میں نے اپنی ماں سے کہا

تم تو میری طرف سے کچھ بولو ۔ آنحضرت ﷺ کو جواب دو ۔ وہ بھی یہی کہنے لگیں قسم خُدا کی میری سمجھ میں نہیں آتا میں آنحضرت ﷺ کو کیا جواب دوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ان دنوں میں ایک کم سن لڑکی تھی ۔ اتنا بہت قرآن بھی نہیں پڑھتی تھی ۔

میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا اور کہا میں جانتی ہوں لوگوں نے جو باتیں بتائیں وہ تم سُن چکے ہو ۔ اور تمہارے دل میں جم گئی ہیں اور تم نے ان کو سچ بھی سمجھ لیا ہے اور میں اگر اپنے تئیں پاک کہوں اور اللہ میری پاکی خوب جانتا ہے جب بھی تم مجھے سچا کیوں سمجھنے لگے اور اگر میں (جھوٹ موٹ) خطا کا اقرار کرلوں تو اللہ میری پاکی جانتا ہے تو تم مجھ کو سچا سمجھو گے خُدا کی قسم اب تو میری اور تمہاری وہی مثل ہے جو یوسف کے باپ کی گزری ۔ جب انہوں نے کہا اچھی طرح صبر کرنا یہی میرا کام ہے اور تم جو باتیں بنا رہے ہو ان میں اللہ ہی میرا مددگار ہے ۔

یہ کہہ کر میں نے اپنے بچھونے پر گردن موڑلی مجھے اُمید تھی اللہ ضرور مجھ کو پاک رکھے گا لیکن میں یہ نہیں سمجھتی تھی کہ میرے باب میں قرآن اُترے گا (جو قیامت تک پڑھا جائے گا) میں اپنی حیثیت اتنی نہیں جانتی تھی کہ میرے مقدمہ میں قرآن پڑھا جائیگا بلکہ مجھے یہ اُمید تھی کہ آنحضرت ﷺ میرے مقدمے میں کوئی خواب دیکھیں گے جس سے اللہ میری پاکدامنی ظاہر کردے گا پھر قسم خُدا کی آپؐ اس جگہ سے سرکے بھی نہ تھے اور نہ گھر کے لوگوں میں سے کوئی باہر گیا تھا اتنے میں آپ ﷺ پر وحی آنے لگی ۔

آپؐ کو پسینہ آنا شروع ہوا (جیسے وحی کے وقت آیا کرتا تھا) موتیوں کی طرح سردی کے دن میں بھی آپ ﷺ کے چہرے سے ٹپکتا جب وحی کی حالت ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ (خوشی سے) ہنسنے لگے ۔ اور پہلے جو بات آپؐ نے فرمائی وہ یہ تھی ۔ مجھ سے فرمایا عائشہؓ اللہ کا شکر بجا لا ۔ اللہ نے تیری پاکی بیان فرما دی ۔ اس وقت میری ماں (اُم رومان) کہنے لگیں اُٹھ اور آنحضرتؐ کے پاس آ ۔ آپؐ کا شکریہ کر میں نے کہا اللہ کی قسم میں نہ آپؐ پاس اُٹھ کر جاؤں گی نہ آپؐ کا شکریہ کروں گی ۔ میں تو اپنے مالک کا شکریہ کروں گی پھر اللہ تعالٰی نے یہ آیتیں اُتاریں ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ

عَذَابٌ عَظِيۡم ۲۹؎

جب اللہ نے میری پاکی اُتاری تو ابو بکر صدیقؓ نے جو پہلے مسطح بن اثاثہ سے قرابت کی وجہ سے اچھا سلوک کیا کرتے یہ قسم کھالی اب میں مسطح سے کبھی کچھ سلوک نہ کروں گا اُس نے عائشہؓ کے بارے میں طوفان اُٹھایا اُس وقت یہ آیت اُتری:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔۳۰؎

حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے بے شک میں تو اللہ کی مغفرت کا طالب ہوں (سبحان اللہ ایمان ہوتو ایسا) اور مسطح سے جو سلوک کیا کرتے تھے وہ پھر جاری کر دیا اور آنحضرت ﷺ (اس طوفان کے زمانہ میں) زینب بنت جحشؓ (میری سوکن) سے میرا حال پوچھتے فرماتے زینب تو کیا سمجھتی ہے تو نے کیا دیکھا ہے وہ کہتیں یارسول اللہ میں نے جو سُنا اور جو دیکھا وہی کہوں گی میں تو عائشہؓ کو پاکدامن ہی سمجھتی ہوں اور آپ کی بیویوں میں میرے مقابل کی وہی تھیں مگر ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو بچائے رکھا۔ ۳۱؎

تبصرہ :

پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات میں سے ایک خدمت ''مخالف سے انتقام نہ لینا تھی'' اور اگر غور کیا جائے تو یہ بہت بڑی خدمت ہے۔لیکن پہلی صدی ہجری کی خواتین اس خدمت میں بھی نمایاں نظر آتی ہیں۔

اصول تو یہ ہونا چاہیے کہ ذاتی مفاد کی خاطر اور دنیاوی اغراض کے لیے کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ، بلکہ اگر کسی نے پہل کر کے تمہیں ضرر پہنچایا ہو تو بھی عفوو درگزر سے کام لے کر اسے معاف کر دو یعنی انتقام کے طور پر کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے ۔ اگر کسی کو اس کے جرم کی جائز اور قرار واقعی سزا قانون کے ذریعے مل چکی ہو تو مزید انتقام لینے اور انفرادی طور پر ضرر پہنچانے کی اجازت نہیں ۔مطلب یہ ہے کہ نہ خود تکلیف اٹھاؤ اور نہ ہی دوسروں کے لیے وبال جان بنو ۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ اگر اسی اصول پر عمل درآمد کیا جائے تو ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ جیسے پہلی صدی ہجری کی خواتین اپنے مخالف سے انتقام لینا تو دور کی بات بلکہ اپنے دل میں اس کے لیے بغض و عناد بھی نہیں رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کوئی انتقام نہ لیا حالانکہ انہوں نے ان کے بھائی کو قتل کیا تھا،

فصل سوم

صبر و ثبات میں خواتین کی دینی خدمات:

صبر کا لغوی معنی ہے روکنا، سہارنا اور برداشت کرنا وغیرہ مگر عام اصطلاح میں استقلال، ثابت قدمی، استقلامت، جرأت اور دل کی مضبوطی کے ساتھ تمام پریشانیوں پر قابو پانا صبر کہلاتا ہے۔ اسلامی رو سے ناموافق حالات میں بھی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا اور نیک عمل پر قائم رہنا صبر کہلاتا ہے۔ عام طور پر استقلال کا لفظ صبر ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

استقلال کے لغوی معنی ہیں بغیر کسی کمی و کوتاہی کے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ صراط مستقیم پر قائم رہنا اور ہمیشہ بلند ہمتی سے اس کی پیروی کرتے رہنا گویا تمام احکام شریعت کی صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقلال ہے۔

اسلام نے اہل ایمان کو صبرو استقلال کی تعلیم دی ہے۔ یہ وہ جوہر ہے کہ جس سے اسلامی تعلیمات پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اگر صبر و استقلال کی صفات نہ ہوں تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے۔ صحابیات کی حیات طیبہ صبر و استقلال کا بے مثال نمونہ ہے۔

جناب سیدہ فاطمہؓ کی پوری زندگی صبر و قناعت تسلیم و رضا کی زندگی ہے ساری عمر تنگ دستی میں بسر کی۔ مگر کبھی افلاس سے رنجیدہ نہ ہوئیں۔ اللہ کی رضا سے خوش تھیں۔ اکثر تین تین روز کا فاقہ ہوتا مگر ان کی زبان شکوہ آشنا نہ تھی۔ بطریق حلال جو ملا۔ بصد شکر و اطمینان قبول کیا۔ دنیاوی جاہ و حشم آپ کی نگاہوں میں ہیچ تھا، خواجہ کائنات ﷺ نے نورنظر کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ جناب فاطمہؓ کا منتہائے مقصود صبر و رضا اور زہد و تقشف تھا۔

ایک مرتبہ کسی عورت نے پوچھا کہ:

اگر کسی کے پاس چالیس اُونٹ ہوں تو ان پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟

جناب سیدہؓ نے فرمایا:

”اگر میرے پاس ہوں تو چالیس کے چالیس اور اگر کسی اور کے پاس ہوں تو چالیس میں سے ایک“

ایک مرتبہ خواجہ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ انہوں نے اونٹ کی پشم کا ایک موٹا سا
کپڑا پہن رکھا ہے۔ [۴۲]

آپؐ نے فرمایا:

اے فاطمہ! آج دارِ دنیا میں مشقت اور تنگی معاش پر صبر کرنا کہ فردائے قیامت کو نعیم جنت سے بہرہ اندوز ہو۔

جناب سیدہ اسی لیے بارگاہ ایزدی سے رضائے الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق کی التجا کرتی تھیں۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کی طالب تھیں۔

ترجمہ: اپنی رضاؤں سے بہرہ یاب کر اور بخششوں کی خوش خبری دے۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ:

ایک دن رسول اکرم ﷺ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ دیکھا بیٹی آٹا گوندرہی ہے۔ زبان پر کلام اللہ جاری ہے اور لباس میں تیرہ پیوند لگے ہیں، جناب رسالت مآبؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا:

''اے فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر''۔ [۴۳]

غزوہ اُحد کے تاریخی موقع پر حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اُم دحداح کو الوداع کیا اور مجاہدین کے ہمراہ مشرکین سے نبرد آزما ہونے کے لیے چل دیئے۔ جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو حضرت ابودحداح انصار کی جماعت کے ساتھ ثابت قدم رہے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

جب غزوہ اُحد میں ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ آگے بڑھے مسلمان مختلف ٹولیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دشمن کے آگے پسپا ہو رہے تھے۔ یہ دلفگار انداز میں کہنے لگے اے خاندان انصار میری طرف قدم بڑھاؤ ادھر آؤ میں ثابت بن دحداح ہوں۔ اگر حضرت محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ اللہ تو زندہ ہے اُسے موت نہیں آئے گی۔ اپنے دین کے دفاع کے لیے لڑو گھبراؤ نہیں اللہ تمہیں غالب کرے گا تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔ یہ آواز سنتے ہی انصار کے چند افراد اس کی طرف بڑھے تو حضرات ابودحداحؓ

نے چند مسلمانوں کو ساتھ ملا کر دشمن پر پیش قدمی کی اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مسلح اور تندخولشکر ان کے سامنے آکھڑا ہوا جس میں مد مقابل لشکر کے سردار بھی موجود تھے، ان میں خالد بن ولید،عمرو بن العاص ، عکرمہ بن ابی جہل،ضرار بن خطاب ہتھیاروں سے لیس موجود تھے،ان سے مڈبھیڑ ہوئی خالد بن ولید نے حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ پر نیزے سے حملہ کیا جو ان کے جسم سے آر پار ہوگیا اور وہ جام شہادت نوش کر گئے اور ان کے ساتھ دیگر انصاری بھی شہید ہو گئے ۔

جس خاتون کو اس کے خاوند کی موت کا پتہ چلے وہ کیا ردعمل ظاہر کرے گی ؟ لیکن جب حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ان کی بیوی حضرت اُم دحداح رضی اللہ عنہا کو ملی انہوں نے نہ تو اپنا چہرہ پیٹا نہ اپنے کپڑے پھاڑے اور نہ ہی اپنے سر میں مٹی ڈالی، بلکہ اس نے مسلسل **اللہ اکبر، انا للہ وانا الیہ راجعون** کہتے ہوئے اللہ تعالٰی سے ثواب حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا۔[۳۴] کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے خاوند نے جام شہادت نوش کر کے بہت بلند درجہ حاصل کر لیا ہے اس کے نصیب میں اللہ کی رضا آگئی وہ سدا بہار جنتوں میں شہداء کے ساتھ زندہ جاوید ہو گئے ۔حضرت اُم دحداح رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر خوشی سے جُھوم اُٹھیں کہ آنحضرت ﷺ جنگ اُحد سے صحیح سالم واپس آگئے ہیں۔آنحضرت ﷺ کی سلامتی کے ہوتے ہوئے تو ہر مصیبت معمولی دیکھائی دیتی ہے۔[۳۵]

اُم سلمہؓ کا نکاح عبد اللہ بن عبد الاسد جو زیادہ تر ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں، سے ہوا۔ آغازنبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز تھا۔[۳۶]

جب ابوسلمہؓ نے مدینہ کی جانب نکل جانے کا پکا ارادہ کرلیا تو اپنے اونٹ پر میرے لیے (اُم سلمہؓ کے لیے) کجاوہ کسا اور مجھے اس پر سوار کرا دیا۔میرے لڑکے کو بھی میری گود میں بٹھا دیا اور مجھے لے کر اپنا اونٹ کھینچتے ہوئے نکلے ۔جب انہیں بنی مغیرہ بن عبداللہ (بن عمر بن مخزوم) کے لوگوں نے دیکھا تو وہ ان کی طرف جھپٹے اور کہا : تم نے اپنی ذات کے متعلق تو (حجت میں) ہم پر غلبہ حاصل کر لیا (تمھیں اپنی ذات کے متعلق اختیار ہے کہ جو چاہو کرو، جہاں چاہو، رہو، جو دین چاہو، اختیار کرو، لیکن)

یہ بتاؤ کہ تمہاری اس بی بی کو ہم کیوں چھوڑ دیں کہ تم اسے لے کر شہر بہ شہر پھرو۔

انہوں نے اونٹ کی مہار ابو سلمہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور مجھے اس نے لے لیا۔ تب تو ابو سلمہ کی جماعت بنی عبد الاسد غصے میں آگئی اور انہوں نے کہا جب تم نے ہمارے آدمی سے اس (کی عورت) کو چھین لیا ہے تو واللہ! ہم بھی اپنے بچے کو اس (کی ماں) کے پاس نہ چھوڑیں گے، پھر میرے بچے سلمہ کو بنی عبد الاسد لے گئے اور میرے شوہر مدینہ چلے گئے اور ہم میں جدائی ڈال دی۔[۳۷]

بالآخر میرے چچیرے بھائی کی مہربانی سے وہ لوگ میری ہجرت پر راضی ہو گئے اور میرا بچہ بھی واپس کر دیا تو میں بچے کو گود میں لے کر اپنے اونٹ پر تنہا سوار ہو گئی میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا جب مقام تنعیم پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ انہوں نے کہا، واللہ میں تمہیں تنہا نہ چھوڑوں گا۔[۳۸]

اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا، اور حضرت اُم سلمہؓ اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا، اور اُم سلمہؓ سے کہتا کہ سوار ہو جاؤ۔ حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی، تو بولا، اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں، یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے، اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہ آتا تھا۔ یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں اور حضرت اُم سلمہؓ مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی ابو امیہ، کی بیٹی ہیں، ابو امیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اس لئے حضرت اُم سلمہؓ کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابو سلمہؓ بڑے شہسوار تھے، بدر اور اُحد میں شریک ہوئے غزوہ اُحد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی سنہ ۴ھ میں ان کا زخم پھٹا، اور اُسی صدمہ سے وفات پائی۔

حضرت اُم سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی، اور آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے گھر میں کہرام مچا تھا، حضرت اُم سلمہؓ کہتی تھیں ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی، آنحضرتؐ نے فرمایا، صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر۔ اس کے بعد ابو سلمہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ۹ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے، وفات کے وقت ابو سلمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی، بالآخر ان کا نکاح حضورؐ سے ہوا اور ان کے غم کے بادل چھٹ گئے۔ [۳۹]

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے جس صبر و استقامت سے دشمنان اسلام کے مصائب و آلام کو برداشت کیا اور اپنے پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دی۔ وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے، اسلام کی خاطر اپنے عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑا، کس لیے؟ صرف ایمان کے لئے۔ پھر اپنے شوہر کی وفات کے بعد صبر و شکر سے کام لیا اور حضور کی تلقین صبر و استقلا ل پر اور آپکی دعا پر عمل کیا۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی سُن کر ان کے عزم و استقلال کا بدلہ اس دنیا میں یہ دیا کہ ان کے پہلے شوہر سے بھی بہتر شوہر عطا فرما دیا۔

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں زرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیعہؓ

آپؓ خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ ہیں۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیعہؓ، یاسرؓ اور عمار تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا۔ تاریخ میں حضرت سمیعہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کچھ دن اطمینان سے گزر گئے کے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں قریش کا ظلم و ستم شروع ہوا جو بتدریج بڑھتا گیا چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا وہ اُسے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے ۔لیکن بااین ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں۔ ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا، اسی حالت میں رسول کریمﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: صبر کرو ۔ تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے، لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہ ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت انہی کو نصیب ہوا۔ [۴۰]

جب کسی کے گھر میں فوتگی ہو جاتی تو حضرت عائشہؓ اُن کے پاس جاتیں اور انہیں صبر کی تلقین کرتیں کہ مرنے والے کو کوئی روک نہیں سکتا اور ایک دن ہم سب نے بھی مر جانا ہے یہی زمانے کا دستور ہے۔

وفات کی وجہ سے عورتیں جمع ہوتیں تھیں، جب وہ چلی جاتیں، صرف گھر والے اور خاص خاص عورتیں رہ جاتیں تو آپ ہانڈی میں تلبینہ (حریرہ کی ایک قسم جو دودھ سے بنایا جاتا تھا) پکانے کا حکم دیتیں وہ پکایا جاتا۔ پھر ثرید پکایا اور تلبینہ اس پر ڈالا جاتا، پھر اُم المؤمنین فرماتیں کہ اسے کھاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سُنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے، کہ تلبینہ مریض کے دل کو تسکین دیتا ہے۔ اور اسکا غم دور کرتا ہے۔ [۴۱]

غزوہ اُحد میں سعد اور عمرو اللہ کی راہ میں نکلنے والے مجاہدین کی پہلی صف میں شامل تھے ۔عمرو نے تو بنو عبد الاشہل کی جماعت کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو خواتین رسول اللہؐ کی سلامتی کو دیکھنے کے لیے باہر نکل آئیں۔ اُم سعد بن معاذؓ دوڑتی ہوئی نبی کریم ﷺ کے پاس آئی آپ گھوڑے پر سوار تھے اور سعد آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے تھے۔ [۴۲]

سعد نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ! میری والدہ آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش آمدید! وہ قریب آئی غور سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا و رعرض کی آپ کو صحیح سالم دیکھ کر مصیبت آسان ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بیٹے عمرو کی تعزیت کرتے ہوئے کہا۔ اے اُم سعدؓ ! خوش ہو جا اور اہل خانہ کو بھی خوشخبری دینا کہ ان کے سب شہداء جنت میں اکھٹے ہو گئے اور گھر والوں کے حق میں ان کی

سفارش قبول کر لی گئی ہے۔

اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے دل خوش ہوگئے اب اس کے بعد بھلا ان کے غم میں کون روئے گا؟ پھر عرض کی یارسول اللہ! جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کے حق میں دعا کریں۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا کی:

''الٰہی ان کے غم دور کردے ان کی مصیبت کو ختم کردے اور پیچھے رہنے والوں کے حالات بہتر کردے'' لیکن کیا اُم سعدؓ نے اسی عطاء پر توقف کیا؟

اس کے بیٹے کی شہادت نے اسے مسلمانوں کو پیش آنے والی مشکلات میں شرکت کرنے سے نہیں روکا۔ بلکہ وہ انصار کی خواتین کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے گھر تشریف لے گئیں۔ وہ آپ کے چچا کے غم میں رو رہی تھیں جو جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب عورتوں کی آہ و بکا سنی تو آپ نے ان سے کہا: اللہ تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی ہو گیا۔ پھر آپ نے انہیں اپنے گھروں کو چلے جانے کا حکم فرمایا۔ آپ نے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا:

ان کو حکم دو کہ واپس چلی جائیں اور آج کے بعد جنگ میں کام آنے والے کسی شخص پر بھی نہ روئیں۔[۴۳]

اُم سعد اور بنوعبد الاشہل کی خواتین رسول اللہ ﷺ کا حکم مانتے ہوئے واپس اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ اس شاندار موقف کے بل بوتے پر حضرت اُم سعدؓ نے کمال درجے کا صبر اور اللہ و رسولؐ کی رضا کو ایک ساتھ اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور نبی کریم ﷺ کی مقبول دعا اس کے نصیب میں آئی اس طرح اس نے کامیابی سے رضائے الٰہی اور رحمت اپنی جھولی میں بھر لی۔

ایسی مشکل گھڑی میں جس میں آنکھیں تاڑے لگ جاتی ہیں اور دل حلق تک آپہنچے ہیں۔ غزوہ خندق میں چیلنج کی صورت میں اُم سعدؓ کے نصیب میں ایک ایسی صداقت پر مبنی گواہی آئی جس پر رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت تھی۔ اس کا بیٹا ایک چھوٹی سی درع پہنے ہوئے تھا جس سے اس کا بازو ننگا تھا، وہ بنو حارثہ کے قلعے کے سامنے سے گزرا اس قلعے میں عورتیں اور بچے تھے۔ اس قلعے میں اُم المومنین عائشہؓ اور اس کی والدہ کبشہؓ بھی تھی اس کی والدہ نے کہا بیٹے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا ملو تم نے بڑی دیر کر دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: میں چاہتی ہوں کہ سعد لمبی درع پہنے۔ جو اس کے بازوؤں

کو بھی ڈھانپ لے۔

اُم سعدؓ نے کہا: رہنے دیجئے! اللہ جو بھی فیصلہ کرنا چاہے کر دے۔ اللہ نے اپنا فیصلہ کر دیا۔ ہوا یوں کہ ایک تیر اس کے بازو کو لگا جس سے بازو کی رگ کٹ گئی سیدنا سعدؓ نے اللہ تعالٰی سے دعا کی کہ اس وقت تک مجھے موت نہ دے جب تک بنو قریظہ کو اپنے انجام تک پہنچتے دیکھ کر میری آنکھوں کو ٹھنڈک نہ مل جائے۔ جنہوں نے اپنا عہد توڑ دیا تھا، جنہوں نے اللہ، رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔ اس کا زخم پھول گیا اور اس میں شدید جلن ہونے لگی۔ [۴۴]

غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ برپا ہوا بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا پھر وہ سعد بن معاذؓ کے فیصلے کی شرط پر قلعے سے نیچے اتر آئے، رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کی ذمے داری حضرت سعدؓ کو بنو قریظہ کے مطالبے پر دی تھی۔

حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے جب حضرت سعدؓ کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا تو ان کا زخم پھٹ گیا اور وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ [۴۵]

اس منظر کو دیکھ کر اس کی والدہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اور اپنے بیٹے سعدؓ کے فراق پر اسے آنسو بہانے بھی چاہئیں۔ جب اپنے بیٹے کے لاشے کو دیکھا تو غم سے نڈھال ہو کر یہ شعر کہے:

ہائے اُم سعد کا سعد کے لیے ہلکان ہونا
سعد درست رائے والا اور تیز تلوار والا تھا
جو سردار، معزز، شہسوار اور چوکس تھا
دشمن کے آگے بند باندھنے والا
سینہ تان کر کھڑا ہونے والا
اور دشمن کو چیر کر رکھ دینے والا

جب نبی کریم ﷺ نے سُنا تو یہ ارشاد فرمایا:

اُم سعد کے سوا ہر رونے والی جھوٹی ہے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہا۔ [۲۶]

دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اہل مکہ سختیوں اور مسائل و مشکلات کے ذریعے دین اسلام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے ۔کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے پیدا نہ کی ہو اور کوئی ایسا ظلم نہیں تھا جو انہوں نے نومسلم کلمہ پر نہ توڑا ہو ان مصائب و آلام کی زد میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپؓ کے اہل خاندان بھی تھے ۔مگر حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے پائے استقلال میں ہلکی سی بھی جنبش نہ ہوئی بلکہ آپؓ نے نہ صرف خود کو عزم و استقامت کا پہاڑ ثابت کیا بلکہ خاندان کے دوسرے افراد کا بھی ان کے ارادوں، اطوار، افعال و اعمال کی پختگی کے لیے حوصلہ بڑھایا۔

جب اہل مکہ کے ظلم و ستم کی داستان کے اوراق سیاہ سے سیاہ ہونے لگے تو رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند، نیک دل اور صُلح جو شخص تھا، ہجرت کرنے والے اس پہلے قافلے میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ تھی جن میں چار خواتین تھیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہونیوالے آپؓ کے خاندان کے افراد اس قافلے میں شامل ہونے سے قاصر رہے تھے اس لیے وہ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور نفرت وحقارت کا نشانہ بنے رہے ۔تاہم حضرت سودہ بنت زمعہؓ اس کوشش میں رہیں کہ رہبر کون و مکان ﷺ کے فرمان کے مطابق جتنا جلد ممکن ہو سکے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

آخر کار وہ وقت آ گیا جب حبشہ کی طرف مسلمانوں کا دوسرا قافلہ کفار مکہ سے چھپتا چھپاتا ہوا حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔اگر چہ کفار مکہ نے اس قافلے کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر رب تعالیٰ کی مدد سے یہ قافلہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔مزید یہ کہ انہوں نے پہلے قافلے کو حبشہ پہنچنے پر بھی حبشہ کے بادشاہ کو ورغلانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام و نامراد رہے۔ [۲۷]

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی حوصلہ افزائی ہی کی وجہ سے سرور کائنات ﷺ نے دوسرے قافلے کو وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔اس دوسرے قافلے میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ، آپؓ کے شوہر حضرت سکرانؓ بن

عمرو کے علاوہ آپؓ کے میکے اور سسرال کے وہ تمام لوگ شامل تھے جو آپکی کاوشوں سے اسلام لائے تھے۔اس قافلے میں 130 لوگ تھے جن میں 20 عورتیں تھیں۔حضرت سودہؓ سرور کائنات ﷺ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے حبشہ پہنچ تو گئی تھیں مگر آپؓ کو اس بات کا پوری شدت کے ساتھ احساس تھا کہ وہ اس نازک، سخت اور کٹھن دور میں محبوب رب اللعالمین کو مکہ میں تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ جہاں پر بے دین لوگ آپؐ کی جان کے درپے ہیں حبشہ میں اگرچہ امن و امان قائم تھا،لیکن اپنے وطن کی محبت ،اپنے گھر بار کی یاد اور سب سے بڑھ کر رسول کریم ﷺ سے عشق انھیں لمحہ لمحہ بے چین کیے رکھتا تھا اور قافلے کا کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو اس کرب سے نہ گزرا ہو۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے واپس جانا شروع کر دیا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ اپنے اہل خاندان کے ہمرکاب فوری طور پر مکہ مکرمہ پہنچیں۔

اہل مکہ کی ستم ظریفیاں مسلمانوں پر جاری و ساری تھیں،حضرت سودہؓ جب مسلمانوں پر اور خاص طور پر رحمت اللعالمین ﷺ کے ساتھ اہل مکہ کا ناروا سلوک دیکھتیں تو بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں بہت پریشان اور غم زدہ ہوتیں مگر کر بھی کیا سکتی تھیں؟ اہل مکہ کے ظلم وستم جاری و ساری تھے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے شوہر اللہ کو پیارے ہو گئے ادھر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غم خوار چچا اور آپؐ کی غم خوار بیوی حضرت خدیجہؓ بھی یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئے۔

ان دونوں مشفق و مکرم ہستیوں کے انتقال کر جانے کی وجہ سے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا گیا۔ ہمدرد چچا اور شریک غم حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سرور کائنات ﷺ تنہا تنہا محسوس کرنے لگے۔مزید یہ کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال ہونے کے بعد سرور کائنات کے گھر مبارک میں کوئی بڑی عورت نہیں تھی جو آپ ﷺ کے گھر کی دیکھ بھال کرتی اور آنحضور ﷺ کی صاحبزادیوں کی سرپرستی کرتی۔گھر کی فکر کی فراغت کے ساتھ رہبر کائنات کو دین کے کاموں میں بھی پوری یکسوئی اور رہم آہنگی درکار تھی۔ [۴۸]

اہل مکہ نے جب یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کے چچا اور رفیقہ حیات انتقال فرما گئے ہیں تو انہوں نے آنحضور ﷺ پر ظلم وستم میں اضافہ کر دیا جب رہبر کائناتؐ کسی کام کے لیے باہر نکلتے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خاک پھینک دی جاتی۔

آپ گھر تشریف لائے تو آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمۃ

الزہرا اپنے والد محترم کا سر مبارک رو رو کر دھوتیں۔ اب تو آپؐ کے قریبی رشتہ دار بھی اہل مکہ کی ستم ظریفیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت خولہؓ بنت حکیمؓ دونوں آنحضور ﷺ کے مددگار اور خدمت گزار تھے جب انہوں نے محسوس کیا آنحضور ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں بالکل ہی تنہا رہ گئی تھیں تو ان دونوں میاں بیوی نے آپس میں مشورہ کیا کہ سرور کائنات ﷺ کے گھر کوئی بڑی عورت کا متبادل انتظام ضرور ہونا چاہیے تاکہ ہادی کون و مکان گھر کی فکر سے مکمل آزاد ہو کر دین اسلام کی آبیاری کے لیے کام کرسکیں اس خیال کو دل میں جاگزیں کئے ایک دن حضرت عثمانؓ بن مظعون کی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور آپ ﷺ کے سامنے دوسری شادی کی تجویز پیش کی۔ اگرچہ رحمتہ للعالمینؐ اپنی غمگسار مرحومہ بیوی حضرت خدیجہؓ سے گہری وابستگی اور عمیق تعلق رکھتے تھے مگر حضرت خولہ بنت حکیمؓ کے جاندار اور روزنی دلائل سے آپؐ متفق ہو گئے اور یوں حضرت سودہؓ نے ان کے ساتھ مل کر مشکلات کا سامنا کیا۔[۴۹]

ابو طلحہؓ کا ایک بچہ بیمار ہوا اور انسؓ نے کہا: وہ مر گیا اس وقت ابو طلحہؓ گھر میں نہ تھے جب ان کی بی بی ام سلیمؓ انسؓ کی ماں نے دیکھا وہ مر چکا تو انہوں نے کچھ کھانا تیار کیا اور بچے کو ایک طرف کونے میں کر دیا اتنے میں ابو طلحہؓ آئے انہوں نے پوچھا بچہ کیسا ہے۔ اُم سلیم نے کہا اس کو آرام ہے اور میں سمجھتی ہوں اب اس کو چین ملا ابو طلحہ سمجھے کہ اُم سلیمؓ سچ کہتی ہیں (اب بچہ اچھا ہے) حضرت انسؓ نے کہا: ابو طلحہؓ رات کو اُم سلیمؓ کے پاس رہے۔ صبح کو غسل کیا جب باہر جانے لگے تو اُم سلیمؓ نے ان سے کہا بچہ تو مر گیا۔ ابو طلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ آ کر نماز پڑھی اور آپؐ سے اُم سلیمؓ کا حال بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شاید اس رات میں ان دونوں (جورو خاوند) کو برکت دے گا۔

سفیان ابن عیینہؓ نے کہا ایک انصاری مرد (عبایہ بن رافع بن خدیج) کہتا تھا، میں نے اُم سلیمؓ کے نو لڑکے دیکھے سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔[۵۰]

''ترجمان السنۃ'' میں ہے جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا۔ ابو طلحہ بتاؤ اگر کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریۃ رکھی ہو پھر وہ اُسے مانگ لے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے۔ انہوں نے کہا نہیں وہ بولیں تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی اس نے لے

لی ہے) اس پر انہیں غصہ آیا اور فرمایا:

''مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں میں ہمبستری نہ کرتا''۔

اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعتہً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نا مناسب سمجھی اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا اس لئے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہہ دیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لئے اس میں کسی اور معنی سمجھنے کی گنجائش بھی نہ تھی۔ [۱۵]

اُم حارثہ الربیع اُن خواتین میں سے تھی۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا اور ان پر اپنا خصوصی کرم کیا۔ اُنہیں اچھا مقام دیا اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کی عمدہ تربیت کی۔ اپنے بیٹے حارثہ کو اس نہج پر تیار کیا کہ وہ لشکر اسلام میں شامل ہو۔ اس میں خوبیوں کا بیج بویا جن میں سے سرفہرست نبی کریمؐ سے محبت اور اللہ کی راہ میں شہادت کا شوق تھا۔

اس کا بیٹا حارثہ بن سراقہ ان نوجوانوں میں سے تھا جن کے دلوں کو ایمان نے آباد کر دیا تھا، اور اللہ کی راہ میں شہادت کے شوق نے اسے ہر دوسری چیز سے بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز رسول کریم ﷺ نے اس سے کہا:

حارثہ آج صبح کیسے گزری؟

اس نے عرض کی میں نے آج صبح ایک سچے مومن کی صورت میں گزاری۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

غور کرو تم کیا کہتے ہو؟ ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔

اس نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ ! میرا دل دنیا سے اُچاٹ ہو گیا ہے۔ میں رات کو جاگتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں۔ میرے رب کا عرش مجھے واضح دیکھائی دیتا ہے۔ گویا اہل جنت کو بچشم سر دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور اہل جہنم کو دیکھتا ہوں۔ کہ وہ آہ بکا کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

تجھے بصیرت مل گئی عبد رہنے پر ہی اکتفا کیجئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں ایمان کا بیج بو دیا ہے۔ حارثہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے شہادت کی دعا کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں شہادت کی دعا کی۔

غزوہ بدر بپا ہوا۔ حارثہ اپنی والدہ کی دعائیں لے کر روانہ ہوا جب معرکہ شروع ہوا تو وہ شہادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ رسول کریم ﷺ کی خبر حقیقت کا روپ دھار گئی۔

حارثہ کے حق میں آپکی دعا قبول ہوگئی۔ ابن اسحاقؒ کہتے ہیں۔ معرکہ میں سب سے پہلے حضرت عمر بن خطابؓ کا غلام مھجع شہید ہوا اس پر ایک تیر پھینکا گیا جس نے اسے قتل کر دیا اس کے بعد ایک گمنام تیر حارثہ بن سراقہ پر پھینکا گیا جو اس کے گلے میں لگا اور اس نے اُسے شہید کر دیا۔[۵۲]

اُم حارثہؓ اور اس کی بیٹی کو حارثہ کے شہید ہونیکی خبر مدینہ منورہ میں پہنچی۔ تو اس کی والدہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس وقت تک نہیں روؤں گی جب تک رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف نہیں لے آتے اور میں آپ سے دریافت نہ کرلوں، اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو اس کے لئے نہیں روؤں گی۔ بلکہ میں صبر کروں گی اور اجر و ثواب کی نیت رکھوں گی۔ اور اگر خدانخواستہ جہنم میں ہے تو پھر میں جی بھر کر آنسو بہاؤں گی۔ نبی کریم ﷺ بدر سے کامیاب ہو کر مدینہ تشریف لائے یہ آپ کے پاس آئی جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے عرض کی یارسول اللہؐ کیا آپ حارثہ کے بارے میں مجھے نہیں بتائیں گے۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اگر اس کے علاوہ کچھ ہے تو میں جی بھر کر روؤں اور جگر کو پیٹوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: اے اُم حارثہ! وہ جنت میں روپوش ہے۔ اور تیرا بیٹا اعلیٰ درجے کی جنت یعنی فردوس میں ہے۔

اُم حارثہؓ ہنستی مسکراتی ہوئی واپس آئی۔ اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

اے حارثہ! تجھے مبارک ہو۔

پھر رسول کریم ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ اس میں اپنا ہاتھ ڈالا کلی کی پھر وہ پانی اُم حارثہ کو پکڑایا۔ اس نے وہ پانی خود بھی پیا اور اپنی بیٹی کو بھی پلایا۔ پھر ان دونوں کو یہ حکم دیا کہ بقیہ پانی سے اپنے گریبانوں پر چھینٹے ماریں۔ ان دونوں نے ایسے ہی کیا اور پھر وہ نبی کریمؐ کے پاس سے

واپس آ گئیں ۔ مدینہ منورہ میں یہ دونوں عورتیں سب سے زیادہ خوش اور مطمئن تھیں، اس لئے کہ انہیں اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان کا عزیز اچھے ٹھکانے پر پہنچ گیا ہے ۔ ان دونوں کو حسن صبر اور قوت ایمان مبارک ہو ۔ تمام خواتین کو اُم حارثہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے ۔ آمین [۵۳]

اُم کجہ الانصاریہ:

اسلام سے پہلے جو دور تھا وہ جاہلیت کا تھا جس کے معاشرے میں بے انتہا برائیاں تھیں اور انسانیت کی دھجیاں بکھیر دی جاتی تھیں ۔ خاص طور پر اس زمانے میں عورتوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ عورت کو اس کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا ۔ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تھی تو وہ اسے بچپن ہی میں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ باپ اپنی بیٹی کو عار سمجھتا تھا، جب لڑکی اپنے سسرال جاتی تھی تو وہاں پر بھی ظلم وستم کی انتہا کی جاتی تھی ۔ عورت کو بے جان شے سمجھ کر نہ اس کو باپ کی میراث سے کچھ ملتا تھا اور نہ ہی شوہر کی میراث سے بلکہ اسے خود میراث میں تقسیم کر دیا جاتا تھا ۔

ظہور اسلام کے بعد عورت کو معاشرے میں اس کا مقام دیا گیا اور رشتوں کے حوالے سے عورت کی عزت وتکریم کی گئی ۔ اُم کجہ انصاری مسلمان خواتین کی سردار تھیں جنھوں نے اسلام اور اس کی شریعت حنفیہ کی پیروی کی ۔ شریعت اسلامیہ نے ان کی مدد قرآن کریم کے بنیادی اور دائمی دستور میں فرمائی جو کہ پڑھا جاتا ہے، حقوق بیان کرتا ہے اور عدل کا میزان قائم کرتا ہے ۔

آپؓ کی شادی ایک جلیل القدر صحابی اوس بن ثابت انصاریؓ سے ہوئی ۔ وہ ایک آسودہ حال شخص تھے ۔ اللہ نے انہیں مال ودولت سے نوازا تھا، ام کجہ اور ان کی زندگی گذر رہی تھی کہ ''یوم احد'' آن پہنچا ۔ حضرت اوسؓ نے بدر کی طرح اس غزوہ کے لیے بھی اپنی بیوی کو الوداع کہا، چھوٹی بیٹیوں کو پیار کیا اور لڑائی کے میدان میں جا پہنچے ۔ معرکہ شروع ہوا اور فرشتوں نے شہید مومنوں کی ارواح کو اپنی حفاظت میں لینا شروع کر دیا اور جنت بریں کی طرف پرواز کرنی شروع کر دی ۔

حضرت اوس بن ثابت بھی احد کی زمین کو اپنے لہو سے سرخ کر کے شہید ہوئے اور ان کی روح شہادت کا پروانہ اور وعدہ جنت لے کے جنت کی طرف پرواز کر گئی ۔ شہادت کا پروانہ تو یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی کے راستے میں پاک خون بہایا اور وعدہ جنت وہ بدر کی شرکت پر مغفرت کا فرمان الٰہی تھا ۔

ام کجہ اسی طرح اپنی نیت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور اپنی دونوں بیٹیوں کو بہتے ہوئے آنسوؤں، فخر اور محبت کے ساتھ بتاتیں کہ ان کا باپ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوا۔ ام کجہ کی اپنے شوہر سے جدائی یقیناً تکلیف دہ تھی لیکن وہ اپنے شوہر کو جنت ملنے کی وجہ سے بہت خوش تھیں اور وہ صابرین کا قول دہراتیں کہ:

''ان لوگوں کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے''۔[۵۴]

حضرت ام کجہؓ نے اپنے کاندھے پر ان دونوں بچیوں کا بوجھ اٹھایا لیکن ظلم ام کجہؓ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور ظلم ان کے گھر کا راستہ دیکھ رہا تھا، ایک مرتبہ اوسؓ کے چچا زاد بھائی سوید اور عرفجہ ان کے گھر داخل ہوئے اور اوسؓ کا مال ومتاع اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور ان ماں بیٹیوں کو بغیر مال و متاع کے چھوڑ گئے۔ یہی جاہلیت تھی اور جاہل اسی طرح کرتے تھے۔لیکن ام کجہؓ جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ وہ اسلام کا عدل و انصاف دیکھ چکی تھیں، اللہ کی رحمت کو جان چکی تھیں اور یہ کہ حق تعالیٰ ایسا عادل ہے جو اپنے بندوں پر ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا شکوہ لے کر پہنچیں کیونکہ انہیں اس دربار سے انصاف کا یقین تھا۔انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ میری دو بچیاں ہیں، ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، ان کا باپ بہت ساری دولت چھوڑ کر گیا تھا جو اس کے چچا کے بیٹوں ''سوید اور عرفجہ'' کے پاس ہے۔وہ ان دونوں کو کچھ نہیں دیتے کہ اس سے اشیاء خوردونوش لی جاسکیں''۔

نبی کریمؐ نے ان دونوں کو بلوا بھیجا۔وہ آئے اور کہنے لگے:

''یا رسول اللہ ﷺ! اوس کے بچے نہ سواری کر سکتے ہیں، نہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں، نہ دشمن سے بچاؤ کر سکتے ہیں۔ہم تو ان کے لیے کما رہے ہیں ۔ یہ خود کما نہیں سکتے ۔

اس پر انصاف بھری آیت نازل ہوئی ۔

''مردوں کے لیے اس ترکہ میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں''۔[۵۵]

اللہ تعالیٰ نے میراث کی تقسیم کا حکم فرما دیا اور ام کجہ کو آٹھواں، بچیوں کو دو ثلث اور باقی ماندہ اوس بن ثابت شہید کے چچا زادوں کو دے دیا گیا۔اس طرح قرآن نے مسلمانوں کی مشکل کو حل کر دیا تا کہ مسلمان اس پر عمل کر کے کسی بڑے فتنے میں نہ پڑیں اور عورتوں کو مردوں کی طرح وراثت ملنے لگی۔

اس جلیل القدر صحابیہ نے حق کے علاوہ کسی چیز کو ماننے سے انکار کیا، اس لیے کہ وہ اپنی فطرت اور ایمان کے باعث سمجھتی تھی کہ اسلام عدل و انصاف کا دین ہے اور وہ ظلم پر کس طرح چپ رہ سکتا ہے؟ جاہلیت کا دور گیا جب عورتوں کے حقوق غصب کیے جاتے تھے تو پھر اب یتیموں کے حقوق اور اموال کیسے غصب ہو سکتے ہیں۔[۵۶]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والے کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

''بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور یہ عنقریب دہکتی آگ میں داخل ہوں گے''۔[۵۷]

کبیشہ بنت معن:

تاریخ اسلام میں جہاں بے شمار خواتین کے ایثار اور قربانیوں کی سبق آموز داستانیں موجود ہیں وہاں کبیشہ بنت معن کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ان پر عرب کی جاہلیت نے ظلم کیا اور پھر کتاب الٰہی نے ان کو انصاف مہیا کیا۔کبیشہ بنت معن بن عاصم کا تعلق ''اوس'' قبیلے سے تھا۔آپ ابو قیس بن اسلت کی بیوی تھیں۔ابو قیس کی وفات کے بعد کبیشہ بنت معن جاہلیت کے رسم و رواج کے رحم و کرم پر تھیں۔

امام بخاریؒ حضرت عباسؓ سے نقل کرتے ہیں، فرمایا:

جب کوئی آدمی مر جاتا تو آدمی کے اولیاء عورت پر یہ حق رکھتے تھے کہ اگر ان کی مرضی ہو تو اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیتے ورنہ وہ یونہی بیٹھی رہتی۔اس معاملے میں عورت کے میکے والوں کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔

یہی کچھ ان جلیل القدر صحابیہ کے ساتھ ہوا۔ابو قیس بن اسلت بڑا بہادر شخص اور شاعر تھا، وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے لوگوں سے صحیح اور حق دین کے بارے میں بہت زیادہ پوچھتا تھا، اس کے مسلمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔جب اس کا انتقال ہوا تو اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑا جو

کبیشہ سے پہلے کسی بیوی سے تھا۔ کبیشہ بنت معن نے اس بچے کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ بچہ جوان ہو گیا۔ اس کا نام حصن تھا۔

ایک دن اچانک وہ لڑکا کچھ دوسرے افراد کے ساتھ گھر میں داخل ہوا اور کبیشہ پر ایک کالی چادر ڈال دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب یہ بیوہ دو قسم کے حقوق سے محروم ہو گئی ہے۔

۱۔ اس عورت کو اپنے شوہر کی جائیداد سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

۲۔ یہ اپنی مرضی سے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

لیکن شوہر کے گھر والوں کو اختیار ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس سے نکاح کرے یا کہیں اور کرا دے تو ٹھیک ہے مگر اس عورت یا اس کے میکے والوں کو اس بات کا اختیار نہیں۔ یہ رواج جاہلی عادات میں سے تھا لہذا چند دن تو یہ اپنے گھر میں بے کس و لاچار پڑی رہی پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے غم سے روتے ہوئے اپنی لاچاری کا شکوہ کیا اور حقوق کے غصب پر انصاف طلب کیا، کہنے لگی:

یا رسول اللہ ﷺ نہ تو مجھے اپنے شوہر کی میراث سے حصہ دیا جا رہا ہے اور نہ ہی مجھے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے آنسو اسلام سے عدل و انصاف کا مطالبہ کر رہے تھے۔ کیا یہ بات عقل کے مطابق ہے کہ ایک عورت کو بغیر نکاح اور دولت کے سابق شوہر کی قوم کے اشارے کا مرہون منت قرار دے دیا جائے کیا یہ کوئی مال اور سامان ہے جسے ورثہ جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

اپنے گھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کر۔

لہذا یہ اپنے گھر میں جا کر اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو گئی اور گڑگڑا کر ظلم کے رفعیہ کی دعا کرنے لگی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کی جان و مال کے جبراً وارث بن جاؤ اور عورتوں کو اس غرض سے مقید نہ کرو کہ تم اس سے کوئی مال حاصل کر لو۔[۵۸]

اللہ تعالیٰ نے اس مظلوم عورت اور دوسری عورتوں کی سن لی اور دور جاہلیت کے اس رواج کو

حرام قرار دے دیا۔قرآن اس لیے آیا تا کہ عام و خاص میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ عورت معزز اور باوقار ہے، وہ کوئی سامان نہیں جو وراثت میں تقسیم ہو۔اس لیے مسلمانوں کو جاہلیت کے رواج کی تقلید ہرگز روا نہیں ہے کہ عورتوں کو مال وراثت میں حصہ میں پاؤ اور جیسا چاہو اس میں تصرف کرو حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتی بھی ہوں کہ تم میں سے جو چاہے اس نکاح کر لے یا اسے ہمیشہ کے لیے بے نکاحی بٹھا دے۔

کبیشہ بنت معنؓ یہ وہ صحابیہ ہیں جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور ان کے اور بعد میں آنے والیوں کے لیے آسانی کا اعلان ہوگیا۔اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ کے صحابہ اور صحابیات پر رحمت نازل فرمائے۔ وہ ہر معاملہ میں قابل تقلید تھے۔ وہ باطل کو دیکھ کر چپ نہ رہتے تھے اور حق سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔[۵۹]

ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط

یہ بھی بڑی جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ تاریخ نے ان کے تذکرے کو اس وقت دوام بخشا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام سے مشرف فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے ان کا شرح صدر کر دیا اور یہ اسلام لے آئیں پھر انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے لوگوں کو چیختے اور آہیں بھرتے دیکھا۔جنہیں کفار کے کوڑے اور مار اس پر مجبور کرتی تھی مگر پھر بھی نہ ان کا ایمان متزلزل ہوا اور نہ ہی کچھ خوف یا ڈر سے انہیں کوئی گھبراہٹ ہوئی۔

ان کے ساتھ ایک مشکل یہ تھی کہ یہ اکیلی عورت تھیں، نہ ان کا شوہر تھا اور نہ مسلمان رشتہ دار جو رسولؐ سے مدینے جا ملنے کے لیے ان کی مدد کرتے۔اس لیے انہوں نے اپنا ایمان چھپائے رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دل میں یہ امید استوار کیے رکھی کہ وہ کفر کے اس مرکز اور کفار کے لشکر سے ان کی کسی طرح جان چھڑا کر انہیں نور و ایمان کے مرکز مدینہ منورہ لے جائے گا۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا جب رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ کے قریب آپہنچے تو ان کے دل میں بھی امید کی کرن روشن ہوگئی۔ نبی کریمؐ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کرنے کی نیت سے تشریف لائے تھے مگر قریش آپ کے ارادے کے آڑے آگئے اور پھر صلح حدیبیہ رونما ہوئی۔ یہ وہ صلح

ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظیم فتح اور بڑی غنیمت سے تعبیر فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔[۶۰]

ام کلثومؓ کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ مسلسل ڈر رہی تھیں کہ اب کیسے ہجرت کریں گی اور صلح کی شرائط میں بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ اب ہجرت کر کے جانے والوں کو مکہ واپس کر دیں گے اور ام کلثومؓ کی تو ہمیشہ سے ہی یہ خواہش تھی کہ وہ مدینہ منورہ پہنچ جائیں اور ''ہجرت فی سبیل اللہ'' کا شرف حاصل کریں۔ لہذا ام کلثومؓ اکیلی ہی مدینہ کو نکل پڑیں، کوئی ساتھ نہ تھا مگر راستے میں بنو خزاعہ کا ایک شخص ملا تو اس کے مسلمان ہونے کا یقین کر لینے کے بعد اس کے ساتھ ہجرت کے لیے چل پڑیں اور پھر اس طرح یہ فرار ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینے پہنچ گئیں۔

ابھی ان کی سواری مسجد نبویؐ پہنچی ہی تھی کہ ان کے بھائی عمارہ اور ولید بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ مطالبہ کر دیا کہ ہماری بہن کو ہمارے حوالے کیا جائے اور یہ اس شرط کے ایفاء میں ہے جو صلح حدیبیہ میں طے ہوئی تھی۔

یہ سن کر ام کلثومؓ نے کہا:

یا رسول اللہ ﷺ میں عورت ہوں اور عورت کمزور ہوتی ہے، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ یہ مجھے اپنے دین سے پھیر دیں گے اور میں تکالیف سہہ نہ سکوں گی''۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا:

''اے ایمان والو! جب تمہاری مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں''

> تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتے ہیں، جب تم
> انہیں مومنہ جان لو تو انہیں کافروں کو واپس مت کرو، نہ یہ ان کے
> لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے، اور ان کفار کو ان کا خرچ کیا
> مال دے دو''۔[۶۱]

اللہ تعالیٰ نے اس طرح عورتوں کو اس معاہدے سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ یہ ام کلثومؓ کا امتحان تھا اور یہی پہلی ممتحنہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کی وجہ سے اسلام کی تلاش میں نکلی تھیں۔ ''مال یا بر'' کی تلاش میں نہیں۔

آنحضرت ﷺ خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اسلام کی محبت میں وہاں سے نکالا ہے یا تم مال یا شوہر کی محبت میں یہاں آئی ہو؟

تو جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خروج کا اقرار کرلیتیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ فرماتے۔ اس عظیم مہاجرہ سے زید بن حارثہؓ نے نکاح کرلیا۔ جب زید کی شہادت ہوئی تو ام کلثومؓ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے نکاح کیا اور ان سے دو بچے ابراہیم اور حمید پیدا ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے نکاح کرلیا اور ان کی وفات کے بعد پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔[۶۲]

یہ وہ خاتون ہیں جو اللہ کے رب ہونے، حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر ایمان لائیں۔ ایمان اور عقیدے میں قابل تقلید مثال بنیں اور اخلاص کی سچی مثال تھیں۔ کفر کے مرکز میں رہتے ہوئے ان کے ایمان میں کمی نہ آئی۔ ان کے ضعف اور عورت کی زندگی کے باوجود جب کہ کوئی مددگار بھی نہ تھا ان کی فکر کمزور نہ ہوئی بلکہ عزم کر کے یہ ہجرت کے لیے نکل پڑیں۔ جہاں علم، ایمان اور مسلم موجود تھے۔ یہ ایک سچی، مخلص اور عظیم خاتون تھیں۔ اسی لیے ''ممتحنہ'' ہونے کا شرف ملا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں انصاف کا پروانہ ملا کہ اب یہ کافروں کو واپس نہیں کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نگہبانی فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہاجر مومنہ پر رحمت نازل فرمائے جو قربانی، صبر اور ثابت قدمی میں قابل تقلید ہیں۔

تاریخ حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کے سارے کارناموں کو بھلا سکتی ہے مگر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اپنی آخری ملاقات کے موقع پر انہوں نے جس دانشمندی اور بردباری، دور اندیشی و ہوشیاری اور قوت ایمانی کا مظاہرہ کیا تھا تاریخ کے لیے فراموش کردینا ناممکن ہے۔

بنو امیہ کا فرمانروا یزید سرتاپا فسق و فجور تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ مکہ میں پناہ گزین ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبداللہؓ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کی اور یزید بن معاویہؓ کے مرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی اور پورا حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کا بیشتر علاقہ ان کے ماتحت آگیا۔ اس کے فوراً بعد ہی بنو امیہ نے حجاج بن یوسف کی

قیادت میں ایک لشکر جرار ان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور فریقین کے درمیان کئی معرکے برپا ہوئے۔ ان معرکوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے غیر معمولی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا جو ان جیسے شاہسواروں کے شایان شان تھا لیکن دھیرے دھیرے ان کے بہت سے حامی ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوتے گئے۔ آخر کار وہ اور ان کے تھوڑے سے ساتھی بیت اللہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

شہادت سے چند گھنٹے پہلے وہ اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت کافی بوڑھی اور نابینا ہو چکی تھیں۔ حاضر ہو کر سلام کیا، سلام کا جواب دینے کے بعد انہوں نے کہا ''عبداللہ! اس وقت جب کہ حجاج کی قلعہ شکن توپوں کی شدید سنگ باری جاری ہے جو وہ حرم میں پناہ گزیں تمہارے آدمیوں پر کر رہی ہیں۔ مکے کے در و دیوار لرز رہے ہیں تم کس ضرورت سے آئے ہو؟

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا میں آپ سے کچھ مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت اسماءؓ نے تعجب سے پوچھا، کس معاملے میں مشورہ لینے آئے ہو؟

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا:

زیادہ تر لوگوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہ حجاج کے خوف یا اس سے مادی فوائد کے حصول کی امید پر میرا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، یہاں تک کہ میرے لڑکے اور گھر والے بھی مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ میرے ساتھ صرف تھوڑے سے آدمی بچ گئے ہیں اور ان کا بھی یہ حال ہے کہ ان کی قوت برداشت جواب دے گئی ہے اور وہ گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹک سکیں گے۔ ادھر بنو امیہ کے قاصد برابر میرے سامنے یہ پیش کش کر رہے ہیں کہ اگر میں ہتھیار ڈال دوں اور عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لوں تو وہ میرا ہر دنیاوی مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:

عبداللہؓ یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے اور تم خود اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہو اگر تمہیں اپنے موقف کی حقانیت اور صداقت کا یقین ہے اور تم حق کی طرف ہو تو اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے ان ساتھیوں کی طرح صبر و استقلال سے کام لو جنہوں نے تمہارے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہوئے اپنی جانیں دی ہیں اور اگر تم نے اس کے ذریعہ دنیا حاصل کرنا چاہا تھا تو تم ایک بہت برے آدمی ہو کہ خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے آدمیوں کو بھی، یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا:

لیکن اس صورت میں آج میں لازماً قتل کر دیا جاؤں گا۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

یہ تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو حجاج کے حوالے کر دو اور بنو امیہ کے لڑکے تمہارے سر سے کھیلیں۔

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا:

میں قتل ہونے سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری لاش کی بے حرمتی کریں گے۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

قتل ہو جانے کے بعد ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے آدمی خوف محسوس کرے اس لیے کہ بکری جب ذبح کر دی گئی تو کھال کھینچنے سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

یہ سن کر حضرت عبداللہؓ کی پیشانی خوشی سے چمک اٹھی اور انہوں نے کہا۔ امی کتنی عظیم ہیں آپ اور کتنی عظیم ہے آپ کی سیرت۔ میں اس وقت آپ کے پاس یہی باتیں سننے کے لیے حاضر ہوا تھا۔خدا کی قسم! نہ میرے حوصلے پست ہوئے ہیں اور نہ میرے اندر کسی قسم کی کمزوری پیدا ہوئی ہے۔خدا شاہد ہے کہ میں جس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہوں اس کا محرک دنیا اور اس کے عیش و آرام کی طلب نہیں ہے بلکہ میرے پیش نظر اس بات پر اللہ کے لیے اپنے غم وغصہ کا اظہار ہے کہ ان حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا گیا ہے اور یہ لیجیے میں آپ کی پسندیدہ چیز کی طرف جا رہا ہوں۔ جب میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے اوپر حزن و ملال کا اظہار کرنے کی بجائے اپنے معاملے کو خدا کے سپرد کر دیجیے گا۔

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا، مجھے تمہارے اوپر غم اس وقت ہوتا جب تم باطل کی راہ میں قتل کیے جاتے اس روز سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ چکے تھے۔حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔تین دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ لاش الٹی لٹکی تھی، دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے

کہا۔ کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا؟ حجاج کو چھیڑ منظور تھی۔ آدمی بھیجا کہ جا کر حضرت اسماءؓ کو لائے ۔انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے پھر آدمی بھیجا اور کہلوایا کہ ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ کر لائے گا۔ حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں، جواب دیا میں نہیں جا سکتی۔ حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حجاج: میں نے خدا کے دشمن ابن زبیرؓ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

حضرت اسماءؓ: تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی۔ میں نے سنا ہے کہ تو ان کو ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے۔ خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں۔ میں نے نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ کا کھانا باندھا تھا اور ہاں میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔

حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا۔ چند دنوں بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھنکوا دی۔ حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوائی اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا۔ خدا کی رحمت ان پر پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی جو ان کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی لیکن اس میں انہوں نے جس عزم و استقلال، صبر و تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کو ابھی دس سے کچھ دن زیادہ گزرے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ بھی ان سے جا ملیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک اگرچہ ایک سو سال تھی مگر اس پیرانہ سالی کے باوجود نہ کوئی دانت ٹوٹا تھا، نہ کوئی داڑھ گری تھی، نہ ان کی عقل میں کسی قسم کا فتور پیدا ہوا تھا۔[۶۳]

حضرت امیمۃ بنت خلف رضی اللہ عنہا:

جس دن مکہ معظّمہ میں اسلام کی دلفزا ہوا کے جھونکے چلنے لگے تو یہ خبر عام ہوئی کہ حضرت محمد ﷺ دنیا و آخرت کی بہتری کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ حضرت امیمۃؓ بنت خلف بن اسعد الخزاعیہ ان عورتوں میں سے تھیں جن کے صاف شفاف دل کے ساتھ ایمان کی دلفزا کرن ٹکرائی اور گھر کرگئی۔

جب اس کے خاوند خالد بن سعید بن عاص نے اپنے ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کی اطلاع اسے دی تو وہ صدق دل سے مسلمان ہوگئیں۔ امیمۃؓ اور اس کے خاوند کے اسلام قبول کرنے کی داستان ایسی دلچسپ و دل آویز ہے کہ سن کر کان لذت محسوس کرتے ہیں اور صاف و شفاف دلوں میں اشتیاق کا جذبہ فزوں تر ہو جاتا ہے۔ اس نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ اسے بڑھکتی ہوئی آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑا کیا گیا ہے۔ پیچھے سے اس کا باپ دھکا دے کر اس کو گڑھے میں پھینک دینا چاہتا ہے۔ اچانک خالد کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی کہ آپؐ انہیں پکڑ کر دور لے جارہے ہیں۔

جب صبح ہوئی تو خالد نے کہا بخدا یہ کوئی معنی خیز خواب ہے۔ وہ جلدی سے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پاس گیا۔ وہ خوابوں کی تعبیر خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ انہیں اپنا خواب بتایا۔ صدیق اکبرؓ نے سن کر کہا: یہ خواب آپ کے حق میں بہت بہتر ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرلیں، اسلام قبول کرتے ہوئے اتباع رسولؐ کا طریقہ اپنانے سے آپ کو فائدہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو کمر سے پکڑ کر آگ کے گڑھے یعنی جہنم میں گرنے سے بچالیں گے۔ تیرا باپ اس میں جا گرے گا۔ خالد اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

خالد نے اسلام قبول کرنے کے بارے میں اپنی بیوی امیمۃؓ کو بتایا تو وہ بھی اسی وقت ایمان کے بابرکت میدان میں قدم رکھتے ہوئے کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہونے کے لیے تیار ہوگئیں۔ یہ دونوں میاں بیوی جب سے مسلمان ہوئے ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ حضرت خالدؓ اسلام قبول کرنے میں اپنے بھائیوں سے سبقت لے گئے۔ ان کا باپ سعید بن عاص بڑا غضب ناک ہوا۔ اپنے بیٹے خالد کو اذیت ناک سزا دینے لگا، اسے گالی گلوچ دینے اور مارنے پیٹنے لگا اور اس کے بھائیوں سے

کہا کہ خبردار کوئی اس سے بات نہ کرے ۔کوئی اس سے میل ملاپ نہ کرے بلکہ اس کا اور اس کی بیوی امیمۃ کا کھانا پانی بند کردیا اور اسے کہا: کمینے! یہاں سے چلے جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ تیرے لیے اس گھر میں اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت خالدؓ نے کہا: اگر آپ مجھے کھانے کے لیے کچھ نہ دیں گے تو میرا اللہ مجھے زندہ رہنے کے لیے رزق دے گا۔باپ نے اسے گھر سے نکال دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ خبردار! اگر کسی نے اس سے بات کی تو میں اس کی خوب خبر لوں گا۔لیکن اللہ کی تدبیر غالب آئی ۔تھوڑے ہی عرصے بعد اس کے تینوں بھائی ''ابان،عمرو اور حکم ایمان لے آئے ۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہو گئے ۔

امیمۃؓ نے تکالیف برداشت کرنے میں قریش اور اپنے سسر یعنی دونوں جانب سے اپنے خاوند کے شانہ بشانہ چلیں اور دردناک تکالیف کو ایثار وقربانی کے جذبے کی روشنی میں خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور محرومیوں پر نہ ختم ہونے والے زاد ایمان سے غلبہ پایا۔خالد اپنے باپ کی اذیتوں کے اندیشے سے مکہ کے ہی کسی گوشے میں روپوش ہو گئے ۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو سر زمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو خالد اور اس کی بیوی امیمۃؓ ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست رہے ۔وہاں رہائش کے دوران امیمۃؓ نے ایک بیٹے اور بیٹی کو جنم دیا۔ بیٹے کا نام سعید اور بیٹی کا نام امۃ رکھا جو اپنی کنیت ام خالد بنت خالد سے مشہور ومعروف ہوئیں۔عہد نبوت میں ان دونوں بچوں نے بڑا نام پایا۔

حضرت امیمۃ سرزمین حبشہ میں اپنے خاوند اور اولاد کے ساتھ چند سال رہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے حکمران نجاشی کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو سفیر بنا کر بھیجا۔اس نے تمام مہاجرین کو دو کشتیوں میں سوار کیا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے ۔جب تمام مہاجرین وہاں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں ملاقات ہوئی کہ آپ ابھی فتح خیبر سے فارغ ہوئے ہی تھے ۔ یہ نبی کریم ﷺ اور ان اہل ایمان کے درمیان جو عرصہ دراز سے غریب الوطن تھے ایک خوشگوار ملاقات تھی ۔انہیں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کا ایک عرصے سے بہت اشتیاق تھا۔حضرت امیمۃؓ جب مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئیں تو اسلامی فتوحات کی بھرمار ہونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب وفات پائی اس

وقت آپؐ ان دونوں میاں بیوی سے دلی طور پر خوش تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیمہؓ کے شوہر (خالد) کو یمن کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔

جب مسلمان سرزمین شام میں رومی فوج سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت خالدؓ نے اپنی بیوی امیمہؓ کو الوداع کہا اور مجاہدین کی صف میں شامل ہو گئے۔ جنگی نقطہ نگاہ سے اس کا ایسا موقف سامنے آیا جو اس کی عظمت اور تقویٰ پر دلالت کرتا تھا۔

سیدنا ابوبکرؓ نے اس سے پوچھا کہ کس جرنیل کی قیادت میں جنگ کرنا پسند کرو گے۔ عمرو بن عاص جو آپ کا چچا زاد بھائی ہے یا شرجیل بن حسنہ کی قیادت میں؟ حضرت خالدؓ نے کہا عمرو بن عاص رشتہ داری کی وجہ سے مجھے محبوب ہے اور شرجیل بن حسنہ مجھے دینی لحاظ سے محبوب ہے۔ لہذا میں رشتہ داری پر دین داری کو ترجیح دیتے ہوئے شرجیل بن حسنہ کی قیادت میں جنگ کرنا پسند کروں گا۔

سرزمین شام میں مرج الصخر کے معرکے میں حضرت خالد بن سعید بن عاص نے جام شہادت نوش کرتے ہوئے سرفرازی حاصل کی۔ جب ان کے شہید ہونے کی خبر ان کی مومن اور صابر بیوی امیمۃ کو ملی تو انہوں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجروثواب کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی رضا بنا لیا اور جب انہوں نے شہادت کے بعد پیش آنے والی اپنے شہید خاوند کی کرامت کے بارے میں سنا تو ان کے دل کو سکون حاصل ہوا۔

جنگ کے دوران جس شخص نے حضرت خالد کو قتل کیا تھا وہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ اس نے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب یہ جام شہادت نوش کرتے ہوئے زمین پر گرا تو اس کے جسم سے روشنی نکلی اور آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔

اس کے بعد تاریخ خاموش دکھائی دیتی ہے۔ اس جلیل القدر صحابیہ امیمۃ بنت خلف کی زندگی کے آخری ایام سے متعلق ہمیں کچھ نہیں بتاتی لیکن ہمیں تاریخ کے اوراق سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ وہ ایک مومنہ، صابرہ اور امور خیر میں سبقت لے جانے والی اور ہرگھڑی اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والی اور اپنے خاوند کی معاون ایک عظیم المرتبت خاتون تھیں۔[۶۴]

حوا بنت یزید بن سنان اشھلیۃ انصاریہؓ:

حضرت حوا بنت یزیدؓ ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کی راہ میں بہت اذیتیں برداشت کیں۔حواء قیس بن حطیم اوسی کی بیوی تھیں جو زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف شاعر تھا، اس خاتون نے اسلام قبول کرلیا جب کہ ان کا خاوند بدستور حالت شرک میں رہا۔

قیس کے دو بیٹے تھے دونوں صحابی تھے۔یزید تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوا اور اسے بارہ زخم لگے۔اسی دن حضورؐ نے اس کا نام جاسر رکھا۔یہ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی تلوار سے دشمن پر کاری وار کررہا تھا اور آپ مسلسل یہ فرمارہے تھے جاسر آگے بڑھو، جاسر اب ذرا پیچھے کی طرف ہٹو۔یہ تمام جنگوں میں شریک ہوئے اور جنگ جسر میں جام شہادت نوش کیا۔

قیس کے دوسرے بیٹے کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں صحابہ کرامؓ کے زمرے میں ذکر کیا ہے۔یہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔قیس اپنی بیوی کو ہر طرح سے اذیت دیا کرتا تھا جو کچھ مدینہ منورہ میں ہو رہا تھا وہ نبی کریم ﷺ سے پوشیدہ نہ تھا ہر طرح کی خبر آپؐ تک پہنچ جایا کرتی تھی۔قیس کے اپنی بیوی حواء کو اذیت دینے کی اطلاع رسول اللہؐ کو ہو چکی تھی۔وفات سے پہلے قیس کی ملاقات حجاز میلے کے موقع پر مکہ معظّمہ میں رسول اقدس ﷺ سے ہوئی۔آپ نے اسے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔قیس نے کہا، آپ کی دعوت بہت اچھی ہے جس کی طرف آپ مجھے دعوت دیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت عمدہ پیغام ہے لیکن اوس اور خزرج کی باہمی چپقلش نے مجھے بری طرح الجھا رکھا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے کے لیے بڑا اصرار کرتے ہوئے اسے کنیت سے پکارتے ہوئے کہا: اے ابو یزید میں تجھے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

قیس نے وہی پہلا جواب دہرا دیا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی بیوی حواء کو اذیت دینے سے منع کرتے ہوئے کہا: اے ابو یزید مجھے پتہ چلا ہے کہ جب سے تیری بیوی نے تیرے دین کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کیا ہے، تم اس سے اچھا سلوک نہیں کرتے اللہ سے ڈرو۔اس کا خیال رکھو اور اسے کوئی تکلیف نہ دینا۔قیس نے بدستور حالت شرک میں رہنے کے باوجود اپنا وعدہ پورا کیا، اس کے بعد اپنی بیوی کو کوئی تکلیف نہ دی۔

ابن سلامؒ اپنی کتاب (طبقات فحول الشعراء) کا اپنی بیوی کو اذیت دینے اور رسول اللہ ﷺ کی

اس بارے میں وصیت اور اس کے ایمان لانے کی گواہی اور اس کے خاوند کی جانب سے وعدے کا ایفاء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیس بن حطیم اپنے شرک پر بدستور قائم رہا اس کی بیوی مسلمان ہو گئی تھی جس کا نام حواء تھا۔ وہ اسلام پر عمل پیرا ہونے سے روکتا تھا اور اس کا مذاق اڑاتا جب وہ نماز کے دوران سجدے میں جاتی تو یہ اسے سر کے بل الٹا دبا دیا کرتا تھا۔ ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ مکہ معظّمہ رہائش پذیر تھے ۔حطیم مدینہ منورہ میں مقیم تھا، اس کے حالات دریافت کیا کرتے ۔آپ کو حواء کے اسلام قبول کرنے اور اپنے خاوند کی جانب سے اذیت سہنے کے بارے میں بتایا گیا۔ جب حج کا موسم آیا نبی اکرم ﷺ اس کے ٹھکانے پر پہنچے ۔اس نے آپ کو دیکھتے ہی مرحبا کہا اور تعظیم بجا لایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تیری بیوی نے اسلام قبول کرلیا ہے اور تم اسے تکلیف دیتے ہو میں چاہتا ہوں کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا۔

اس نے کہا: اے ابو القاسم! بالکل درست۔ آئندہ میں اسے کوئی تکلیف نہ دوں گا۔میرے دل میں آپ کی عزت ہے، میں کوئی ایسی حرکت نہ کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو۔ جب وہ مدینے پہنچا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے نبیؐ مجھے ملے تھے انہوں نے تیرے بارے میں مجھے کہا کہ میں آئندہ تجھے کچھ نہ کہوں۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا لہذا اب تجھے چھٹی ہے۔ میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔تم اپنے دین پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہو۔ اللہ کی قسم! میں تجھے کیا بتاؤں تمہارے نبی ﷺ تو بہت ہی حسین وجمیل تھے۔واہ! ان کے حسن و جمال کے کیا کہنے۔

اس دن سے حواء کھل کر اسلامی احکامات پر عمل کرنے لگیں ۔قیس اسے کچھ نہ کہتا۔ بلکہ اس قیس سے اس کے احباب کہتے: ارے ابو یزید! تیری بیوی دین محمد ﷺ کی پیرو کار بن گئی ہے اور تو اسے کچھ کہتا ہی نہیں ۔وہ جواب میں کہتا کہ میں نے محمد ﷺ سے اسے کچھ نہ کہنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔میں اس کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کو جب یہ پتہ چلا کہ قیس نے وعدہ وفا کیا ہے۔میرے ساتھ وعدہ کرنے کے بعد اپنی بیوی کو کوئی تکلیف نہیں دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: بڑی اور خوبصورت آنکھوں والے نے وعدہ وفا کیا۔

اب حواء ہمہ وقت اللہ تعالی کی عبادت میں مصروف رہنے لگی۔اس کے خاوند کی طرف سے اب

کوئی روک ٹوک یا تکلیف نہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے انصار کی خواتین میں سب سے پہلے بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حواء نے بیعت کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدوں کو صدق دل سے نبھایا اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی خواتین سے مل کر نیکی کا چلن عام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یزید اور ثابت کی صورت میں دو بیٹوں سے نوازا اور وہ دونوں مدرسہ نبوت کے تربیت یافتہ شہسوار تھے۔[۱۵]

تاریخی کتابیں حضرت حواء بنت یزید کی بقیہ زندگی کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر ہیں یعنی ان کتابوں میں ان کے آخری ایام کے بارے میں کچھ نہیں ملتا۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں شامل کر دیا، انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مثالی مومنہ اور صابرہ خاتون کا کردار ادا کیا لہذا دنیا بھر کی خواتین کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا:

عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل القرشیۃ العدویہ کی والدہ کا نام ام کریز بنت الحضرمی تھا۔ الحضرمی کا نام عبداللہ بن عمار بن مالک تھا، عاتکہؓ کے خالو مشہور و معروف صحابی العلاء بن الحضرمیؓ تھے اور ان کی خالہ الصعبہ بنت الحضرمی تھیں۔ یہ طلحہ بن عبیداللہ کی والدہ تھیں جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور عاتکہ کا بھائی سعید بن زیدؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھا۔

عاتکہ قریش کی خواتین میں فصاحت و بلاغت عقل و دانش اور شعر و شاعری کے حوالے سے مشہور و معروف تھیں اور یہ خوبیاں اس کو اپنے باپ زید بن عمرو سے وراثت میں ملی تھیں۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قریش میں زمانہ جاہلیت کے دور میں بھی بتوں کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ وہ یہ کہا کرتا تھا:

و اسلمت و جهي لمن اسلمت

له الارض تحمل صخرا ثقالا

دها ها فلما استقرت شدها

سـواء و ار سـی عـلیهـا الـجـبـالا

واسـلـمـت وجهـی لـمـن اسـلـمـت

لـه الـمـزن تـحـمـل عـذبـا ذلالا

اذا هـی سیـقـت الـی بـلـدة

اطـاعـت فـصـبـت عـلهـا سـجـالا

میں نے اپنا چہرہ اس کے سپرد کر دیا جس کے لیے زمین مطیع ہوگئی جو بھاری پتھر اٹھائے ہوئے ہے۔ جس نے زمین کو پھیلایا پھر وہ ٹھہری اور اس کا ابھار برابر ہوگیا اور اللہ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔ میں نے اپنا چہرہ اس کے سپرد کر دیا بادل جس کے مطیع ہو گئے اور وہ بادل میٹھے پانی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ جب ان بادلوں کو کسی شہر کی طرف چلایا جاتا ہے تو وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور وہاں بھر بھر ڈول انڈیلتے ہیں۔

زید زمانہ جاہلیت میں بھی ان اشعار کو گنگناتے رہتے تھے اور پھر کعبہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے تھے۔ زید بن عمرو قریش خاندان کے چشم و چراغ اور عدی الاصل تھے اور یہ عمر بن خطابؓ کے چچا تھے۔ یہ ان افراد میں سے تھے جنہوں نے بتوں کی عبادت چھوڑ دی تھی اور یہ بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کو گوشت بھی نہیں کھاتے تھے اور یہ اکثر و بیشتر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے قریش کو منع کرتے ہوئے کہتے:

اے قریشیو!

کیا اللہ بارش برساتا ہے؟

کیا وہ زمین میں سبزہ اگاتا ہے؟

کیا وہ چوپائے پیدا کرتا ہے جو زمین میں چارہ چرتے ہیں؟

اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کے نام انہیں ذبح کرتے ہو؟

افسوس ہے تمہاری عقل پر۔

حیف ہے تمہاری سوچ پر۔

زید ان لوگوں میں سے تھے جو اصلی معرفت کی تلاش کرتے ہیں اور اسے یکسوئی کی خاطر اطمینان دل کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے کہ:

اے قریش مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر عامل نہیں ہے۔

اس سوچ اور اخلاق فاضلہ کی بنیاد پر اس کی بیٹی عاتکہ نے پرورش پائی ۔ اسے فصاحت اور بلاغت،شعر گوئی، ذکاوت حس، بیدار دلی،طبعی نفاست اور ایمان صادق کے لیے آمادگی اور تیاری ورثے میں ملی۔ جب نور اسلام ضوفگن ہوا تو عاتکہ ان خواتین میں شامل تھیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں جلدی کی۔انہوں نے اسلام قبول کیا،بیعت کی اور ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

عاتکہ بنت زیدؓ بلند اخلاق ، صاحب جمال و کمال، صائب الرائے اور دانشمند خاتون تھیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حسین و جمیل اور عبادت گذار خواتین میں سے تھیں۔ ان سے ایک صحابی کے صحابی بیٹے عبداللہ بن ابی بکر الصدیقؓ نے شادی کی کیونکہ عاتکہ بنت زیدؓ بہت حسین و جمیل تھیں۔ وہ ان کے بڑے دلدادہ تھے اور ان کو عاتکہ بنت ابی بکرؓ بہت پسند تھیں۔اس وجہ سے عبداللہ بن ابی بکرؓ تجارت اور معاشی مصروفیات حتیٰ کہ جہاد سے بھی قدرے غافل ہو گئے تھے ۔ یہ صورت حال دیکھ کر والد محترم نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ انہیں طلاق دے دو۔ یہ حکم ان پر بڑا شاق گذرا لیکن وہ اپنے باپ کی حکم عدولی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے لہذا انہوں نے اپنی بیوی عاتکہ بنت ابی بکرؓ کو طلاق دے دی اور اس موقع پر یہ شعر کہے۔

یقولون طلقها و خیم مکانها

مقیماً تمنی النفس احلام نائم

وان فراقی اهل بیتی جمیعهم

علی کره منی لاحدی العظائم

لوگ کہتے ہیں کہ تو اسے طلاق دے دے اور خود اس کی جگہ خواب دیکھنے والے کی طرح دل کو دیتا کہ ایک عظمت والی خاتون کی خاطر سب گھر والوں سے جدائی مجھے ناگوار گزرتی ہے۔

علاوہ ازیں عبداللہ کا دل انہیں میں اٹکا ہوا تھا، ان کی جدائی کا دکھ بڑا شدید تھا، ان پر اس جدائی کے گہرے اثرات تھے یہاں تک کہ غم کے آثار ان کے چہرے پر اور جسم پر نمایاں تھے ۔ایک دن ان کے والد نے انہیں یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

اے عاتکہ جب تک باد صبا چلتی ہے اور گلے میں پڑی گانے والی فاختہ نوحہ کناں ہے میں تجھے نہیں بھول سکتا۔

اے عاتکہ جب تک مسافروں کے قافلے کوچ کا ارادہ رکھتے ہیں اور آسمان پر ستارے روشن ہیں میں تجھے نہیں بھول سکتا۔

اگر اللہ کا ڈر اور والد کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ کی اطاعت پیش نظر نہ ہوتی تو ہم میں کبھی جدائی نہ ہوتی۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے سے یہ شعر سنے تو عاتکہ بنت زیدؓ کے ساتھ اس کے تعلق خاطر کا پتہ چلا۔ یہ قلبی لگاؤ دیکھ کر ان کے دل میں رقت پیدا ہوگئی اور اسے رجوع کرنے کی اجازت دے دی تو اس نے رجوع کرلیا۔ جب رجوع کیا تو یہ شعر کہے:

تیری نرم خوئی کی بنا پر تجھ میں ناراضگی کے آثار دیکھ نہیں پاتا۔ تجھ پر حسن و جمال کا پرتو ہے۔

تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن کے معاملات اللہ تعالیٰ نے آراستہ کر دیئے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آراستہ و مزین کیا ہو اس کو کوئی ذلیل کرنے والا نہیں۔

زندگی کی بہاریں پھر لوٹ آئیں، پھر حضرت عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ طائف میں شریک ہوئے۔ ان کو زہریلا نیزہ آ لگا جس سے گہرا زخم آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چالیس روز بعد یہ زخم پھٹ گیا جس سے عبداللہؓ شہادت نوش کر گئے۔

اس واقع پر عاتکہ نے ایسا مرثیہ کہا جس سے غم و اندوہ، افسوس، کسک جھلک رہی تھی:

مجھے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد سب سے بہتر انسان کی

جدائی کا صدمہ پہنچا جو کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔

میں نے قسم کھالی ہے کہ میری آنکھوں سے گرم آنسو بہنے ختم نہیں ہوں گے
اور میرا جسم گرد آلود ہی رہے گا۔[۲۶]

جب تک درختوں کے جھنڈ کی فاختہ گاتی رہے گی اور جب تک منور صبح رات
کو دھکیلتی رہے میری آہ و زاری جاری رہے گی۔

بخدا! کوئی آنکھ ایسی ہے جس نے اس جیسا کوئی جوان دیکھا ہو جو آگے بڑھ
کر حملہ کرنے والا، دین کا محافظ اور جہاد میں صبر کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

جنگ میں نیزے حرکت میں آتے ہیں تو یہ موت کی وادی میں دھکیل دیتے
ہیں یہاں تک کہ نیزے کو سرخ حالت میں چھوڑتا۔

عبداللہ بن ابی بکرؓ کی موت کا جب وقت قریب آیا تو اس نے اپنی عاتکہ سے کہا۔ دیکھیے تیرے پاس میرا باغ ہے وہ تیری ضروریات کے لیے کافی ہے تم کسی سے شادی نہ کرنا۔ جب اس نے عدت پوری کر لی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے شادی کا پیغام بھیجا۔تو انہوں نے کہا، میں نے جو اپنے دل میں تہیہ کیا وہ یہ ہے کہ اب میں شادی نہیں کروں گی۔

آپ نے کہا تم کسی سے اس بارے میں مسئلہ پوچھ لو، فرماتی ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے کہا جو کچھ ان سے لیا ہے وہ انہیں واپس کر دو اور شادی کرلو، یہ تمہارا شرعی حق ہے۔پھر انہوں نے عبداللہ بن ابی بکرؓ کا دیا ہوا باغ واپس کر دیا اور حضرت عمرؓ سے شادی کر لی اور اس خوشی میں ولیمہ بھی کیا۔حضرت علیؓ جب ولیمے میں شرکت کے لیے آئے تو ان سے پوچھا کیا تم نے یہ شعر کہا ہے؟

میں نے قسم کھالی ہے کہ میری آنکھوں سے گرم آنسو بہنے ختم نہیں ہوں گے
اور میرا جسم گرد آلود ہی رہے گا۔

تو وہ رو پڑیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا! اللہ آپ کو بخشے، صبر کرو۔ میں بھی اللہ تعالیٰ سے تمہارے حق میں دعا گو ہوں۔

ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے ابو الحسن آپ نے یہ کیا ذکر چھیڑ دیا۔عورت اپنے رفیق حیات کے بچھڑنے کا ایسے ہی اظہار کیا کرتی ہے۔

۱۲ ہجری کو حضرت عمرؓ کی شادی حضرت عاتکہؓ سے ہوئی ۔حضرت عمرؓ کے نزدیک عاتکہؓ کا بہت مقام تھا۔وہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔حضرت عاتکہؓ بھی ان کے علم،زہد اور تقویٰ سے مستفیض ہوئیں۔حضرت عمرؓ کو اپنی یہ بیوی بہت پسند تھیں اور وہ بھی ان سے نہایت قدر اور اپنایت کے ساتھ پیش آئیں۔اس قرابت اور مقام و مرتبے کے باوجود انہیں امت مسلمہ کا ایک فرد سمجھتے تھے ۔ عدل و انصاف کے حوالے سے وہ بھی ان کی رعایا کی ایک مسلمان خاتون تھیں۔ان سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا، امام احمد بن حنبلؒ، اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاصؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

کہ حضرت عمرؓ کے پاس بحرین سے کستوری اور عنبر آئے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی اچھا وزن کرنے والی خاتون اس خوشبو کا وزن کرے تا کہ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر سکوں۔ان کی بیوی حضرت عاتکہ بنت زیدؓ نے کہا کہ میں اچھا وزن کرنا جانتی ہوں۔ یہ خدمت میرے سپرد کریں۔

آپ نے فرمایا: نہیں۔

حضرت عاتکہؓ نے کہا کیوں؟

آپ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس میں کچھ خوشبو اپنی گردن کو لگا لو گی اس سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی۔

اس طرح ان کی زندگی حضرت عمرؓ کے ساتھ عدل، زہد، عبادت اور قربانی کے جذبے کو بروئے کار لاتے ہوئے گذری۔ یہ صفات ان میں دن بدن بڑھتی ہی چلی گئیں۔ عاتکہؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوتی تھیں جب وہ انہیں مسجد جانے کی اجازت دیتے۔ لیکن حضرت عاتکہؓ جب ان سے اجازت طلب کرتیں تو حضرت عمرؓ فرماتے کہ میں تمہارے گھر رہنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔مگر حضرت عمرؓ ان کو مسجد جانے سے نہیں روکتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو خنجر لگا اور آپ شہید ہوئے تو اس وقت بھی حضرت عاتکہؓ مسجد میں تھیں اس موقع پر انہوں نے مرثیہ کہا:

اے آنکھ! آنسوؤں اور گریہ زاری کی سخاوت کر۔شریف امام کے غم کے
اظہار میں اکتاہٹ محسوس نہ کر۔

جنگجولوگوں سے کہو کہ تم مرجاؤ۔موت نے اسے شعوب کا پیالہ پلا دیا۔

مرثیے میں حضرت عمرؓ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

اور فیروز نے مجھے دکھ درد دیا اور ایسے شخص پر کاری وار کیا جو روشن چہرے
والا، قرآن پڑھنے والااور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

جو کمزور سے شفقت سے پیش آنے والا دشمن کے خلاف سخت مصائب میں
ثابت قدم رہنے والا اور بات ماننے والا تھا۔

جب بھی وہ کوئی بات کہتا تو اس قول وفعل میں کوئی تضاد نہ ہوتا، خیرات
میں جلدی کرنے والا اور ترش روئی سے پیش آنے والا نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ کے غم میں انہوں نے خوبصورت مرثیہ کے شعر کہے وہ یہ ہیں۔

وہ کون ہے جس کے دل پر غم ٹوٹ پڑے اور اس کی آنکھ کوطویل بیداری نے
چھوٹا کردیا۔

وہ جسم جسے کفن میں لپیٹ دیا گیا۔اللہ کی اس جسم پر رحمت ہو۔

اس میں تکلیف پہنچی ہے، ایک مقروض غلام کو جس کے پاس اللہ نے کچھ نہ
چھوڑا تاکہ وہ کنگال چلے۔

جب سیدنا حضرت عمر فاروق بن خطابؓ شہید ہوگئے تو ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حواری حضرت زبیر بن عوامؓ نے شادی کرلی۔شادی کے موقع پر حضرت عاتکہؓ نے یہ شرط لگائی کہ وہ انہیں نہ ہی مارے پیٹے گا اور نہ حق بات کہنے سے روکے گا اور نہ ہی مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے سے روکے گا۔ زبیر بن عوامؓ کی طبیعت سخت تھی وہ اپنی بیویوں پر سختی کیا کرتا تھا، جب عاتکہ بنت زیدؓ شادی کے بعد ان کی ملکیت میں آگئیں تو زبیر بن عوامؓ نے کہا عاتکہ تم مسجد نہ جایا کرو۔

عاتکہ بنت زیدؓ نے کہا کہ اے ابن عوام کیا تیری غیرت کی وجہ سے میں اس مسجد میں جانا چھوڑ

دوں جس میں نبی اکرم ﷺ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جایا کرتی تھی۔

زبیر بن عوام نے کہا ٹھیک ہے میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ جب فجر کی اذان ہوئی تو زبیر بن عوامؓ نے وضو کیا اور باہر چلے گئے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر کھڑے ہو گئے جب عاتکہؓ وہاں سے گزریں تو انہوں نے عاتکہؓ کی پیٹھ پر دونوں ہاتھ مارے۔ اندھیرے میں پتہ نہ چلا کہ یہ کون ہے۔ عاتکہؓ نے کہا تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تم کون ہو؟ اور انا للہ کہتی ہوئی واپس گھر آ گئیں۔ جب زبیر بن عوم مسجد سے گھر آئے تو پوچھا عاتکہ کیا بات ہے آپ مسجد میں نہیں آئیں۔

کہنے لگیں ابو عبداللہ کیا بتاؤں اللہ آپ کو رحمت کی پناہ میں رکھے، لوگ بہت خراب ہو گئے ہیں۔ آج کل تو اندرونی کوٹھڑی میں نماز ادا کرنا، گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور بیرونی حجرے کی نسبت گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد وہ گھر سے نہ نکلیں اور نماز گھر میں ہی ادا کر لیا کرتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کے دوران وادی سباع میں شہید ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا تو اس موقع پر حضرت عاتکہؓ نے یہ شعر کہے:

ابن جرموز نے لڑائی کے دن بہادر شہسوار کے ساتھ دھوکہ کیا بلاشبہ وہ بڑا ہی تیز رفتار تھا۔

اے عمر! اگر تو اسے اطلاع کر دیتا تو اس کو مدہوش نہ پاتا، نہ ہی اس کے دل میں کپکپاہٹ ہوئی اور نہ ہی ہاتھ میں لرزا۔

تیرا ہاتھ شل ہو جاتا اگر تو اسے اطاعت گذار کی حیثیت میں قتل کرتا اور تجھ پر قتل عمد کرنے والے کی سزا لاگو ہو جاتی۔

بلاشبہ زبیر صحیح معنوں میں مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس کی طبیعت میں سخاوت ہے دیکھنے میں شریف ہے۔

جب حضرت زبیرؓ شہید ہو گئے تو عدت پوری ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے جواب دیا۔ امیر المومنین آپ سید المسلمین ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچے کا بیٹا بھی کہیں شہید نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس نے بھی میرے ساتھ شادی کی اسے قتل کر دیا گیا۔ اس لیے

اب مدینے کے باشندوں میں یہ بات عام ہوگئی ہے۔وہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا ارادہ شہید ہونے کا ہے وہ عاتکہؓ سے شادی کر لے ۔ پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ان کی شادی ہوئی تو وہ قتل کر دیے گئے پھر عمر بن خطابؓ سے ان کی شادی ہوئی تو وہ بھی قتل کر دیے گئے اس کے بعد زبیر بن عوامؓ سے ہوئی تو وہ بھی قتل ہوئے ۔حضرت عاتکہؓ نے ان تمام کے غم میں مرثیے کہے۔[۱۷]

صحابیات میں وفاداری کا جوہر بہت زیادہ تھا اس سلسلے میں تمام صحابیات کا کردار بڑا نفیس اور عمدہ انداز میں سامنے آتا ہے۔خاص طور پر عاتکہؓ بنت زید مصائب پر انتہائی خوبصورت انداز میں صبر کا مظاہرہ کرنے والی خاتون تھیں۔ہم نے دیکھا کہ انہوں نے یکے بعد دیگرے خاوند کی شہادت پر نہایت ادیبانہ اور فصیحانہ انداز میں مرثیے کہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل کی گہرائی سے یہ غم کے احساسات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

حضرت عاتکہؓ مرثیہ کے نکتہ عروج پر دکھائی دیتی ہیں لیکن جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات پر مرثیہ کہا تو انہوں نے غم میں ڈوب کر فصاحت و بلاغت کا اسلوب اپناتے ہوئے جادو بیانی کی انتہا کر دی۔دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے احساسات کو شعروں کی صورت میں پیش کرنے میں کمال کر دیا حضرت عاتکہؓ کہتی ہیں:

اس کی سواریاں خوف زدہ ہوگئیں۔

ان پر ان کے آراستہ شہسوار سوار ہوتے تھے۔

وہ سردار پر رلانے لگیں۔

ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

تیری بیگمات غم سے ہوش میں نہیں آرہی تھیں۔

ان کے نظریے نے انہیں اس کا عادی بنا دیا تھا۔

وہ چاقو کے بھالے کی طرح کمزور ہو چکی تھیں۔

اور ان کے رنگ پیلے پڑ چکے تھے۔

وہ غم کا علاج وہاں سے روانگی کی خوشی سے کر رہی ہیں۔

اور سینے میں موت کے قرب کا احساس ہے۔

وہ فاضل سردار منتخب پیغمبرؐ

حق پہ گامزن اور دین حق کے علمبردار

رسول اللہ ﷺ کے دنیائے فانی سے کوچ کر جانے کے بعد اب میرا جینا کیا جینا ہے۔ اب تو موت کا وقت قریب آیا ہی جاتا ہے۔حضرت عاتکہؓ بنت زید پورے دور خلافت راشدہ میں عبادت گزار اورتقویٰ شعاری کی خوگر رہیں۔ ۴۰ ہجری میں عاتکہ نے اپنی دنیاوی زندگی کو خیر باد کہا اور وہ اپنے رب کی جوار رحمت میں منتقل ہوگئیں۔اللہ عاتکہؓ سے راضی ہوا اور ان کی قبر کوتر و تازہ کردیا اوراس نے ہم پر اپنی رحمت کی برکھا برسائی۔[۶۸]

ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہا:

احد کے دن جب مسلمان جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ

ترجمہ: اس جنت کی طرف اٹھو جس کی وسعت زمین و آسمان کی مانند ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اٹھے، وہ لنگڑاتے تھے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں چوکڑیاں بھر کر جنت میں داخل ہوں گا۔بیٹوں نے انہیں روکا اور کہا : ابا جان! اللہ نے آپ کومعذور کر دیا ہے تو وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ کر شکایت کرنے لگے۔ آپ نے ان کے بیٹوں سے کہا کہ اللہ اسے شہادت عطا کردے۔عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے روں روں میں خوشی کی لہر دوڑگئی اس کی روح میں انتعاش پیدا ہوا، شجاعت و بہادری دل میں سرایت کرگئی ۔ جلدی سے گھر پہنچے، تیاری کی۔ ان کی بیوی نے انہیں دیکھا تو وہ بھی دبے پاؤں پیچھے پیچھے چل پڑیں اوران کے منہ سے عجیب وغریب الفاظ نکلنے لگے ۔ ہند نے کہا میں دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے اپنی ترکش پکڑی اور بار بار یہ کہہ رہے تھے۔''الٰہی مجھے شہادت عطا کرنا اورتو مجھے ناکام اپنے اہل کی طرف نہ لوٹانا''۔ان کے ساتھ بیٹا خلاد اور ہند کا بھائی عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔

جب عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے احد میں شہادت پا لی ہے تو وہ شہداء کی جگہ پر آئیں اور انہوں نے شہداء کے لاشے اونٹ پر لاد لیے تا کہ انہیں مدینے میں دفن کریں۔ راستے میں ہند کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ملیں، ان کے ساتھ چند دیگر خواتین بھی تھیں۔ ان سب نے ہند سے کہا: تجھے کوئی خبر ہے کہ تیرے پیچھے میدان جنگ کی کیا صورت حال ہے؟

ہند نے کہا خیر ہے، رسول اللہ ﷺ صحیح سالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا دفاع کیا اور وہ محفوظ ہیں۔ ان کے بعد ہمارے لیے ہر مصیبت ہلکی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ نے مومنوں کو شہادت کا اعزاز بخشا ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے ہند سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟

ہند نے کہا: میرا بھائی، میرا بیٹا خلاد اور میرا خاوند عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ انہیں میں مدینہ منورہ لے جا کر دفن کرنا چاہتی ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے اونٹ کو مدینے کی طرف ہانکا تو وہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے ڈانٹ ڈپٹ کر کے اٹھایا اور پھر مدینے کی طرف ہانکا لیکن وہ پھر بیٹھ گیا۔ جب بھی وہ اس کا رخ مدینے کی طرف کرتیں تو وہ بیٹھ جاتا اور جب اس کا رخ احد کی طرف کرتیں تو وہ تیز رفتاری سے چلنے لگتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ کو اس تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی دعا کے بارے میں بھی بتایا کہ روانگی سے قبل انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ الٰہی مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے زندہ سلامت گھر واپس نہ لوٹانا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ اونٹ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہند سے کہا:

فرشتے تیرے بھائی کے لاشے پر سایہ کیے ہوئے ہیں اور قتل سے لے کر دفن تک سایہ فگن رہیں گے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اے ہند! یہ سب شہداء جنت میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یعنی عمرو بن جموح، تیرا بیٹا خلاد اور تیرا بھائی عبداللہ سب ایک ساتھ اقامت گزیں ہیں۔ واہ سبحان اللہ۔

ہند نے کہا یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ ملا دے۔

صبر اور تسلیم و رضا کا یہ مثالی موقف کسی خاتون کی جانب سے واقعی ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ہندؓ یہ ایمانی انداز اپنانے میں بڑی نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہند نے شرعی حدود میں رہتے ہوئے میدان ہائے جہاد میں بھر پور حصہ لینے کا دلی شوق پورا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر میں حصہ لیا تو

وہاں سے اجر و ثواب اور مال غنیمت میسر آیا۔

ان جلیل القدر صحابیہ نے اپنی پوری زندگی عبادت، تقویٰ اور اعمال صالحہ سرانجام دیتے ہوئے گزار دی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جاملیں۔ انکا دلی ارادہ یہ تھا کہ یہ بھی جنت میں اپنوں سے جا ملیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، ''جنت میں سب آپس میں اکٹھے ہو گئے ہیں''۔[۶۹]

تبصرہ :

دراصل مومن کی پوری زندگی صبر کی زندگی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اُخروی نجات کی توقع سے دنیا میں ہر مشکل مرحلے پر ضبط نفس سے کام لیتا ہے۔ خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے اور گناہ کی طرف میلانات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ اسے خدا کی نافرمانی سے بڑے بڑے فائدوں اور بڑی بڑی لذتوں کی دلکشی بھی ڈگمگا نہیں سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس خدا کی فرمانبرداری میں ہر نقصان اور تکلیف کو برداشت کرتا چلا جاتا ہے۔

پہلی صدی ہجری کی خواتین کی زندگی ان تمام خوبیوں کا جیتا جاگتا ثبوت تھی۔ انہوں نے ایسا صبر اختیار کیا جس میں نہ شکایت تھی نہ فریاد، بلکہ پوری برداشت کے ساتھ تکالیف کاٹتی تھیں۔ ہر لمحہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھتیں تھیں اور اس بات پر ان کا پختہ یقین تھا کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ہماری تکالیف دور فرما دے گا۔

فصل چہارم

زہد وتقشّف میں خواتین کی دینی خدمات:

گھریلو معاملات میں اس وقت بہت پیچیدگی پائی جاتی ہے جب رہن سہن انتہائی پر تکلف ہو، عیش وعشرت کا ہر سامان میسر ہو اور خواہشات لامحدود ہوں لیکن اگر خواہشات کو محدود رکھا جائے اور رہن سہن میں سادگی پائی جائے تو پھر گھر کے انتظام میں بہت آسانی رہتی ہے۔صحابیات اور ان کے گھر کا رہن سہن انتہائی سادہ تھا، نہ کوئی آرائش تھی اور نہ زیبائش۔توکل و قناعت کا سہارا تھا، گھر کے معاملات بھی سادہ تھے اور ان میں کوئی پیچیدگی نہ پائی جاتی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے بعد جس حجرے میں لایا گیا اُس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھیں۔بارش سے محفوظ رکھنے کے لئے اُوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا، بلند اتنا کہ کوئی کھڑا ہوکر ہاتھ اُونچا کرے تو چھت کو لگ جائے۔ دروازہ صرف ایک کواڑ تھا۔ پردے کے لئے ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، کھجوروں کا برتن، پانی ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا، یہ گھر اگر چہ روحانی دولت سے مالامال تھا لیکن دنیوی مال و متاع سے اکثر خالی رہتا۔دراصل مالی وسائل کی کمی خود رسول کریم ﷺ کو دلی طور پر مرغوب تھی اور آپ ﷺ کے لبوں پر اکثر وبیشتر یہ دعا بھی ہوتی تھی۔

> الٰہی ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی ہی میں اپنے پاس بُلا لینا اور مسکینوں کے ساتھ ہی قیامت کو اُٹھانا۔

حضرت عائشہؓ نے اگرچہ نازونعم اور دولت وثروت کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی مگر آنحضرت ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد آپؓ نے اپنے آپ کو سرور کائنات ﷺ کے اُسوہ حسنہ کے رنگ میں مکمل طور پر ڈھال لیا۔اور تمام زندگی مسکینی کی حالت میں گزار دی۔

آسودگی کے ایام میں بے شمار مال آیا لیکن شام سے پہلے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ حضرت عائشہؓ کی سیرت کا ایک تابناک پہلو آپ کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔

حضرت عائشہؓ کا شانۂ نبوت میں آئیں تو وہاں یہ حال تھا کہ دو دو ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا اور زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوتی تھی۔ کبھی آنحضرت ﷺ کے شیدائی کھجوریں بھیج دیتے کبھی کہیں سے تھوڑا سا دودھ آجاتا تو انہی چیزوں سے گزر ہو جاتی۔ تاہم آپؓ نے اپنی خداداد قابلیت اور فطری ذہانت سے گھر کو اس طور چلایا کہ ہمیشہ آپؓ کی تعریف ہی کی جاتی۔ آپؓ کھانا پکانے کے علاوہ کپڑے خود دھوتیں۔ گھر کو صاف ستھرا رکھتیں۔ اس میں جھاڑو دیتیں، کبھی مرمت اور لپائی کی ضرورت پڑتی تو اپنے ہاتھ سے کرتیں، آپؓ کپڑوں کو رفو کرنا، پیوند لگانا، اور سینا خوب جانتی تھیں، رسول کریم ﷺ کی پوشاک مبارک میں پیوند لگانے اور اُسے رفو کرنے کی ذمہ داری عام طور پر آپؓ ہی کے سپرد تھی۔

ایک دفعہ آنحضورﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک صحابیؓ نے دیکھا تو عرض کی: یارسول اللہ! کمبل پر داغ دھبے دکھائی دیتے ہیں سرور کائنات ﷺ نے فوراً کمبل اُتار کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کہ وہ اسے دھو کر اور سکھا کر بھجوا دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اُسے دھویا، دھوپ میں سکھایا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس بھیج میں دیا۔ کوئی مہمان آجاتا تو حضرت عائشہؓ فوراً کھانا تیار کرنے لگ جاتیں۔ ایک دفعہ بہت سے مہمان مسجد میں ٹھہر گئے۔ آنحضرت ﷺ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سُنا تو جلدی سے سامان خوراک اکٹھا کیا اور کھانا پکا کر مہمانوں کو بھیج دیا۔ رسول کریمؐ تشریف لائے تو مہمانوں سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے کھانا بھیج دیا تھا جس سے ہم شکم سیر ہو گئے۔[۲۰]

زہد و تقشّف کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک ہی موٹے کپڑے کا کرتہ تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ وہ موٹے کپڑے کا کرتہ پہنے ہوئے تھیں جسکی قیمت پانچ درہم ہو گی انہوں نے کہا ذرا میری لونڈی کو دیکھو وہ یہ کرتہ گھر میں پہننے سے نخرہ کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس ایک ایسا ہی کرتہ تھا جس عورت کو مدینہ میں (شادی بیاہ کے وقت) سنورنے کی ضرورت ہوتی تو یہ کرتہ مجھ سے مستعار منگوا لیتی۔[۱]

آنحضرت ﷺ کی جب وفات ہوئی اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جگر والا (جاندار) کھا (کر بسر کر) سکے البتہ مچان پر (یا محراب یا موکھے پر) آدھے وسق جو پڑے تھے میں اُسی میں سے کھاتی رہی ایک مدت گزر گئی میں نے ان کو ماپا جب وہ ختم ہو گئے۔[۲]

ایک مرتبہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمایا میں جب سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو رونے کو جی چاہتا ہے اور پھر رو پڑتی ہوں مسروق نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتی ہیں ؟ اُم المومنین نے فرمایا میں اُس حالت کو یاد کرتی ہوں جس میں آنحضرت ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے اللہ کی قسم ! رسول کریم ﷺ نے کبھی بھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور گوشت نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سیر ہو کر کھائی۔ اسی طرح سے آپ کے اہل خانہ نے بھی کبھی تین دن مسلسل گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپؐ دنیا سے رخصت ہوئے۔ ؎۳

ایک دفعہ حضرت علی مرتضٰیؓ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کیے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا، پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا، میں بھوکا ہوں، حضرت سیدہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازہ پر آکر دست سوال دراز کیا۔ وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہل خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس سارے گھر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ؎۴

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ؎۵

ترجمہ: اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس کسی نے کھجوریں بھیجیں تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ کچھ تو کھانے کو ملا ہے ہماری غذا پانی اور کھجور کے علاوہ کچھ نہ ہوتی تھی آگ سلگانے کی تو نوبت ہی نہیں آتی تھی البتہ اگر ایک ماہ کے بعد کہیں سے تھوڑا سا گوشت آجائے تو کھا لیتے تھے۔ ؎۶

ایک دن حضرت عائشہؓ نے عروہ سے کہا میرے بھانجے ہم پر ایسا وقت گزر چکا ہے ہم ایک چاند دیکھتے پھر دوسرا چاند پھر تیسرا چاند دو مہینے آنحضرت ﷺ کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی (کھانا نہیں پکایا جاتا تھا) عروہ نے کہا: خالہ پھر تمہاری گزر کس پر ہوتی تھی انہوں نے کہا یہی دو کالوں پر کھجور اور

پانی ۔ اتنا تھا کہ چند انصاری لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ تھے ان کے پاس دودھ کی بکریاں تھیں وہ آنحضرت ﷺ کے لیے اپنی بکریوں کا دودھ (تحفہ کے طور پر) بھیجا کرتے آپؐ ہم کو بھی پلاتے ۔ ۷ے

حضرت میمونہ زوجہ نبی کریم ﷺ ایک کرتہ اور ایک خمار میں نماز پڑھتی تھیں اور ازار نہیں ہوتا تھا، لیکن انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے کبھی اس بات کا شکوہ نہیں کیا بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں تھیں ۔ اُم ہانیؓ بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعتیں ایک کپڑا لپیٹ کر ادا کیں ۔ ۸ے

میری نانی اُم سلیمؓ (ملیکہ) نے رسول کریم ﷺ کی کھانے پر دعوت کی آپ نے کھانا کھا کر فرمایا:

''کھڑے ہو میں تمہارے واسطے نماز پڑھاؤں''۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں میں ایک بوریا لے کر کھڑا ہوا جو پرانا ہو جانیکی وجہ سے سیاہ پڑ گیا تھا میں نے اس کو پانی سے تر کیا (تاکہ ملائم ہو جائے) پس رسول کریم ﷺ اس پر کھڑے ہوئے میں اور ایک یتیم نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور بوڑھی نانی اُم سلیم نے پیچھے صف باندھی آپ نے ہم کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر آپ تشریف لے گئے ۔ ۹ے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ۔ کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو دنیوی کام کاج میں دوسروں پر فضیلت نہیں دی بلکہ جس طرح تم سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہو ایسے ہی آپؐ بھی کیا کرتے تھے ۔ آپؐ خود ہی اپنی بکریوں کا دودھ دوھ لیتے اور خود ہی اپنی جوتیاں گانٹھ لیتے تھے ۔ مدینہ منورہ میں جب مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی ۔ تو آپؐ سب کاموں میں شریک تھے ۔ یہاں تک کہ معمولی مزدوروں کی طرح آپ ﷺ بھی اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے ۔ جنگ احزاب میں آپؐ بھی خندق کھودنے والوں میں شامل تھے ۔ اپنے ہاتھوں سے مٹی اُٹھاتے اور پتھر توڑتے تھے ۔ آپ ﷺ کی غذا عموماً جو کی روٹی ہوتی تھی ۔ آپؐ کے گھر میں چھلنی نہ تھی ۔ پھونک مار کر بھوسی اُڑا دی جاتی تھی کبھی دو دن تک متواتر یہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر آپ ﷺ کو نہ ملی ۔ بعض مرتبہ ایک ایک مہینے تک آپؐ کے گھر آگ نہیں جلی صرف کھجوروں اور پانی پر آپؐ نے اور آپ ﷺ کے گھر والوں نے زندگی بسر کی ۔

آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا۔ نہ اس میں عیب نکالتے جو کچھ موجود ہوتا وہی تناول فرما لیتے۔ بھوک نہ ہوتی یا مرغوب نہ ہوتا تو ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا بستر آپ ﷺ کے گھر میں کس چیز کا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ادھوڑی کا جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی یہی سوال حضرت حفصہؓ سے بھی کیا گیا۔ اُنہوں نے فرمایا: کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا، جسے ہم دوہرا کر دیا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے خیال کیا کہ اسکی چار تہیں کر دوں۔ تاکہ آپ ﷺ کو زیادہ آرام ملے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم اُسے جیسا پہلے تھا ویسا ہی کر دو۔ اُس نے رات مجھے نماز شب سے باز رکھا۔ وفات سے پہلے آپؐ نے فرمایا تھا،

''میرے ورثاء کو میرے ترکے میں روپیہ پیسہ وغیرہ نقدی کچھ نہ ملے''۔[۸۰]

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس مشقت کی شکایت کی خاطر آئیں جو چکی کی وجہ سے ہاتھوں کو پہنچی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کو یہ خبر ملی کہ آپ کے پاس غلام آئے ہوئے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کی رسول کریم ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی۔ یہ سارا قصہ حضرت عائشہؓ کے سامنے پیش کر دیا جب آپ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے اس قصے کی خبر دی۔ حضرت علیؓ نے کہا آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم اپنے بچھونوں پر لیٹے ہوئے تھے ہم نے اُٹھنے کا ارادہ کیا آپؐ نے فرمایا اسی حالت پر رہو آپؐ ہمارے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی فرمایا کیا میں تم کو اس چیز سے بہتر نہ بتلاؤں جو تم نے مانگی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو ، ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر یہ وظیفہ خادم سے بہتر ہے۔[۸۱]

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس ایک غلام کے ساتھ تشریف لائے جو آپ نے انہیں ہبہ کر دیا تھا اور حضرت فاطمہؓ ایسا (چھوٹا سا) کپڑا اوڑھے تھیں کہ اگر اس سے سر ڈھانکیں تو وہ کپڑا ان کے پیروں تک نہ پہنچتا اور اگر پیر ڈھانکتیں تو سر تک نہ پہنچتا تھا رسول ﷺ نے جو حضرت فاطمہؓ کی (بدن ڈھانکنے میں) مشقت دیکھی تو فرمایا (اے فاطمہؓ) کچھ ڈر نہیں (جن سے تو شرما رہی ہے) وہ صرف تیرا باپ اور تیرا غلام ہے۔[۸۲]

احادیث میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ اکثر گرسنگی سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے ۔ کیونکہ آستانہء نبوت میں جو کچھ آتا تھا، اُسی دن راہ خُدا میں رفاہ خلق پر صرف ہو جاتا تھا،

جناب زُہرا اب جس مسکن میں تشریف لائیں۔ وہاں دولت فقر کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت علیؓ اکثر مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے، یا ازفر گھاس کی تجارت کرتے تھے ۔

ابن السراج نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کی طبیعت علیل ہوئی، سرورِ کائنات عیادت کیلئے تشریف لائے''۔

آپ ﷺ نے پوچھا :

بیٹی، کیا حال ہے؟

انہوں نے جواب دیا :

''مجھے سخت درد ہے، فاقہ زدہ ہوں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں''۔

آپؐ نے فرمایا:

بیٹی ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ نساء عالمین کی سردار ہو ۔

انہوں نے پوچھا:

مریم بنت عمران کیا ہوئیں ؟

فرمایا :

مریم اپنے زمانہ کی سیدہ النسا تھیں اور تم موجودہ عالم کی سیدہ النساء ہو اور میں نے تمہیں ایسے شخص کی زوجیت میں دیا ہے جو دنیا اور آخرت کا سردار ہے۔[۸۳]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا :

اے عائشہؓ ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے ۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا، اس کے تہ بند باندھے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی۔ اس نے کہا آپ کا پروردگار آپکو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟

> نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرائیل علیہ اسلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے ارشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت ﷺ کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے۔[۸۴]

حضرت اسماءؓ کو محنت و مشقت میں بالکل عار نہ تھا چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا، وہ گھوڑے کو دانہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی، اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی اور بعض انصار کی عورتیں پکا دیتی تھیں، رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی، وہاں جا کر وہ چھواروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں، ایک دن اسی حالت میں آرہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوگئی، آپؐ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں۔ لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں، گھر آکر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا، انہوں نے کہا ''سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی'' کچھ زمانہ کے بعد ابوبکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا، اس وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں، ابوبکر نے مجھ کو آزاد کر دیا۔[۸۵]

جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ جو تھے وہ اتنے بابرکت ثابت ہوئے کہ یہ بہت عرصے تک کھاتیں رہیں پھر انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ ان کا وزن کرو یہی ان سے غلطی ہوگئی کہ انہوں نے وزن کروا لیا اور وہ جلد ہی ختم ہو گئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر ہم اسی طرح چھوڑتے تو مدت دراز تک ان سے کھاتے رہتے۔[۸۶]

حضرت عائشہؓ نے زاہدانہ زندگی گزارنا اپنے والدین سے سیکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی زیرتربیت رہنے کی وجہ سے وہ زہد و تقشف کی اتنی عادی ہو چکی تھیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں کبھی یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ ہمارے پاس کوئی چیز ہے یا نہیں ہے۔ حالانکہ عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ گھر میں زیادہ سے زیادہ سامان آئے یا کھانے پینے اور پہننے کے لیے اچھا سے اچھا ہو لیکن صحابیات عام

عورتوں سے بالکل مختلف تھیں۔ انہیں کسی چیز کی لالچ نہ تھی۔ یہ دنیاوی زندگی کو عارضی زندگی سمجھتی تھیں اور اپنے اصل ٹھکانے یعنی ابدی زندگی کے لیے کوشاں تھیں۔ صحابیات نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، کبھی اچھا کپڑا نہیں پہنا، گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں اگر کہیں سے کوئی روپیہ پیسہ آتا تو وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کی بجائے غریبوں کی مدد کر دیا کرتی تھیں۔ ان کی زہدانہ زندگی سب خواتین کے لیے مشعل راہ ہے۔

ایک مرتبہ حضورؐ کو کئی دن بغیر کھائے گزر گئے۔ بھوک سے آپؐ کو تکلیف ہونے لگی۔ اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا۔ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھا لوں؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے نبی وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ٹکڑا گوشت حضرت فاطمہؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے لے کر لگن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں کو مجھے، میرے خاوند اور بچوں کو بھی بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گزار دیں گے اور خدا تعالیٰ کی قسم آج تو یہ رسول کریمؐ کو ہی دوں گی۔ پھر حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا کہ آپؐ کو بلا لائیں۔

حضورؐ راستے ہی میں تھے، لوٹ آئے۔ کہنے لگیں خدا تعالیٰ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپؐ کے لیے چھپا کر رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پیاری بچی لے آؤ۔ اب جو کونڈا کھولا تو دیکھتی ہیں کہ روٹی سالن میں اضافہ ہو گیا ہے۔ دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ نبی خدا پر درود پڑھا اور آپؐ کے پاس لا کر پیش کر دیا۔ آپؐ نے بھی اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ ابا جان! خدا تعالیٰ کے پاس سے، وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔ آپؐ نے فرمایا خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی! تجھے بھی اللہ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا۔ انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو وہ یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس سے ہے، اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ پھر حضرت علیؓ کو بلایا، آپؐ نے اور حضرت علیؓ اور فاطمہؓ نے، حضرت حسن و حسینؓ، آپکی ازواج مطہراتؓ اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا۔[۸۷]

حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی چیز کا سوال کیا۔حضورؐ دینے سے عذر فرماتے رہے (کہ آپؐ کے پاس اس وقت کچھ تھا ہی نہیں) اور میں آپؐ سے تعلق کی وجہ سے ناراض ہونے لگی، اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا اور میں وہاں سے نکل کر اپنی بیٹی کے گھر چلی گئی وہ شرجیل بن حسنہؓ کے نکاح میں تھیں۔ میں نے شرجیل بن حسنہؓ کو (یعنی اپنے داماد کو) گھر میں دیکھا تو میں نے کہا نماز کا وقت ہوگیا اور آپ ابھی تک گھر میں بیٹھے ہیں۔ میں نے ان کی ملامت شروع کر دی۔انہوں نے کہا خالہ جان! مجھے ملامت نہ کریں بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک ہی کپڑا تھا جس کو نبی کریمؐ مجھ سے عاریتاً لے گئے ہیں (یعنی نبی کریمؐ کے پاس کوئی کپڑا بھی نہ تھا کہ آپؐ کو مجھ سے عاریتاً لینے کی ضرورت پیش آئی)۔

حضرت شفاءؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے آپ کو کہنے لگی کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں آج آپؐ سے (میرے سوال کو پورا نہ کرنے پر) ناراض ہو رہی تھی حالانکہ نبی کریمؐ کا تو یہ حال ہے (کہ پہننے کے لیے کپڑا بھی نہیں، میرے داماد سے عاریتاً مانگا ہے) اور مجھے پتہ بھی نہیں۔شرجیلؓ نے فرمایا وہ بھی ایسی قمیض تھی جس کو پیوند لگا رکھے تھے۔[۴۸]

حضرت مقدادؓ بن عمرہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کی جلالت قدر اور فضل و کمال پر مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر کا کامل اتفاق ہے۔اپنے جوش ایمانی اور جذبۂ فدویت کی بدولت وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے محبوب بن گئے تھے۔ایک دفعہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے کہ چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھوں اور اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا: علیؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ۔

ہجرت کے بعد حضرت مقدادؓ نے کچھ عرصہ بڑی تنگدستی سے گزارا تھا اس کے بعد تجارت شروع کر دی تھی اور خاصے مرفہ الحال ہو گئے تھے۔حضرت مقدادؓ کی اہلیہ حضرت ضباعہؓ بنت زبیر سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت مقدادؓ رفع حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلے اور بقیع غرقد کے قریب ایک ویران جگہ رفع حاجت کے لیے بیٹھے۔یکا یک قریب کے ایک بل سے ایک بڑے چوہے نے ایک طلائی دینار باہر لا کر ان کے سامنے ڈال دیا اور وہ برابر اسی طرح ایک ایک دینار باہر لا کر ان کے سامنے ڈالتا رہا یہاں تک کہ حضرت مقدادؓ کے سامنے سترہ دینار جمع ہو گئے۔وہ انھیں لے کر سرور عالم ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔حضورؐ نے پوچھا، کیا تم نے چوہے کے بل میں ہاتھ ڈالا تھا؟ انہوں نے عرض کیا، خدا کی قسم نہیں، یا رسول اللہ ۔۔۔حضور اکرمؐ نے فرمایا تو اس مال پر کوئی صدقہ نہیں ہے اللہ تجھے اس میں برکت دے۔

ضباعہؓ کہتی ہیں کہ ان میں سے آخری دینار ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ میں نے چاندی کے ڈھیر مقدادؓ کے گھر میں دیکھ لیے(یعنی وہ آسودہ حال ہوگئے)۔بدری ہونے کی وجہ سے حضرت مقدادؓ کا گرانقدر وظیفہ بھی مقرر ہوگیا تھا اور انہیں جرف اور خیبر میں جاگیریں بھی مل گئی تھیں۔ان کی وفات کے بعد خیبر کی جاگیر امیر معاویہؓ نے ان کے ورثا سے ایک لاکھ درہم میں خریدی ۔ان کی اولاد میں ضباعہؓ بنت زبیرؓ سے صرف ایک لڑکی کریمہ کا نام ملتا ہے۔[۸۹]

حضرت اسماءؓ نے آخر دور میں بھی جبکہ مال و دولت کی افراط ہوگئی تھی سادگی کو ترجیح دی ۔ان کے صاحبزادے حضرت منذرؓ نے عراق کی لڑائی سے واپسی پر والدہ کی خدمت میں کچھ عمدہ کپڑے پیش کیے۔حضرت اسماءؓ بصارت سے محروم ہو چکی تھیں۔کپڑوں کو ہاتھ سے ٹٹولا اور لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت منذرؓ موٹے کپڑے لائے تو قبول فرمایا۔[۹۰]

فاطمہؒ بنت عبدالملک:

فاطمہ بنت عبدالملک کا شمار پہلی صدی ہجری کی نہایت معزز اور بلند کردار خواتین میں ہوتا ہے۔ ان کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ بنو امیہ کے چھ خلفاء سے ان کا براہ راست قریبی تعلق تھا۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ وہ بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی، چھٹے خلیفہ ولید اول، ساتویں خلیفہ سلیمان، نویں خلیفہ یزید ثانی اور دسویں خلیفہ ہشام کی بہن اور آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اہلیہ تھیں۔

فاطمہؒ ۶۴ھ اور ۷۰ھ کے درمیان کسی وقت پیدا ہوئیں۔والدین نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش کی اور تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ ۸۶ھ میں جب وہ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں تو خلیفہ عبدالملک نے ان کی شادی اپنے بھتیجے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کردی اور داماد کو خناصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔اس کے بعد جلد ہی عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور ولید بن عبدالملک تخت حکومت پر بیٹھا۔اس نے

۸۷ھ میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔اس زمانے میں وہ بڑے نفاست پسند اور شاہ خرچ تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے پہنتے اورعمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے، داڑھی پر عنبر کا سفوف، اچھی سے اچھی غذائیں کھاتے اور بڑے جاہ و حشم سے رہتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو کس طرح رکھا ہوگا۔

۹۳ھ میں مدینہ منورہ کی گورنری سے سبکدوش کر دیا گیا۔خلیفہ سلیمان بن عبدالملک ان کا مداح اورقدردان تھا اس نے ۹۹ھ میں اپنی وفات سے پہلے انہیں خلافت کے لیے نامزد کر دیا۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد وہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ذمہ داری سنبھالتے ہی ان کی زندگی میں یکسر انقلاب آگیا۔انہوں نے ایک بارعب اور مطلق العنان حکمران بننے کے بجائے اسوۂ حسنہ فاروقی اختیار کیا اور اپنے آپ کو حضرت ابو زر غفاریؓ ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اورحضرت ابو ہریرہؓ جیسے درویش صفت بزرگوں کے قالب میں ڈھال لیا۔اسی لیے انہیں فاروق ثانی کہا جاتا ہے۔علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

’’حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے۔انہوں نے اپنی تمام مساعی خلفائے راشدین اور صحابہ کے دور کے احیاء کے لیے وقف کردیں‘‘۔

خلیفہ بنتے ہی انہوں نے اپنے خاندان کی جاگیریں وغیرہ ان کے اصل مالکوں اور حقداروں کو واپس کر دیں۔ اہلیہ بی بی فاطمہ کے پاس اپنے باپ کا دیا ہوا ایک بیش بہا ہیرا تھا، اس کے علاوہ بھائیوں کا دیا ہوا کافی مال و زر تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے فرمایا کہ تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔تم یہ نگینہ، زیورات اور مال کو بیت المال میں داخل کر دو یا پھر مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے وہ بیش قیمت ہیرا اور دوسری چیزیں بلا کسی تردد کے بیت المال میں جمع کروا دیں اور اپنے درویش سیرت شوہر کی رفاقت کو ترجیح دی۔اس کے بعد انہوں نے انتہائی عسرت اور فقر و فاقہ سے زندگی گزاری لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔ بچے بھی اسی تنگی ترشی سے زندگی گزارتے تھے مگر وہ ہمیشہ ان کو صبر وقناعت کی تلقین کرتی رہتی تھیں۔

خلافت کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اعلیٰ اورمرغن کھانے بالکل ترک کر دیے تھے۔گھر میں اکثر دال پکتی تھی۔ ایک روز گھر کے خادم نے بی بی فاطمہؓ سے شکایت کی کہ ہر روز دال کھاتے کھاتے تنگ آ گیا ہوں۔انہوں نے کہا، تمہارے آقا امیر المومنین کی بھی یہی غذا ہے اور ہماری بھی۔وہ

خاموش ہو گیا۔

ایک دفعہ عید الفطر سے چند دن پہلے بی بی فاطمہؒ نے اپنے شوہر نامدار سے کہا کہ عید کے دن پہننے کے لیے بچوں کے پاس بہت معمولی کپڑے ہیں اگر آپ نئے کپڑوں کا بندوبست کرسکیں تو ان کا جی خوش ہو جائے گا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مہتمم بیت المال کو ایک رقعہ لکھا کہ میرا ایک ماہ کا وظیفہ پیشگی بھیج دیجیے۔اس نے رقعہ کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر اسے واپس بھیج دیا ''امیر المومنین! کیا آپ کو یقین ہے کہ اگلے ماہ تک زندہ رہیں گے''۔ یہ الفاظ پڑھ کروہ اشکبار ہوئے اور اہلیہ سے کہا کہ ہمارے بچوں کو بہشت میں عمدہ پوشاک ملے گی اس لیے یہاں عمدہ لباس کی ضرورت نہیں۔اس کے بعد پھر کبھی ایسی باتوں کا مطالبہ نہ کیا۔

ایک مرتبہ شوہر نامدار نے ان کے سامنے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا۔انہوں نے لبنان کے عامل ابن معدی کرب کو لکھ بھیجا۔ اس نے بہت سا شہد بھیج دیا جب یہ شہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فاطمہؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا،معلوم ہوتا ہے تم نے لبنان کے عامل سے فرمائش کرکے شہد منگوایا ہے، انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو اس کو چکھا تک نہیں اور فروخت کروا کر قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔

ایک مرتبہ عراق کی ایک عورت اپنی یتیم بچیوں کے لیے وظیفہ مقرر کروانیکی غرض سے دمشق آئی اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے گھر کا پتہ پوچھ کر بی بی فاطمہؒ کے پاس چلی گئی ۔وہ اس وقت روٹیاں پکا رہی تھیں۔اس کو پاس بٹھالیا۔عورت نے مکان کے درو دیوار پرنظر ڈالی اورحیران ہو کر کہا:

''میں تو یہاں اس لیے آئی تھی کہ اس گھر کے فیض سے اپنے گھر کی ویرانی دور کروں گی لیکن یہ تو خودویران ہو رہا ہے''۔

فاطمہؒ بولیں، بہن تم جیسے لوگوں کے گھروں کو آباد کرنے کے لیے ہی یہ گھر ویران ہو رہا ہے۔پھر اس عورت کی ضرورت دریافت کی اور جب امیرالمومنین گھر تشریف لائے تو مناسب تعارفی الفاظ کے ساتھ اسے ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔انہوں نے اس کی یتیم بچیوں کے وظیفے مقرر کردیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو مسلمہ بن عبدالملک بھنوئی کی عیادت

کے لیے آئے، انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؒ ایک میلی سی پھٹی ہوئی قمیض پہنے ہوئے ہیں۔ اپنی بہن فاطمہؒ سے کہا کہ امیرالمومنین کی قمیض بدل ڈالو، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں وہ قمیض دیکھ کر کیا کہیں گے۔ بی بی فاطمہؒ بولی، خدا کی قسم اس کے سوا دوسری قمیض نہیں ہے۔

غرض نازونعم میں پلی ہوئی اس شہزادی اور ملکہ نے اپنے درویش خوشوہر کا دورِ خلافت اسی عسرت اور ناداری کی حالت میں گزارا۔ شوہر کی وفات ۱۰۱ھ کے بعد کافی عرصہ زندہ رہیں مگر تکلف کی زندگی دوبارہ مرتے دم تک اختیار نہ کی۔ مشہور ترک مصنف ذہنی آفندی نے اپنی کتاب ''مشاہیر النساء'' میں بی بی فاطمہؒ کی زندگی کا ایک اور ہی نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فاطمہؒ بنت عبدالملک بن مروان زیادہ تر ''ذات الخمار'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ صاحب ولایت تھیں۔ ان کا مزار بصریٰ (شام) میں ہے جہاں ان کے اکثر معتقدین حاضر ہوتے رہتے ہیں''۔[۹۱]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا انقلابات کا گھر ہے، تغیرات کا گہوارہ ہے۔ اس میں کوئی چیز ایک حال پر قائم نہیں رہتی۔ انسان بھی اسی تغیر و تبدیلی کا شکار ہے۔ کبھی فقیر ہے، کبھی غنی، کبھی رنجیدہ تو کبھی خوش، آج غنی ہے تو کل فقیر، آج ہنس رہا ہے تو کل رو رہا ہے۔ بہرحال ان تنگی و فراخی کے دوروں میں ان خوشحالی و بدحالی کے حالات میں انسان تنگی اور بدحالی میں بہت ہی بے ثباتی اور کمزوری کا ثبوت دیتا ہے۔ بہت جلد چلا اٹھتا ہے، خدا تعالیٰ کی شکایت کرنے لگتا ہے۔ اپنی قسمت کو رونے لگتا ہے اور پھر خدا کو چھوڑ کر دنیا کی ہر طاقت کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے ہاتھ اپنی عزت بیچنے پر تیار ہو جاتا ہے اور مالک حقیقی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے ہاتھوں ہوتا ہے اور وہ حکمت سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔

وہی انسان کو دیتا ہے اور وہی کسی مصلحت سے امیری اور غریبی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تنگی اور فراخی اسی کے حکم سے ہے۔ امیری میں اس کو چھوڑنا سخت ناشکری ہے۔ غریبی میں اس سے رخ پھیرنا سخت بے عقلی ہے کیونکہ اس کو ناراض کر کے آئندہ فلاح کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ غرض مومن فقر و فاقہ میں توکل کے دامن کو کبھی نہ چھوڑے اور جو کچھ مانگے رازق حقیقی سے مانگے اور یہی صحابہؓ و صحابیاتؓ کی شان رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم : مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۸۰

۲۔ الجامع الصحیح ، کتاب المغازی، مترجم ، علامہ وحید الزمان ، باب : اگر کوئی عورت اپنی باری کا دن اپنی سوکن کو بخش دے تو مرد اس کی باری میں کیا کرے جلد : ۳ ، ص ۱۶۹

۳۔ ایضاً، کتاب العلم ، باب: امام کا عورتوں کو نصیحت کرنے اور ان کی تعلیم کا بیان، کراچی : تاجران کتب، قرآن محل، ج :۱، ص ۱۶۹

۴۔ ایضاً ، باب ''عشرہ مبشرہ کا بیان''، جلد اول، ص ۲۵۳

۵۔ ایضاً، کتاب الذکوۃ ، باب ''صدقہ کی ترغیب دلانا اور سفارش کرنا''، لاہور: حذیفہ اکیڈمی الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، ج :۱، ص ۵۷۸

۶۔ ایضاً، باب ''استطاعت بھر صدقہ'' ص ۵۷۹

۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم :مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج :۳، ص ۱۴۰، ۱۴۱

۸۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم :مولانا راغب رحمانی، کراچی : نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج :۳، ص ۲۳۲

۹۔ علامہ حافظ ابوالفداء عمادالدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی : نفیس اکیڈمی، ج :۳، ۴، ص ۴۵۵، ۴۵۶

۱۰۔ صحیح مسلم، مترجم مولانا وحید الزمان ، باب: حضرت زینبؓ کی فضیلت، جلد ۶ ، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی، ص ۱۰۲-۱۰۳

۱۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ، مولانا عبداللہ العمادی، حیدرآباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالیہ، ج: اول جز ۵، ص ۱۰۲

۱۲۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشرعیۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۷۱ء، ج: ۶، ص ۲۹۹۔۳۰۰

۱۳۔ حوالہ سابق، ج: ۳، ص ۱۹۰

۱۴۔ طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۹۲

۱۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج: ۸، ص ۳۳۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶۵

۱۷۔ مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، جلد دوم، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۸۱

۱۹۔ صحیح البخاری، کتاب الشفعہ، ترجمہ، مولانا وحید الزمان، باب ''کون سا ہمسایہ زیادہ حقدار ہے''، ج: اول، ص ۸۸۴

۲۰۔ امام مالک بن انس، مؤطا امام مالک، مترجم: علامہ وحید الزمان، کتاب الرھن، باب ''زندہ مردے کی طرف صدقہ دے تو مردے کو ثواب پہنچتا ہے''، لاہور: مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، اردو بازار، ص ۵۴۸

۲۱۔ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: مولانا محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، ۲۰۰۶ء، ص ۴۰۳

۲۲۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوٰۃ شریف، مترجم: عبدالحلیم علوی، باب ''صدقہ کی فضیلت'' کراچی: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، ج: ۱، ص ۱۲۰

۲۳۔ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب ''قول النبیؐ یخوف اللہ عبادہ بالکسوف، ح: ۱۰۴۸، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ص ۸۲

۲۴۔ صحیح البخاری، کتاب الشہادت، ترجمہ مولانا وحید الزمان، باب ''عورتیں عورتوں کا تزکیہ کر سکتی ہیں (ان کی پاکیزگی اور ثقاہت بیان کر سکتی ہیں)''، ج: ۱، ص ۱۰۵۸

۲۵۔ ایضاً، کتاب المغازی، باب ''بنی انماز کی لڑائی کا قصہ (جو ایک قبیلہ ہے)''، ج: ۲، ص ۶۳۶، ۶۳۷

۲۶۔ ایضاً، کتاب التفسیر، باب ''یعظکم اللہ ان تعو دو المثلہ آبداً الایۃ کی تفسیر''، جلد دوم، ص ۹۴۶، ۹۴۷

۲۷۔ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، جلد سوم، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ، ص ۲۹۶

۲۸۔ وحید الدین خان، مولانا، تذکیر القرآن، جلد دوم، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ص ۱۸۱

۲۹۔ القرآن، ۲۴:۱۱

۳۰۔ ایضاً، ۲۴:۲۲

۳۱۔ صحیح البخاری، کتاب الشہادت، ترجمہ، مولانا وحید الزمان، باب ''عورتیں عورتوں کا تزکیہ کر سکتی ہیں (یعنی ان کی پاکیزگی اور ثقاہت بیان کر سکتی ہیں)''، جلد اول، ص ۱۰۵۵

۳۲۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۳۸

۳۳۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۴۳

۳۴۔ ابی الحسن علی بن محمد الجزری ابن اثیر، تحقیق: اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: خلیل مامون، بیروت لبنان: دار المعرفہ، ج: ۵، ص ۴۴۴

۳۵۔ ایضاً، ص ۴۴۴

۳۶۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ۳، ۴، ص ۱۲۹

۳۷۔ ابی محمد عبد الملک ابن ہشام، سیرت النبیؐ کامل، ترجمہ: مولانا عبد الجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج: ۱، ص ۵۱۵، ۵۱۶

۳۸۔ ایضاً، ج: ۱، ص ۵۱۶

۳۹۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ''البکاء علی المیت''، کراچی: تاجران کتب قرآن محل، ج:۳،ص ۳۷

۴۰۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ترجمہ: پروفیسر غلام ربانی عزیز، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۱۴۶۔۱۴۷

۴۱۔ صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، ترجمہ، مولانا وحید الزمان، باب ''تلبینۃ'' لاہور: حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، اُردو بازار، ج: ۳، ص ۱۶۲

۴۲۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ترجمہ: پروفیسر غلام ربانی عزیز، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۲۲۸

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۲۹

۴۴۔ ابن جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، جلد اول، نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۲۸۶

۴۵۔ ابی محمد عبد الملک بن ہشام المعافری، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، تحقیق: طٰہٰ عبد الرؤف سعد، بیروت: دار الجیل، ج: ۳، ص ۱۳۶

۴۶۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر،علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: خلیل مامون، بیروت لندن: دار المعرفۃ، ج: ۵، ص ۴۵۲

۴۷۔ خالد پرویز، پروفیسر، اُمہات المومنین، حق پبلیکشنز اُردو بازار، لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۴۰

۴۸۔ ایضاً، ص ۴۱

۴۹۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، فروری ۱۹۷۲ء، ج: ۸، ص ۸۱

۵۰۔ البخاری الصحیح، کتاب الجنائز، ترجمہ، مولانا وحید الزمان، باب'' جو شخص کے وقت (نفس پر زور ڈال کر اپنا رنج ظاہر نہ کرے''، جلد :۱، ص ۵۶۶، ۵۶۷

۵۱۔ امام حافظ علامہ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ترجمہ: محمد اصغر مغل، کراچی: دار الاشاعت اردو بازار، ج: ۲، ص ۳۹۴

۵۲۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم :مولانا راغب رحمانی، جلد سوم، نفیس اکیڈمی پبلشنگ ہاؤس، کراچی، فروری ۱۹۷۲ء، ص ۲۱۷

۵۳۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۵۴۔ القرآن : ۲:۱۵۶

۵۵۔ ایضاً: ۴:۷

۵۶۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، ترجمہ: پروفیسر غلام ربانی عزیز، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰، ص ۳۴۰

۵۷۔ القرآن :۴:۱۰

۵۸۔ ایضاً، ۴: ۱۹

۵۹۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، ترجمہ: پروفیسر غلام ربانی عزیز، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰، ص ۲۳۰

۶۰۔ القرآن: ۴۰:۱۰

۶۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم :مولانا راغب رحمانی، کراچی : نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، فروری ۱۹۷۲ء، ج : ۸، ص ۲۶

۶۲۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، ترجمہ: پروفیسر غلام ربانی عزیز، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج : ۱۰، ص ۳۴۴، ۳۴۵

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔۱۷۳

۶۴۔ ایضاً، ص ۶۸

۶۵۔ ایضاً، ص ۷۹۔۸۰

۶۶۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبیؐ مع جہاد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب مولانا محمد زکریا اقبال، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، ص ۶۵۸، ۶۵۹

۶۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع جامع عثمانیہ، ج: ۵، ص ۶۸، ۶۹

۶۸۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔۱۷۳

۶۹۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج: ۳، ۴، ص ۲۷۱

۷۰۔ محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، تحقیق: الدکتور مارسدن جونس، آکسفورڈ: مطبعۃ جامعۃ، ج: ۱، ص ۲۶۴ تا ۲۶۷

۷۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، فروری ۱۹۷۲ء، ج: ۸، ص ۱۰۸

۷۲۔ صحیح البخاری، کتاب الہبہ، ترجمہ، مولانا وحید الزمان، باب "شادی میں دلہن کو پہنانے کے لیے کوئی چیز مانگنا"، ج: ۱، ص ۱۰۴۱، ۱۰۴۲

۷۳۔ ایضاً، کتاب الجہاد والسیر، باب "آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں کے خرچہ کا بیان" جلد دوم، ص ۱۹۵

۷۴۔ الجامع الترمذی، ابواب زہد، باب "رسول اکرم ﷺ کا گزر اوقات"، جلد دوم، ص ۱۰۹

۷۵۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، لاہور: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، ۱۴۱۳ھ، ج: ۱۰، ص ۲۱۹

۷۶۔ القرآن، ۷۶:۸

۷۷۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع عثمانیہ جامعہ سرکار عالیہ، ج: ۳، ص ۱۹۰

۷۸۔ مشکوٰۃ شریف، باب، "آداب طعام"، جلد: ۳، ص ۲۸۰

۷۹۔ مئوطا امام محمد: کتاب الصلوٰۃ، باب "ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان"، ص ۷۵

۸۰۔ ایضاً، باب ''دو آدمیوں کا جماعت سے نماز پڑھنا''، ص ۸۱، ۸۲

۸۱۔ البدایہ والنہایہ، ج: ۶، ص ۷۰۰

۸۲۔ طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۴۳

۸۳۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۴۳

۸۴۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۴۷

۸۵۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۷۱ء، ج: ۲، ص ۳۴۵

۸۶۔ صحیح مسلم، باب: اگر اجنبی عورت راہ میں تھک گئی ہو تو اس کو اپنے ساتھ سوار کر لینا درست ہے، کراچی: مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، ج: ۵، ص ۳۴۹

۸۷۔ الجامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ''دنیا کی بے وقعتی''، جلد دوم، ص ۱۵۵۔

۸۸۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ''سورۂ آل عمران''، ص ۶۲

۸۹۔ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، حافظ، الترغیب والترہیب ترجمہ البشیر والنذیر، حصہ سوم، ترجمہ: مولانا محمد عثمان، جلد دوم، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۸

۹۰۔ ایضاً، ص ۱۸۱

۹۱۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، فروری ۱۹۷۲ء، ج: ۸، ص ۱۹۶

۹۲۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، مترجم، مولانا مولانا محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۶ء، ج: ۵، ص ۱۹۳

باب ششم

اطاعت رسول کریم ﷺ

اطاعت کا لفظ کسی کے امر کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اطاعت میں مطاع کے احترام کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کہ ہر سنت پر عمل کیا جائے اور وہ احکام، امر و نواہی جو حضور ﷺ کے ذریعے سے ملے ہیں ان پر سر تسلیم خم کیا جائے اور کسی حالت میں بھی آپؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

اطاعت کی بنیاد رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے پر رکھی گئی ہے۔صرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے سے کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ کرے اور جو کچھ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے آئے ہیں اس پر ایمان نہ لائے۔

صحابہؓ کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ نے آپؐ پر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں آپؐ کا اتباع ضروری قرار دیا اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر تا حیات عمل پیرا رہیں۔

فصل اول

حمایت وخدمت رسول کریم ﷺ میں خواتین کی دینی خدمات:

جب کوئی انسان خود لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی محبت کا اہل ثابت کرتا ہے تو دوسری طرف سے آشنائی کی صداقت اس کے لیے مکمل ہوتی دکھائی دیتی ہے چنانچہ ایسی عظیم ہستی جو ایمان و یقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھی اور جس کا کام انسانیت کی اصلاح کرنا تھا وہ عظیم ہستی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تھے۔ صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپؐ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں۔

نبی کریم ﷺ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں اور انہوں نے اپنی وفات تک حضورؐ کی حمایت و خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی جب نزول وحی کا آغاز ہوا تو حضورؐ بہت گھبرائے ہوئے گھر پہنچے لیکن حضرت خدیجہؓ نے ان کی ہمت بندھائی اور فرمایا: یہ تو نہایت خوشخبری ہے اللہ مبارک کرے۔ بخدا! اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ ہونے دے گا بخدا آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، امین ہیں، آڑے وقت لوگوں کے کام آتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور مصائب و حوادث پر صبر کرتے ہیں۔[1]

جب رسول کریم ﷺ نے خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیوی خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی وہ آپؐ پر ایمان لائیں اور ساتھ ہو گئیں۔[2]

حضرت خدیجہؓ کے ہوتے ہوئے آپؐ بہت مطمئن تھے اور بہت بہادری سے کفار کا سامنا کر رہے تھے۔ کفار کو بھی حضرت خدیجہؓ کے ہوتے ہوئے بولنے کی اتنی جرات نہ ہوتی تھی لیکن خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضورؐ کے مصائب میں بہت اضافہ ہو گیا کفار آپ ﷺ کو طرح طرح سے اذیتیں دینے لگے یہاں تک کہ کسی نے آپؐ کے سر پر مٹی ڈال دی اسی حالت میں آپؐ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کی کوئی صاحبزادی مٹی دھلانے کھڑی ہوئیں وہ سر دھلاتی جاتیں تھیں اور رو رہی تھیں، آپؐ اُن کو تسلی دیتے تھے اور فرماتے تھے بیٹا مت رو اللہ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔[3]

جب نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب مدینہ منورہ میں رہائش پذیر آپؐ کے ننھیال سے مل کر واپس تشریف لا رہی تھیں تو مقام ابواء پر ان کا انتقال ہو گیا۔اس سفر میں اُم ایمن ان کے ہمراہ تھیں۔ان غمناک و اندوہناک لمحات میں اُم ایمنؓ نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ انتہا درجے کی محبت و شفقت کا مظاہرہ کیا اس وقت آپکی عمر صرف چھ سال تھی، یہ والدہ ماجدہ کی جدائی میں غمگین دریتیم بچے کو لے کر مکہ پہنچی۔

حضرت اُم ایمنؓ نے نبی کریم ﷺ کی پرورش اور نگہداشت کے اعتبار سے نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے امتیازی مقام حاصل کر لیا۔آپؐ کے دادا عبد المطلب نے اس خوش نصیب خاتون کو اپنے لاڈلے پوتے کی دیکھ بھال کا پوری طرح اہتمام کرنے کی وصیت کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ دیکھنا کسی لمحے بھی اس کی نگہداشت میں کوئی غفلت یا کوتاہی نہ برتنا اور اُم ایمنؓ نے ان کی توقعات سے بڑھ کر کر کے دکھایا۔

رسول کریمؐ نے اس ماحول میں پرورش پائی کہ آپ ﷺ اُم ایمنؓ کو اپنے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی سے پیش آتے ہوئے بچشم خود دیکھا کرتے تھے۔آپ ﷺ انہیں اماں جان کہہ کر پکارا کرتے تھے جب آپ ﷺ ان کی طرف دیکھتے تو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے یہ میرے اہل بیت کی نشانی ہے۔[۴]

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ روتی ہوئی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ کی قوم کے رؤساء میں سے ایک گروہ نے حطیم میں بیٹھ کر باہم عہدو پیان کیا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو دیکھیں گے تو سارے حملہ آور ہو جائیں گے اور آپ کے خون اقدس سے اپنا حصہ حاصل کریں گے تو آپ نے فرمایا: اے میرے لختِ جگر وضو، کے لیے پانی لا دو اور مطمئن رہو میرا خُدا میرے ساتھ ہے یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔[۵]

تمام مشرکین آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر مجتمع و متفق ہو گئے تھے اور آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ایک دن حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ ابن ابی معیط

نے انتہائی بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اونٹ کی اوجھری اُٹھا کر لایا اور جب رسول کریم ﷺ حالت سجدہ میں گئے تو اس نے وہ اوجھری اُٹھا کر آنحضرت ﷺ کی پشت پر رکھ دی یہاں تک کہ آپ ﷺ بہت دیر تک اسی طرح سجدہ کی حالت میں رہے کیونکہ اتنے بڑے بوجھ کو خود اُتارنا مشکل تھا۔ کسی نیک بندے نے اس بات کی خبر حضرت فاطمہؓ تک پہنچائی وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور اس بوجھ کو اُتار پھینکا۔[۶]

اُم حرام بنت ملحان[۷] کو حضور کی خدمت کر کے دلی سکون ملتا تھا اس لیے آنحضرت (کبھی کبھی)

اُم حرام بنت ملحان (انس کی خالہ اُم سلیم کی بہن) کے پاس تشریف لے جایا کرتے وہ آپ کو کھانا کھلاتیں۔ ان کے خاوند عبادہ بن صامتؓ (صحابی) تھے۔ ایک بار آنحضرت ان کے پاس گئے انہوں نے آپ ﷺ کو کھانا کھلایا اور آپؐ کے سر کی جوئیں دیکھنے لگیں۔ آپ ﷺ سو گئے پھر ہنستے ہوئے جاگے اُم حرام نے کہا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے (خواب میں) اپنی اُمت کے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ اس سمندر کے بیچا بیچ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو اس طرح سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت (رواں) پر سوار ہوتے ہیں میں نے کہا: یا رسول اللہ! دعا فرمایئے اللہ مجھ کو بھی ان میں شریک کر لے، آپؐ نے ان کے لیے دعا کی پھر اپنا سر رکھ کر سو گئے پھر ہنستے ہوئے جاگے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہنس کیوں رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میری اُمت کے کچھ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کو جا رہے تھے اس طرح میرے سامنے لائے گئے جیسے پہلے بیان ہوا۔ یعنی جیسے بادشاہ تختوں پر سوار، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا فرمایئے مجھ کو بھی ان میں شریک کر لے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی، خیر معاویہ کی خلافت میں ایسا ہوا کہ اُم حرام (اپنے خاوند عبادہ کے ساتھ) سمندر میں سوار ہوئیں۔ (یہ پہلا جہاد تھا روم کے نصاریٰ پر اور جب سمندر سے اُتریں تو جانور پر سے گر کر وفات پا گئیں)۔[۸]

اُم حرام کا عجیب والہانہ انداز محبت تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے سر سے جوئیں دیکھ رہی تھیں اور

حضور اکرم ﷺ کی کیا خوبصورت اداء دلنوازی ہے کہ خواب میں دیکھے جانے والے مناظر اُن کو بتا دیئے مثلاً: یہ حضور ﷺ کی خدمت، محبت، حمایت ہی کا نتیجہ تھا کہ تمام اُمہات المومنین نے حضور ﷺ کے ساتھ رہ کر غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کو پسند فرمایا اور اختیار ملنے کے باوجود دنیا کے سارے مال و متاع

کو حقارت سے ٹھوکر ماردی۔

حضرت رباب بنت کعب انصاریہ [۹] کو آنحضرت ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کے پاس با قاعدہ بھیجتی تھیں تا کہ وہ اوصاف حسنہ سے آراستہ ہو۔ اور وہ عورت ہو کر اتنی خدمت نہ کرسکتیں تھیں اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کام پر مامور کیا۔

اوس کے خاندان عبدالاشہل میں سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے رُبابؓ بنت کعب بن عدی بن عبدالاشہل۔ ان کا نکاح شہید اُحد حضرت حسیل الیمانؓ بن جابر العبسی سے ہوا ہجرت نبوی سے قبل اپنے خاوند کے ساتھ سعادت اندوز اسلام ہوئیں جلیل القدر صحابی صاحب السر حضرت حذیفہؓ بن حسیل الیمانؓ [۱۰] انہی کے فرزند ہیں۔

حضرت رُبابؓ اپنے فرزند حضرت حذیفہؓ کو با قاعدگی سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت گزاری کے لئے بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت حذیفہؓ کئی دن تک خدمت نبویؐ میں حاضر نہ ہوئے۔ حضرت رُبابؓ کو معلوم ہوا تو ان سے پوچھا کہ تم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کب سے نہیں گئے۔ انہوں نے مدت بیان کی تو بہت ناراض ہوئیں اور بیٹے کو بُرا بھلا کہا، انہوں نے کہا: اچھا اب جاتا ہوں، مغرب کی نماز رسول کریم ﷺ کے ساتھ پڑھوں گا اور حضور ﷺ سے اپنے اور آپ کے لئے مغفرت کی دعا کراؤں گا۔ یہ کہہ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھکر حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حضور ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرمایا:

کون؟ حذیفہ

اُس نے عرض کی ''جی ہاں یارسول اللہ''۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''خُدا تجھے اور تیری ماں دونوں کو بخشے''۔ [۱۱]

یہ وہ ہندہ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے محبوب چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا عداوت اور نفرت کا کس قدر بھیانک نقشہ پیش کیا لیکن جب دل نور ایمان سے منور ہوا تو ان کی طبیعت میں ایسی تبدیلی آئی کہ قلب ونظر سب حضورؐ پر قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوئیں۔

ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ (معاویہؓ کی ماں) نے عرض کیا: یارسول اللہ! ساری زمین پر جتنے

ڈیرے والے ہیں (یعنی عرب لوگ جو اکثر ڈیروں اور خیموں میں رہا کرتے) ان میں کسی کا ذلیل اور خوار ہونا مجھ کو اتنا پسند نہیں تھا جتنا آپ کا۔

> اب کوئی ڈیرے والا یا ڈیرے والے اُن کو عزت اور آبرو حاصل ہونا مجھ کو آپؐ کے ڈیرے والوں سے زیادہ پسند نہیں ہے (یعنی اب آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی سب سے زیادہ خیرہ خواہ ہوں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابھی کیا ہے تو اور زیادہ خیرخواہ بنے گی۔[۱۲]

جب حضور ﷺ اور ابو بکرؓ نے ہجرت کے وقت غار ثور میں قیام کیا حضرت اسماءؓ ہی ان کے لیے کھانا پکا کر ہر شام ان کے پاس لے جاتی تھی۔

حضرت اسماءؓ نے حضور اکرم ﷺ کی حمایت میں ہر تکلیف برداشت کی۔ اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور ابو بکرؓ کے جانے کے بعد قریش کے کچھ لوگ جن میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا ہمارے یہاں آئے اور پوچھا تمہارا باپ ابو بکر کہاں ہے میں نے کہا خُدا کی قسم مجھے معلوم نہیں تو اس نے اس زور سے میرے گال پر طمانچہ مارا کہ میرے کان کی بالی گر گئی لیکن پھر بھی اُسے نہ بتایا کہ حضور ﷺ کہاں ہیں اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ سے کتنی محبت تھی۔[۱۳]

اروی بنت عبد المطلب[۱۴] یہ رسول اللہ ﷺ کی قریبی رشتہ دار جلیل القدر صحابیہ ہیں یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ کھڑے ہو کر بلند آواز سے کلمہ کہا اور آسمانی پیغام کی تائید کی یہ مکہ میں اسلام لائیں اور یہ عمیر بن وھب بن عبد قصی کی بیوی تھیں ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام طلیب تھا۔

یہ بیٹا بھی صحابیت کے شرف سے متصف ہوا اور کلمہ توحید پڑھنے والے اولین لوگوں میں شامل تھا طلیب دار ارقم گئے اور کلمہ توحید پڑھ کر قافلہ حق و ہدایت میں شامل ہوگئے اور گھر آکر اپنی والدہ کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ بیٹے کے دل کے نور نے ان کے دل کے پردے ہٹا دیئے انہوں نے فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا اور اس طرح رسول کریم ﷺ کی پھوپھی نے بیٹے کے ساتھ دین پھیلانے اور اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرنے کی ذمہ داری سنبھالی یہ اپنی زبان سے آنحضرت ﷺ کا دفاع کرلیتیں اور اپنے بیٹے کو انکی مدد و حمایت پر ترغیب دیتیں۔[۱۵]

ایک دن طلیب بن عمیر [۱۶] نے ایک مشرک کا سر پھاڑ کر اُسے لہو لہان کر دیا کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کر رہا تھا اتنے میں مشرکین نے آ کر طلیب کو باندھ دیا اور ابو لہب نے آ کر انہیں چھڑایا۔ اروی کو کہا: کہ اپنے بیٹے کو نہیں دیکھتیں کہ جو بجائے محمد ﷺ کے خود کو مشرکین کا نشانہ بنا رہا ہے تو اروی رضی اللہ عنہا نے ایمان کی زبان سے جواب دیا اروی رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کی بہادری سے بہت خوش تھیں انہوں نے کہا:

''کہ اس کا بہترین دن وہ ہے جب وہ اللہ کے پاس سچی بات لانے والے اپنے ماموں زاد بھائی کا دفاع کرے''۔

اس پر لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو لگتا ہے کہ تو بھی محمد ﷺ کی پیرو ہے اور اس کے دین پر آ گئی ہے تو اروی نے زور دار آواز میں کہا کہ ہاں! خُدا کی قسم اور میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ سُن کر بعض لوگ ابو لہب کے پاس گئے اور کہا کہ تمہاری بہن اروی ؓ اپنے دین سے پھر گئی ہے۔ یہ سُن کر ابولہب غصہ میں بھرا ہوا ان کے پاس آیا اور بولا حیرت ہے تو محمد ﷺ کے پیچھے پڑ کر اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھر گئی ہے تو حضرت اروی رضی اللہ عنہا نے اُسے جواب دیا کہ تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اپنے بھتیجے کا دفاع کر کے ان کا سہارا بنو اگر اس کا دین غالب ہو جائے تو تمہاری مرضی کہ تم اپنے دین پر قائم رہو یا اس کے دین پر آ جاؤ، اگر اپنے دین پر قائم رہو گے تو تم بھتیجے کا حق ادا کر چکے ہو گے۔ میں تو مسلمان ہو چکی ہوں تو ابو لہب نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے پاس پورے عرب کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے محمد ﷺ تو نیا دین لے کر آیا ہے یہ کہہ کر ابولہب غصہ میں نکل گیا اور وہ دیکھتا رہتا کہ اس کی بہن رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرتیں اور اپنے بیٹے کو ان کے دفاع اور پیروی کرنے پر ابھارتی رہتی ہیں اور وہ قریش کو اپنے بیٹے اور بھتیجے کی حمایت میں اشعار سناتی رہتیں۔ اسی طرح یہ ان کی حمایت کرتے کرتے سہارا بنتے بنتے مدینے ہجرت کر گئیں۔ ان جلیل القدر صحابیہ کا ۱۵ھ کے قریب انتقال ہوا۔ [۱۷]

حضرت سہلہ ؓ بنت مسعود انصاریہ جلیل القدر صحابی حضرت جابر ؓ بن عبد اللہ ؓ [۱۸] کی اہلیہ تھیں اور

انہوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کی خدمت وحمایت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت جابرؓ کبھی حضور اکرم ﷺ کی دعوت کرتے تو وہ بڑے ذوق وشوق سے کھانا تیار کرتیں۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد حضرت جابرؓ نے اپنے والد شہید کا قرض ادا کرنے کی خوشی میں حضور اکرم ﷺ کی دعوت کی۔ حضور اکرم ﷺ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے گوشت، خرما اور پانی پیش کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

''شاید تم کو معلوم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں''۔ کھانے سے فارغ ہو کر حضور اکرم ﷺ چلنے لگے تو حضرت سہیلہؓ نے اندر سے آواز دی۔

یا رسول اللہ ! مجھ پر اور میرے خاوند پر درود پڑھیں۔

آپ ﷺ نے بلا تامل فرمایا:

''اللھم صل علیھم''۔[19]

حضرت اُم اوس بہزیہؓ کو بھی حضور ﷺ سے بے انتہا محبت تھی اور انکی حمایت و خدمت کرنا فرض عین سمجھتی تھیں۔ ان کا شمار بھی صحابیات میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ میں نے ایک کپی میں گھی بھر کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا آپ ﷺ نے اسے قبول فرمالیا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ کپی مجھے واپس بھیج دی۔ میں نے اسے دیکھا تو یہ گھی سے بھری ہوئی تھی۔ مجھے یہ گمان ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے میرا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ میں روتی ہوئی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: اسے اصل حقیقت سے آگاہ کر دو۔

میں واپس گھر آئی اور سارے عہد رسالت، عہد صدیقی، عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں اس کپی سے گھی لے کر کھاتی رہی یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ پیش آئی۔[20]

حضرت اُم مالک بہزیہؓ بیان کرتی ہیں کے میں حضور اکرم ﷺ کے لیے ایک کپی میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دن ان کے بچے سالن مانگنے لگے۔ اس وقت گھر میں کوئی چیز نہ تھی۔ اُم مالک وہی کپی اُٹھا کر لائیں جس میں حضور کو گھی بھیجا کرتی تھیں اُنہوں نے اس کپی کو نچوڑ لیا اور پھر حضور ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے پوچھا۔

کیا تو نے اس کپی کو نچوڑا تھا؟

انہوں نے عرض کیا۔ ''جی ہاں''

آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں گھی نکلا کرتا۔

حضرت اُم خناسؓ حضور اکرم ﷺ کے ایک صحابی حضرت مسعودؓ بن خالد کی اہلیہ تھیں وہ کثیر العیال شخص تھے دو تین بکریاں ذبح کرتے تو بمشکل ان کے اہل خاندان کو کفالت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک بکری حضورؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجی۔ آپ ﷺ نے اُسے ذبح کرنے کے بعد اُس کا کچھ گوشت مسعودؓ کے گھر بھی بھیج دیا۔ حضرت مسعود ؓ بن خالد گھر آئے تو اپنی اہلیہ اُم خناسؓ کے پاس گوشت دیکھا، پوچھا، یہ کہاں سے آیا ہے؟ اُم خناسؓ نے جواب دیا کہ رسول کریم ﷺ نے بھیجا ہے اور یہ اُس بکری کا گوشت ہے جو تم نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی تھی۔ حضرت مسعودؓ نے کہا، تو پھر تو اسے اپنے بال بچوں کو کیوں نہیں کھلاتی۔ اُم خناسؓ نے کہا یہ سب کھا چکے ہیں اور یہ گوشت ان سے بچ رہا ہے۔[۲۱]

حضرت اُم ایوب[۲۲] اور ابو ایوب[۲۳] دونوں میاں بیوی کو حضور اکرم ﷺ بے انتہا محبت تھی اور

جب سے حضور اکرم ﷺ ان کے گھر میں داخل ہوتے تھے ان کی زندگی کے آخری لمحات تک حضرت اُم ایوبؓ کو حضورؐ کے ساتھ محبت میں اپنے خاوند پر بھی سبقت حاصل رہی ہے اور ہر لمحہ ان کی یہ کوشش رہتی کہ حضور ﷺ کی جتنی بھی خدمت کی جا سکے اُتنی کم ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا موقع تو نصیب والوں کو ملتا ہے حضرت اُم ایوب حضور اکرم ﷺ کے لیے اچھے سے اچھا کھانا بنا کر بھیجنے کی کوشش کرتیں اور ان کی دلی خواہش ہوتی کہ یہ معلوم کریں آنحضرت ﷺ کو کونسا کھانا زیادہ پسند ہے اور کونسا ناپسند لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی خواہش یوں پوری کی۔

بیان کرتیں ہیں ایک رات ہم نے شام کا کھانا بھیجا اس میں پیاز یا تھوم کا استعمال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا کھانا ناپسند فرمایا۔ اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا تم کھاؤ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں مجھے ڈر

ہے کہیں میرے ساتھی (فرشتوں) کو اس سے تکلیف نہ ہو۔ اور میں یہ کھانا اس لیے نہیں کھا سکتا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنی ہیں۔ اس طرح سے اُم ایوبؓ کو معلوم ہو گیا کہ رسول کریم ﷺ کو کونسا کھانا ناپسند ہے اور اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کے لیے ایسا کھانا کبھی تیار نہیں کیا کیونکہ حضور ﷺ کو لہسن کی بو پسند نہ تھی۔

حضور ﷺ کے ناپسندیدہ کھانے کے متعلق انہیں علم یوں بھی ہوا کہ نبی کریم ﷺ (ہجرت کے موقعہ پر) حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں اقامت گزیں ہوئے تو آپ ﷺ کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ کھانا تناول فرمانے کے بعد بچا ہوا کھانا حضرت ابو ایوبؓ کے گھر بھیج دیتے تو ابو ایوبؓ اور اُم ایوبؓ وہ جگہ تلاش کرتے جہاں آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ لگے ہوں تا کہ اُن آثار سے خیر و برکت حاصل کر سکیں۔ ایک رات ہم نے تھوم یا پیاز کا استعمال کر کے کھانا بھیجا تو رسول کریم ﷺ نے کھانا واپس بھیج دیا اس میں ہاتھ کے نشانات نہ تھے۔ میں گھبرایا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے کھانا بغیر کھائے واپس کر دیا آپؐ کے مبارک ہاتھوں کے نشانات ہمیں دکھائی نہیں دیئے تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں لہسن کی بو پسند نہیں کرتا اس لیے نہیں کھایا ورنہ لہسن حرام نہیں ہے۔[۲۴]

حضرت عائشہؓ ہمیشہ سادہ لباس پہنتی اور اُس پر بھی پیوند لگے ہوتے تھے اور جب تک وہ پرانا ہو کر بالکل پھٹ نہ جاتا اُسے نہ پھینکتی تھیں اس لیے کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ دنیا عارضی ہے اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اس زندگی سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہیے جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے اگر آخرت میں بھی حضور ﷺ سے ملنا ہے تو مجھے یہی زندگی اپنانی ہے اور مالداروں کی مجلس سے اجتناب کرنا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کے ہر حکم کو آخری حکم سمجھ کر مانا اور ہر معاملے میں ان کی حمایت کی۔[۲۵]

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت اُم ہانیؓ سے پوچھا! کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز ہے؟ اُم ہانیؓ کو بے حد افسوس ہوا کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے ہیں اور بھوکے بھی ہیں لیکن میرے پاس تو صرف سوکھی روٹی اور سرکہ ہے اب میں کیا کروں پہلی بار خدمت کا موقع ملا ہے جب کچھ نہ ملا تو پھر ہمت کر کے بول دیا کہ میرے پاس صرف سوکھی روٹی اور سرکہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہی لے آؤ۔ وہ گھرانہ فقر کا شکار نہیں ہوتا اور نہ ادام و سالن سے خالی جس میں سرکہ موجود ہو۔ اور سرکہ

تو میرے نزدیک انتہائی پسندیدہ سالن ہے۔ اُم ہانیؓ حضور ﷺ کی اس بات پہ بے حد خوش ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی یہ موقع دیا ہے کہ میں حضور ﷺ کو اُن کی پسندیدہ چیز کھلا سکی۔[٢٦]

ربیع بنت معوذؓ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں وہ چیزیں پیش کریں جو اُنہیں بہت پسند ہیں آنحضرت ﷺ کو ککڑیاں اور کھجوریں بہت پسند تھیں۔ ربیع بنت معوذؓ چھوٹی چھوٹی بالوں والی ککڑیاں اور تازہ کھجوروں کا تھال لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور ﷺ یہ سب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اُنہیں خوش دیکھ کر جتنی خوشی میں ہوئی بیان نہیں کر سکتی اس وقت آپ ﷺ کی بارگاہ میں سونے چاندی کے ٹکڑے پڑے تھے جو بحرین سے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ آپ ﷺ نے مٹھی بھر زروسیم مجھے بھی مرحمت فرمائے۔[٢٧]

حلوہ شہد اور کھجوریں حضور ﷺ بہت پسند فرماتے تھے صحابیات ہمیشہ حضور ﷺ کے لیے ایک کھانا کھجوروں کا رکھتیں تھیں حضور ﷺ اُسے شوق سے تناول فرماتے تھے آپ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین طعام عجوہ کھجوریں تھیں۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی شریک حیات تھیں اس لیے بخوبی واقف تھیں کہ حضور ﷺ کو کھانے میں کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ فرماتی ہیں: کہ حضور اکرم ﷺ برتن کی قریب ترین اور سامنے والی جانب سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے مگر کھجوریں آپ ﷺ کو اتنی پسند تھیں کہ جب پیش کی جاتیں تو پھر آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک سارے برتن میں گردش کرتا۔[٢٨]

ایک دفعہ حضور ﷺ رات کے وقت اُٹھ کر کہیں تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ سو رہی تھیں جب آنکھ کھلی اور حضور اکرم ﷺ کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں دیوانہ وار اُٹھیں اور ادھر اُدھر ٹٹولنے لگیں کیونکہ اندھیرا تھا کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا آخر ایک جگہ حضور ﷺ کا قدم مبارک ملا، دیکھا تو آپ ﷺ سربسجود یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ اس وقت انہیں اطمینان ہوا اور چین سے جا کر سو گئیں۔

ایک دفعہ حضور ﷺ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبے نظر آتے ہیں آپؐ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے جب دیکھا کہ واقعی اس پہ دھبے لگے ہوئے ہیں تو غلام سے بولا کہ یہیں رکھ دو میں ابھی دھوتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگوایا۔ خود اپنے ہاتھ سے داغ دھوئے۔ اس کے بعد کمبل

خشک کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں واپس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے کام خود کرنا بہت پسند فرماتی تھیں جب حضور احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک پر خوشبو خود لگاتی تھیں آپؐ کے جانوروں کے قلاوے خود بٹتی تھیں حالت اعتکاف میں آپ ﷺ کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھیں۔ [۲۹]

ایک دفعہ سیدہ فاطمہؓ روٹی کا ٹکڑا لیکر دربار رسالت پناہ میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسا ٹکڑا ہے اے فاطمہؓ! آپؓ نے عرض کیا۔ میں نے روٹی پکائی تھی (اور بغیر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے) ساری روٹی خود کھانا طبیعت نے گوارا نہیں کیا لہذا یہ حصہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ! تین دن کے بعد یہ پہلا کھانا ہے جو تیرے باپ کے منہ تک پہنچا ہے حضرت فاطمہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر الحمد للہ کہا کہ آج کم از کم حضور ﷺ نے کچھ تناول فرمایا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کے اپنے گھر میں فاقہ کشی کا عالم تھا لیکن انہیں اپنا بوڑھا باپ زیادہ عزیز تھا وہ باپ جس نے انہیں بہت محنت سے پالا پوسا تھا پچھلے دو دنوں سے بالکل فاقے سے تھا حضرت فاطمہؓ سے رہا نہ گیا اور وہ روٹی کا ٹکڑا لا کر حضور ﷺ کو کھلا کر خوشی خوشی اپنے گھر لوٹ گئی۔ [۳۰]

ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ اُم المنذرؓ [۳۱] کے ہاں تشریف لے گئے حضرت علیؓ بھی ان کے ساتھ

تھے اُم منذرؓ کے ہاں کھجور کے کچھ خوشے لٹکے ہوئے تھے جو انہوں نے حضور ﷺ کے لیے رکھے ہوئے تھے کہا آپ ﷺ آئیں گے تو کھجوریں بھی کھائیں گے اور ساتھ میں چقندر اور جو بھی ملا کر دوں گی۔

آخر کار ایک دن ان کی آرزو پوری ہوئی اُم منذر نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ یہ کھجوروں کے خوشے جو لٹکے ہوئے ہیں یہ صرف آپ کے لیے رکھے ہوئے ہیں حضور ﷺ نے کھجوریں کھانی شروع کر دیں جب حضرت علی مرتضیٰؓ بھی کھانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے علیؓ! تُو نہ کھا کیونکہ تو ابھی تک کمزور ہے (یعنی آپ کا معدہ ابھی اسے قبول نہیں کرتا) (حضرت اُم منذرؓ کا بیان ہے) کہ پھر حضرت علیؓ بیٹھ گئے اور حضور ﷺ کھاتے رہے۔ اس کے بعد اُم منذرؓ نے ان کے لیے چقندر اور جو کو ملایا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ! اس سے کھائیں کیونکہ تمہارے لیے بہت موافق ہے۔ [۳۲]

تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت عائشہؓ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو حضور ﷺ روزہ

رکھ لیتے پھر ایک دن آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس دن میں بہت خوش تھی کہ آج تو حضور ﷺ کو روزہ نہیں رکھنا پڑے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! ہمیں کہیں سے تحفہ آیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا ہے ؟ میں نے عرض کیا ''کھجور کا حلوہ'' آپ ﷺ نے فرمایا میں صبح سے روزہ دار ہوں پھر حلوہ تناول فرمایا۔[۴۳]

حضرت عائشہؓ کی والہانہ محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی تحفہ وغیرہ بھی بھیجتا تو اُسے حضور ﷺ کے لیے بچا کر رکھتی تھیں لیکن خود نہ کھاتیں تھیں چاہے خود جتنے دنوں کی بھی بھوکی ہوں۔

صحابیات کی یہ دلی خواہش ہوتی تھی کہ حضور ﷺ کے لیے اچھے سے اچھا کھانا پکائیں اور اُن کے لیے اچھا سا بستر بچھائیں یہ تو ان کی محبت تھی لیکن حضور ﷺ منع فرما دیتے۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ میں آنحضرت ﷺ جس بستر پر آرام فرماتے تھے وہ چمڑے کا بنا ہوا گدا تھا اور اس میں کھجور کی مونجھ بھری ہوئی تھی حضرت حفصہؓ نے بتایا کہ ان کے ہاں حضور ﷺ کا بستر مبارک ایک ٹاٹ تھی جس کو ہم دوہرا کر لیا کرتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ اس پر آرام فرماتے۔

ایک رات میں نے سوچا کہ اگر میں اس ٹاٹ کی چار تہہ کر دوں تو آپ ﷺ کے لئے زیادہ نرم ہوگا، چنانچہ ہم نے اس کو چار تہہ کر دیا۔ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ نے پوچھا تم نے رات کو کونسا بستر بچھایا تھا (آپ فرماتی ہیں) ہم نے کہا بستر تو وہی تھا لیکن ہم نے اسکی چار تہیں کر دی تھیں (کیونکہ) ہمارے خیال میں وہ آپ کے لئے زیادہ آرام دہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے پہلی حالت پر ہی بدل دو کیونکہ اسکی نرمی نے مجھے رات کی نماز سے روکے رکھا۔[۴۴]

فصل دوم

پابندی احکام رسول ﷺ میں خواتین کی دینی خدمات:

صحابیات رسول کریمؐ کی حمایت و خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے احکامات کی بھی پابندی کرتیں تھیں اور ہر ممکن کوشش کرتیں تھیں کہ کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس کے نہ کرنے کا حضورؐ نے حکم فرمایا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نو برس کی شب و روز کی طویل محبت میں آپ کے کسی حکم کی کبھی مخالف نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات نا گوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ میرے پاس آئے اور میں ایک تصویر دار پردہ ڈالے ہوئے تھی۔آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس پردے کو لے کر پھاڑ ڈالا پھر فرمایا: سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت میں ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی صورت بناتے ہیں۔[۳۵]

یعنی صحابیات نہ صرف حضور اکرم ﷺ کے ہر قول و فعل کی پابندی کرتیں تھیں بلکہ اس پر ساری عمر عمل پیرا ہونیکی ہر ممکن کوشش کرتیں تھیں اور ازواج مطہرات کے سامنے تو حضور ﷺ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی بلکہ وہ حضور اکرم ﷺ کے انداز و اشاروں سے ہی سمجھ جاتیں تھیں کہ ہم نے کوئی ایسا کام کرلیا ہے جو حضور ﷺ کو نا پسند ہے اُسے فوراُ ترک کر دیتیں تھیں۔

عورتوں نے جب دیکھا کہ مرد میدان جہاد میں جا کر زیادہ ثواب کما رہے ہیں تو انہوں نے بھی حضور ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہم بھی جہاد کرنا چاہتی ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کا جہاد حج ہے تو وہ مطمئن ہو گئیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم عورتوں کا جہاد حج کرنا ہے (اسی میں تم کو جہاد کا ثواب ملے گا) اُس کے بعد

حضرت عائشہؓ نے کسی سال حج کرنا نہیں چھوڑا۔[۳۶]

صفائی نصف ایمان ہے اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور خاص طور پر جب عبادات کا ذکر آئے تو طہارت کا تصور خود بخود ذہن میں آجاتا ہے اور ہمارے اسلام میں پاکیزہ رہنے پہ بہت زور دیا گیا ہے۔حتٰی کہ اگر پیشاب کے مقام کو بھی چھولے تو وضو کرے۔

حضرت اُم حبیبہؓ کہتی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص پیشاب کے مقام کو چھوئے اس کو وضو کرنا چاہیے''۔[۳۷]

تمام صحابیات حضور اکرم ﷺ کے احکامات کی پابندی کرتیں تھیں چونکہ انسان خطا کا پُتلا ہے۔ اگر کبھی کبھار صحابیات غلطی کرجاتیں تو فوراً معافی مانگ لیتیں۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضور کریم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں کسی کا عیب بیان کروں اگر چہ مجھے اس کے بدلے میں یہ یہ فائدہ حاصل ہو۔اُم المومنینؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ !صفیہؓ تو بہت چھوٹے قد کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایسی بات ملادی کہ اگر سمندر کا پانی بھی اس سے مل جائے تو بدل جائے۔[۳۸]

حضرت عائشہؓ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کا دل دُکھایا ہے معافی مانگی چونکہ حضور ﷺ کا دل بہت بڑا تھا معاف تو کردیا لیکن سرزنش کی کہ آئندہ ایسی بات کبھی نہ کرنا۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد اپنی بیوی کا بوسہ لے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اُسے دوبارہ وضو کرنا چاہیے جب حضرت عائشہؓ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ حضور کریم ﷺ نے تو کبھی ایسا نہیں کیا کہ وضو کیا ہو اور پھر بوسہ لینے کے بعد دوبارہ وضو کریں وہ تو کئی بار وضو کرکے میرے پاس آئے میرا بوسہ لیا اور پھر نماز کا وقت ہوگیا انہوں نے دوبارہ وضو نہیں کیا بلکہ اُسی وضو سے نماز ادا کی پھر تم لوگ کس بنیاد پر یہ کہہ رہے ہو؟[۳۹]

صحابیات نے انسان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس کے متعلق رہنمائی نہ فراہم کی ہو یا اُس پر عمل کرکے نہ دکھایا ہو بلکہ رسول کریم ﷺ کے احکامات کی شدت کے ساتھ پابندی کرتیں تھیں

اور دوسروں کے لیے بھی رہنمائی کا باعث بنتی تھیں۔ اور اگر کسی مسئلے کے متعلق ان سے پوچھا جاتا جس کے بارے میں انہیں پتہ تو ہوتا یعنی صحبت رسول کریم ﷺ میسر نہ ہوتی تو اسکی تفصیل جاننے کے لیے اُس شخص کے پاس بھیجتیں جو حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ تھا۔

حضرت شریح بن ہانیؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا اس کے متعلق حضرت علیؓ کے پاس جا کر دریافت کرو۔ کیونکہ ان کو اس امر کا مجھ سے زیادہ علم ہے۔ میں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے سوال کیا۔ فرمایا حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ مقیم کے واسطے ایک دن اور ایک رات کی مدت ہے اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین رات کی۔ [۴۰]

قرآن و احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام کتنا وسیع مذہب ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ صحابیات کی خدمات نا قابل فراموش ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ ہر مسئلے پر بحث کی اور صحابیات نے دوسروں کی رہنمائی کے لیے اپنی ازدواجی زندگی کو کھول کے بیان کیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرمایا رسولؐ نے جب کوئی تم سے پاخانہ کو جائے تو تین پتھر اپنے ساتھ لے جائے ان سے استنجا کرے وہ کافی ہیں۔ [۴۱]

مزید فرمایا: کہ میں اور رسول کریم ﷺ ایک کپڑے میں رات کو رہا کرتے اور میں حیض سے ہوتی۔ اگر میرا خون آپ ﷺ کے بدن میں لگ جاتا تو آنحضرت ﷺ صرف اُسی مقام کو دھو ڈالتے پھر نماز پڑھتے اور اگر کپڑے میں آنحضرت ﷺ کے لگ جاتا تو آنحضرت ﷺ اُس جگہ کو فقط دھو کر پھر اُسی کپڑے میں نماز پڑھتے عمارہ بن غراب کی پھوپھی نے حضرت اُم المومنین عائشہؓ سے پوچھا ہم میں سے کسی کو حیض آتا ہے اور اس کے پاس جورو اور خاوند کے لئے ایک ہی بچھونا ہوتا ہے وہ کیا کرے حضرت عائشہؓ نے کہا میں تجھ کو رسول اللہ ﷺ کا حال سناتی ہوں۔ آپ گھر میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کی جگہ میں چلے گئے پھر آپ فارغ نہیں ہوئے یہاں تک کہ میں اونگھنے لگی اور آپ کو سردی نے ستایا آپ نے فرمایا: میرے پاس آ! اور میں حائضہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی رانیں کھول میں نے اپنی ران کھولی آپ ﷺ نے اپنا منہ اور سینہ میری ران پر رکھ دیا اور میں اُوپر سے آپ ﷺ پر جھک گئی۔ یہاں تک کہ آپ گرم

ہو گئے اور سو رہے۔[۴۲]

صحابیاتؓ چونکہ مقاماتِ مقدسہ کو بہت معتبر سمجھتی تھیں اور ہر ممکن کوشش کرتیں تھیں کہ وہاں جا کر عبادت ضرور کریں لیکن اگر کوئی حکم مانع آجائے تو اس کا متبادل تلاش کرتیں تھیں تاکہ ثواب کما سکیں۔

میمونہؓ سے روایت ہے اُنہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! بیت المقدس میں آپؐ کیا حکم دیتے ہیں ہم کو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں جاؤ اس میں نماز پڑھو اور اُس زمانے میں سب شہروں میں لڑائی پھیلی ہوئی تھی آپ نے فرمایا: اگر وہاں نہ جا سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو تیل بھیج دو اس کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔[۴۳]

صحابیات طب میں بھی ماہر تھیں جیسا کہ اُم سلمیٰؓ کی حدیث ہے۔

حضرت سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے جسم پر جب کوئی زخم آجاتا (تلوار، چھری یا اور کسی ایسی ہی چیز کا) یا پتھر اور کانٹے سے آپ ﷺ زخمی ہو جاتے تو آپؐ مجھ کو حکم دیتے کہ میں اس زخم پر مہندی کی لبدی رکھ دوں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے طاعون کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے بیان کیا، طاعون ایک عذاب ہے۔ اللہ جن پر چاہتا ہے یہ عذاب بھیجتا ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ رحمت ہے۔ جب کہیں طاعون پھیلے اور مسلمان صبر کر کے ثواب کی نیت سے اپنی ہی بستی میں ٹھہرا رہے (بھاگے نہیں) اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ نے جو مصیبت قسمت میں لکھ دی وہی پیش آئے گی تو اس کو شہید کا ثواب ملے گا۔[۴۴]

صحابیات نے حضور اکرم ﷺ سے ایک سبق یہ بھی سیکھا کہ ہر حال میں انصاف کرنا چاہیے چاہے اس میں اپنا کتنا بھی بڑا نقصان کیوں نہ ہو رہا ہو۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے مخزومی عورت کے ساتھ کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ مخزومی عورت (فاطمہ بنت اسود) نے چوری کی۔ تو قریش والوں کو فکر پیدا ہوئی انہوں نے کہا اس مقدمے میں آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے کی جرأت اُسامہ بن زیدؓ کے سوا جو آنحضرت ﷺ کا محبوب (چہیتا) ہے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے، خیر اُسامہؓ نے آپؐ سے عرض کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اُسامہ تو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی سزاؤں میں سفارش کرتا ہے، پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ سنایا، پھر فرمایا لوگو! دیکھو تم سے پہلے جو لوگ تھے (بنی اسرائیل) وہ اسی

وجہ سے تباہ ہوئے جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا اس کو چھوڑ دیتے، اور جب کوئی غریب (بے وسیلہ) چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے خُدا کی قسم میں تو اگر فاطمہؓ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔[۴۵]

مصلحت کے تحت چیزوں کو اُسی حالت میں رہنے دینا چاہیے جیسے حضور نے کیا اگر حالات ایسے ہوں کہ کسی کام کی اصلاح کرنے سے معاشرے میں انتشار پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو اُسے اسی طرح رہنے دینا چاہیے کیونکہ فساد برپا ہونے سے اس کا اسی حالت میں رہنا زیادہ بہتر ہے اور جب حالات بہتر ہو جائیں تو پھر اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ کیا تجھے معلوم نہیں تیری قوم (قریش) نے جب کعبہ کو (اپنے وقت میں) بنایا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے چھوٹا کر دیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ اس کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پورا کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (میں ایسا کرتا) مگر تیری قوم کے کفر کا زمانہ ابھی تازہ گزرا ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث سن کر کہا: اگر عائشہؓ نے یہ حدیث آنحضرتؐ سے سنی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کونوں کا جو حطیم کے پاس ہیں بوسہ نہیں لیتے تھے کیونکہ وہ کونے اس مقام پر نہ تھے جہاں ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد رکھی تھی۔[۴۶]

اگر کوئی خطرناک جانور کاٹ لے تو اُس کا منتر جائز ہے۔

بعض لوگ اس ابہام میں تھے کہ شاید زہریلے جانوروں کے کاٹنے میں منتر کی اجازت نہیں ہے اس ابہام کو دور کرنے کے لیے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا سانپ بچھو کاٹے کا منتر کرنا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے سانپ بچھو، ہر زہریلے جانور کے کاٹنے میں منتر کی اجازت دی۔[۴۷]

صحابیات علم کا سمندر تھیں اس لیے کہ وہ ہر لمحہ حضور ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتیں تھیں اور اگر کسی مسئلے کے متعلق انہیں ابہام ہوتا تو حضور اکرم ﷺ فوراً دور کر دیتے تھے اور یوں صحابیات کے سیکھنے کا عمل حضور ﷺ کی وفات تک جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہؓ جب کوئی بات سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ اس کو معلوم کرتیں تاکہ سمجھ لیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: کہ جس سے حساب لیا گیا اُسے عذاب دیا جائے گا تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (یہ سُن کر) میں نے کہا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائیگا؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ صرف (اللہ کے دربار میں) پیشی ہے۔ لیکن جس کے حساب میں یہ جانچ کی گئی (سمجھو) وہ ہلاک ہوگیا۔[۴۸]

متکبر اور شر مانے والا آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا۔ صحابیات علم حاصل کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتیں تھیں اس معاملے میں انصار کی عورتیں سب سے اچھی تھیں حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے: کہ انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں کہ شرم انہیں دین میں سمجھ پیدا کرنے سے نہیں روکتی۔[۴۹]

صحابیات نے انسانی زندگی کے ہر پہلو جو وضو غسل سے شروع ہوکر انسان کی وفات تک ہے سب کے متعلق رہنمائی فرمائی لوگ بلا جھجک صحابیات سے سوالات کرتے تھے اور وہ انہیں اپنے جوابات سے مطمئن کر دیتیں تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت میمونہؓ سے حضور ﷺ کے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ نبی کریمؐ نے نماز کے وضو کی طرح ایک مرتبہ وضو کیا البتہ پاؤں نہیں دھوئے۔ پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا اور جہاں کہیں بھی نجاست لگ گئی تھی اس کو دھویا پھر اپنے اُوپر پانی بہا لیا۔ پھر سابقہ جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ آپ ﷺ کا غسل جنابت یہ تھا۔[۵۰]

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے اُن کے بھائی نے نبی کریم ﷺ کے غسل کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے پہلے اپنے اور ہمارے درمیان پردہ حائل کیا اس کے بعد صاع جیسا ایک برتن منگایا پھر غسل کیا اور اپنے اُوپر پانی بہایا گویا نہ صرف ان کو سوال و جواب سے مطمئن کیا بلکہ خود وہ فعل کرکے دکھایا کہ حضور ﷺ کے احکام کو دیکھو اور ان پر اسی طرح عمل کرو جسطرح ہم کرتی ہیں۔[۵۱]

اُمہات المومنین حضور ﷺ کی زندگی کے ہر لمحے میں ان کے ساتھ رہیں چاہے وہ خوشی کا لمحہ ہو یا غم کا اور وہ بھی اپنے احساسات و جذبات ان کے ساتھ بانٹتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ خوش خوش ان کے پاس گئے۔ آپ ﷺ کی پیشانی کی لکیریں (خوشی سے چمک رہی تھیں) آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ تونے مدلجی کی بات سنی۔ اس نے زید اور اُسامہؓ (ان کے بیٹے) کے پاؤں دیکھ کر کہا، یہ پاؤں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔[۵۲]

صحابیات حضور ﷺ کے انداز تکلم کو بہت پسند کرتیں تھیں کیونکہ وہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے اور یوں گویا ہوتے تھے کہ سننے والا حیران رہ جاتا تھا ان کا کلام بہت مئوثر ہوتا تھا۔حضرت عائشہؓ یہ برداشت نہیں کرپاتی تھیں کہ کوئی حضور ﷺ کی احادیث جلدی جلدی بیان کرے۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نفل نماز پڑھ رہی تھیں کہ ابو ہریرہؓ آگئے وہ ان کے حجرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ کی احادیث انہیں سنانے کے لیے جلدی جلدی بیان کرنے لگے ابھی عائشہؓ نماز سے فارغ بھی نہیں ہوئیں تھیں کہ ابو ہریرہؓ نے ساری احادیث سنا دی اور پھر اُٹھ کر چل دیے حضرت عائشہؓ کو بہت غصہ آیا کہ حدیثیں سنانے کا یہ کونسا طریقہ ہے اگر وہ رکتے تو میں انکی خبر لیتی کہ آنحضرت ﷺ کیا اسطرح جلدی جلدی باتیں کرتے تھے۔جیسے تم لوگ کرتے ہو وہ تو یوں ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ سننے والا گویا اخیر تک لکھ سکتا تھا حضور ﷺ کے احکامات کی پیروی کرنے کی کوشش کرو۔[۵۳]

سود کے بارے میں سورہ بقرہ کی اخیر کی آیتیں جب اُتریں تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو شراب کی سوداگری بھی حرام کردی اور اُس حکم کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ وصحابیاتؓ میں سے کسی نے اسے اپنے لیے حلال نہیں سمجھا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا جب سورہ بقرہ کی اخیر کی آیتیں سود کے باب میں اتریں تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو سنا دیا۔اس کے بعد شراب کی سوداگری بھی حرام کی۔[۵۴]

اسلام میں رہبانیت کا تصور کہیں نہیں ملتا بلکہ اس بات کا تصور پایا جاتا ہے کہ انسان پر اللہ کا حق بھی ہے اور حقوق العباد کا بھی دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے یہ نہ ہو کہ انسان عبادت کے لیے ہی اپنے آپ کو مختص کرلے اور کسی سے کوئی تعلق ہی نہ رکھے۔ابن عباسؓ نے کہا کہ ایک رات میں اپنی خالہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس رہ گیا اور میں نے (اپنے جی میں) کہا آج رات کو میں دیکھوں گا۔آنحضرت ﷺ (تہجد کی) نماز کس طریقے پر پڑھتے ہیں۔میری خالہ نے آنحضرت ﷺ کے آرام فرمانے کے لیے ایک گدہ بچھایا۔آپ ﷺ اس گدے کے لمبائی میں لیٹ کر سو رہے۔جب آدھی رات گزری تو آپ ﷺ جاگے اور منہ پر سے نیند کا خمار پونچھنے لگے۔پھر سورہ ال عمران کی آخیر کی دس آیتیں پڑھنا شروع کیں۔سورہ ختم کردی۔اس کے بعد ایک پرانی مشک کی طرف جو لٹک رہی تھی۔تشریف لے گئے۔اس میں سے پانی لیا وضو کیا۔پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔میں بھی

اُٹھا اور جیسے آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ میں نے بھی ایسے ہی کیا (یعنی وضو طہارت وغیرہ) پھر آیا تو آپؐ کے بازو کھڑا ہوگیا۔ آپ ﷺ نے (عین نماز میں) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور (پیار سے) میرا کان پکڑ کر ملنے لگے۔ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں (سب بارہ رکعتیں) پھر وتر پڑھا۔[۵۵]

حضور ﷺ کے احکامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حاملہ قیدی عورتوں سے صحبت ناجائز ہے

اُم حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قیدی عورتوں سے بچہ جننے سے پہلے جماع کرنے سے منع فرمایا ہے۔[۵۶]

حضور ﷺ نے جاہلانہ رسوم کی مذمت فرمائی ہے اور جو لوگ ایسی رسوم نکالتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ٹھہرایا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے دوزخ کو دیکھا وہ اپنے آپ کو چل رہی تھی (اس قدر تیزی تھی) اور میں نے عمرو بن عامر کو (وہاں) اپنی آنتیں کھینچے دیکھا اس نے پہلے پہل سانڈ چھوڑنے کی رسم نکالی۔[۵۷]

پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے صحابیات کو اتنا اس کا علم نہ تھا لیکن حکم نازل ہونے کے بعد انہوں نے اس پر سختی سے عمل کیا اور اگر کسی کے پاس اوڑھنی نہیں تھی تو اس نے چادر پھاڑ کر اپنی اوڑھنی بنا لی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

کہ اللہ ان عورتوں پر رحم کر جنہوں نے پہلی ہجرت کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اپنی اوڑھنیاں گریبانوں پر ڈالے رہیں (تاکہ سینہ گلا وغیرہ نظر نہ آئے) انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر اوڑھنیاں بنائیں۔[۵۸]

جہاں تک چور کے ہاتھ کاٹنے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں مختلف احکامات وارد ہوئے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں ایک جگہ یہ حکم ہے کہ چور کا ہاتھ رُبع دینار یا اس سے زائد مالیت چرانے

میں کاٹا جائے جبکہ دوسری جگہ آیا ہے کہ چو تھائی دینار میں کاٹا جائے اور ایک جگہ آیا ہے کہ ڈھال کی قیمت میں کاٹا جائے اور ایک جگہ ہے کہ ایک سیر کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے جسکی قیمت تین درہم تھی۔[۵۹]

حالت احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے بعض فقہاء یہ کہتے تھے کہ احرام کی حالت میں اگر کوئی شخص خوشبو استعمال کرے تو یہ جنابت ہے اور اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے لیکن ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر احرام سے پہلے خوشبو استعمال کی گئی اور احرام کے بعد اس کا اثر بھی باقی رہا تو یہ بھی جنابت ہے حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ بات آئی تو آپ نے اس کی تردید کی اور ثبوت میں آنحضرت ﷺ کا عمل پیش فرمایا۔ آپؓ نے فرمایا اللہ ابوعبد الرحمٰن پر رحم فرما(انہیں غلط فہمی ہوئی) میں نے رسول کریم ﷺ کو خوشبو لگائی اور پھر آپ ﷺ اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور صبح کو احرام اس حالت میں باندھا کہ خوشبو سے بدن مہک رہا تھا۔[۶۰]

صحابیات کو اگر جنابت لاحق ہوتی تھی تو وہ جنابت یوں زائل کرتیں تھیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

> کہ ہم ازواج (مطہرات) میں سے کسی کو اگر جنابت لاحق ہوتی تو وہ پانی ہاتھوں میں لے کر سر پر تین مرتبہ ڈالتیں پھر ہاتھ میں پانی لے کر سر کے داہنے حصے کا غسل کرتیں اور دوسرے ہاتھ سے بائیں حصے کا غسل کرتیں۔[۶۱]

> جنابت میں وضو کر کے سوئیں۔ حضور ﷺ کا بھی یہی معمول ہوتا تھا وہ جنابت کی حالت میں گھر میں سوتے تو تھے لیکن وضو کر لیتے تھے، وضو کرنیکا مقصد مکمل پاکی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ جب جاگ جاتے تو پھر باقاعدہ غسل کرتے تھے۔[۶۲]

صرف دُخول ذکر سے غسل واجب ہو جاتا ہے انزال منی کی ضرورت نہیں۔ آئمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر میاں بیوی، ہمبستر ہوئے اور کسی وجہ سے انزالِ منی سے پہلے ہی دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تو کیا اس صورت میں ان پر غسل واجب ہو گا یا نہیں۔ احناف کا اس صورت میں مسلک یہ ہے کہ مرد کی شرمگاہ جب عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے تو صرف اس دخول سے غسل دونوں پر ضروری ہو جاتا ہے۔ انزال منی ہو یا نہ ہو اسکی دلیل صحابہ کا اجماع ہے۔ امام طحاویؒ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کرتے ہوئے صحابہ کے اجماع کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں

یہ مسئلہ اُٹھا تو صحابہ نے پہلے مختلف رائیں یوں ظاہر کیں کسی نے کہا انزال منی کے بعد ہی غسل واجب ہو گا۔

کیونکہ حدیث ہے : "النما الماء من الماء"۔

کسی نے کہا یہ حدیث احتلام کے باب کی ہے۔مسئلہ یوں ہے کہ انزال ہو یا نہ ہو صرف دخول زکر سے غسل واجب ہو جاتا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ لوگ اہل بدر اخیار ہیں جب آپ ہی لوگوں میں مسائل سے متعلق اختلاف ہے تو پھر آپ کے بعد کیا ہو گا ؟ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ کو معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی خدمت میں کسی کو بھیج کر پوچھا جائے۔ سب نے اسکی تائید کی اور ایک شخص حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے فرمایا۔

''کہ جب ختان ختان سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے''۔

یعنی آپ نے اسکی تصدیق فرمائی کہ غسل کے لیے صرف دخول زکر کافی ہے انزال منی کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکابر صحابہ کی موجودگی میں طے ہوا اور حضرت عائشہؓ کے فیصلہ پر جو اسطرح کے مسائل کی سب سے زیادہ صحابیات میں جاننے والی تھیں کسی نے اس کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا اور بعد میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

> کہ اگر اس کے خلاف میں نے اب کسی سے کچھ سُنا تو اسے لوگوں کے لیے عبرت بنا دوں گا''،اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب اس مسئلہ میں بہت قوی ہے۔[۶۳]

صحابیاتؓ حضور اکرم ﷺ کے ہر عمل کی پیروی کرتیں تھیں اور عمل کرنے میں اس حد تک تجاوز کر جاتیں تھیں کہ انہیں اپنا ہوش ہی نہیں ہوتا تھا حضور ﷺ اعتکاف بیٹھتے تھے تو ان کے ساتھ ان کی بعض ازواج تو حالت حیض میں بھی اعتکاف بیٹھ گئی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

> کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ آپکی ازواج میں سے ایک نے اعتکاف کیا۔ وہ خون اور زردی (نکلتے) دیکھتیں طشت ان کے نیچے ہوتا اور نماز ادا کرتی تھیں۔[۶۴]

بعض صحابیاتؓ یہ خیال کرتیں تھیں کہ اگر دامن ناپاک جگہ سے گھسیٹ کر گزرتے ہوئے نیچے لگ جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی اُم ولد نے اُم سلمہؓ سے جو زوجہ نبی کریم ﷺ تھیں سوال کیا۔ کیا میرا دامن ناپاک جگہ سے گھسیٹ کر گزرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے؟ اُم سلمہؓ کہتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس کے بعد پاک جگہ کی رگڑ سے نجاست زائل ہو جاتی ہے۔[۶۵]

رضاعی چچا کا گھر میں آنا جائز ہے اس لیے کہ رضاعی چچا بھی نسبتی چچا کی مانند ہوتا ہے۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تھے۔حضرت عائشہؓ نے سُنا کہ ایک مرد حضرت حفصہؓ کے گھر میں داخل ہونیکی اجازت چاہتا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ مرد آپ کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''کہ غالباً حفصہ کے فلاں رضاعی چچا ہیں''۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارے فلاں رضاعی چچا زندہ ہوتے تو میرے پاس آتے۔

آپ نے فرمایا، ہاں (یعنی رضاعی چچا نسبتی چچا کی طرح ہیں اس لئے ان کا آنا جائز ہوتا۔

''رضاعت کے سبب سے وہ چیز حرام ہوتی ہے جو نسب کے سبب سے حرام ہوتی ہے'' اور حضرت عائشہؓ بھی ان لوگوں کے سامنے ہوتی تھیں جن کو ان کی بھانجیوں اور بھتیجیوں نے دودھ پلایا ہو۔ اور ان لوگوں کے سامنے نہیں ہوتی تھیں جن کو ان کی بھاوجوں نے دودھ پلایا ہو۔

سالم بن عبد اللہ[۶۶] سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو اپنی بہن اُم کلثومؓ بنت ابو بکر صدیقؓ[۶۷]

کے پاس بھیجا جبکہ وہ دودھ پیتے تھے۔اور فرمایا کہ اسے دس بار دودھ پلاؤ تا کہ وہ میرے پاس (بے پردہ) آیا کرے۔تو مجھے اُم کلثوم نے تین بار دودھ پلایا پھر وہ بیمار ہوگئیں تو مجھے تین بار سے زیادہ دودھ نہ پلاسکیں۔ چنانچہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس اس سبب سے نہیں جا سکتا تھا۔ کہ مجھے دس بار دودھ نہیں پلایا گیا تھا۔

اسی طرح حضرت حفصہؓ بنت ابی عبید نے عاصم بن عبد اللہ بن سعید کو اپنی بہن فاطمہ بنت عمرؓ کے پاس بھیجا تا کہ دس مرتبہ دودھ پلائیں تو وہ بڑے ہو کر ان کے سامنے جاسکیں چنانچہ انہوں نے

پلایا اور وہ ان کے پاس جاتے تھے اور جس زمانے میں ان کو دودھ پلا یا گیا تھا اس زمانے میں کم سن تھے دودھ پیتے تھے۔

دودھ پلانے کی حرمت کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''کہ پہلے قرآن میں نازل ہوا تھا کہ دس بار دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر یہ منسوخ ہوگیا اور پانچ بار پلانا ٹھہرا۔ جب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگ اس آیت کو قرآن میں پڑھتے تھے''۔

مالک ابن شہاب سے روایت ہے کہ ان سے بڑے آدمی کے دودھ پلائے جانے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ مجھ سے عروہؓ بن زبیر نے بیان کیا کہ ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ نے زیدؓ بن حارثہؓ کو متبنیٰ بنایا تھا اسی طرح سالم کو متبنیٰ (لے پالک) بنایا تھا جنہیں ابو حذیفہ کا مولی کہا جاتا ہے ابو حذیفہ نے سالم کا نکاح اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کرا دیا اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ سالم ان کے بیٹے ہیں۔ فاطمہؓ پہلی ہجرت کرنے والیوں میں تھیں اور اس وقت قریش کی عورتوں میں سب سے افضل تھیں۔ [۶۸]

جب زید بن حارثہ کے متعلق وہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْ هُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَاَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ۔ [۶۹]

''پکارو اُن کو ان کے باپ کے نام سے کہ یہی اللہ کے نزدیک بہتر ہے''۔

تو ہر متبنیٰ اپنے باپ کی طرف منسوب کیا جانے لگا اگر ان کا باپ معلوم نہ ہو تو موالی کی طرف منسوب کئے گئے۔ سہلہ بنت سہیل ابو حذیفہ کی بیوی جو بنی عامر بن لوی کی اولاد سے تھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ اس نے کہا: ہم سالم کو اپنی اولاد سمجھتے تھے اور وہ ہمارے پاس آتا تھا اس حال میں ہم ننگے کھلے ہوتے تھے۔ اور ہمارے پاس صرف ایک ہی گھر ہے تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

''کہ اُسے پانچ بار دودھ پلاؤ تو وہ تیرے دودھ کے سبب سے محرم ہو جائے گا''۔ [۷۰]

اور وہ اُسے رضاعی بیٹا خیال کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی کو دلیل بنایا اور جس مرد کے متعلق وہ چاہتی تھیں کہ ان کے گھر میں داخل ہو تو اُم کلثومؓ اور بھتیجیوں کو حکم دیتی تھیں کہ اُسے دودھ پلا دیں جس کے متعلق چاہتی کہ ان کے گھر میں آیا جایا کرے۔ تمام ازواج مطہرات نے انکار کر دیا کہ اس رضاعت کی بنا پر کوئی شخص ان کے پاس آئے۔ اور ان سب نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ واللہ ہم لوگوں کے خیال میں رسول کریم ﷺ نے سہلہ بنت سہیل کو جو حکم اس رضاعت کا دیا تھا۔ وہ صرف سالم کے متعلق مخصوص تھا۔ بخدا کوئی شخص اس رضاعت کی بنا پر ہمارے سامنے نہیں آئے گا اور ازواج نبی کریم ﷺ کی بڑوں کو دودھ پلائے جانے کے متعلق یہی رائے تھی۔ [۱]

اگر کوئی بیمار ہو تو کتاب اللہ پڑھ کر پھونکنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر نظر لگ جائے تو اس کا منتر جائز ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ بیمار تھیں اور ایک یہودی عورت ان پر پڑھ کر پھونک رہی تھی تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کتاب اللہ پڑھ کر پھونک۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُم سلمہؓ کے گھر تشریف لائے اس گھر میں ایک بچہ تھا جو رو رہا تھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اسے نظر لگ گئی ہے آپ نے فرمایا نظر کا منتر پڑھ کر کیوں نہیں جھاڑ دیتے ہو۔ [۲]

نابالغ کے سامنے صحابیاتؓ پردہ نہیں کرتیں تھیں اور نہ ہی حضور ﷺ نے انہیں بچوں کے سامنے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عمرؓ کی بیوی صفیہ نے نافع کے سامنے اپنے سر سے کپڑا اُتار کر پانی سے سر کا مسح کیا وہ چونکہ ابھی نابالغ تھے اس لیے صفیہ نے ان کی پرواہ نہیں کی ورنہ بالغ سے پردہ لازمی ہے۔ [۳]

اگر لڑکی بالغ ہو جائے تو اس پر پردہ واجب ہو جاتا ہے اور خصوصاً جب وہ نماز پڑھنے لگے تو اُس کے سر پر دوپٹہ ہونا چاہیے ورنہ نماز قبول نہ ہو گی حضرت عائشہؓ سر بندھن اور کرتے میں نماز پڑھتی جبکہ اُم سلمہؓ کا مؤقف یہ ہے کہ عورت خمار اور کرتے میں نماز پڑھ سکتی ہے مگر وہ کرتہ ایسا لمبا ہو کہ اس سے پاؤں ڈھپ جائیں۔ جبکہ حضرت میمونہؓ کرتہ اور خمار میں نماز پڑھتی تھیں یعنی سر بندھن میں اور ازار نہیں پہنے ہوتی تھیں۔ [۴]

ایک غفاری عورت بیان کرتی ہے کہ میں بنو غفار کی عورتوں کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جب آپ خیبر جا رہے تھے۔ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ ! ہم سب نے ارادہ کیا ہے کہ اس سفر میں آپ کے ساتھ رہیں تا کہ زخمیوں کی دوا علاج اور مرہم پٹی کرسکیں اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد بھی کریں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''علی برکۃ اللہ، اللہ برکت دے''۔

یہ غفاری عورت کہتی ہے کہ پھر ہم سب رسول کریم ﷺ کے ساتھ نکلے، میں اس وقت کم سن لڑکی تھی، آپ نے پیچھے کجاوے کی گٹھڑی میں بٹھا لیا، خُدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت اُترے، اپنا اونٹ بٹھایا اور میں بھی ان کے کجاوے کی گٹھڑی سے اُتری۔ دیکھتی کیا ہوں کہ اس گٹھڑی میں میرا خون (ایام کا خون) پڑا ہوا ہے اور یہ ایام کا خون پہلا خون تھا جو مجھے آیا میں اونٹنی کی طرف سمٹ گئی اور مجھے بڑی شرم آئی۔رسول کریم ﷺ نے میری حالت دیکھی اور خون دیکھا تو فرمایا:

تجھے کیا ہوگیا؟ شاید تجھے خون آیا ہے۔

میں نے عرض، جی ہاں۔

فرمایا:

''اپنے آپ کو ٹھیک کر، پھر پانی کا ایک برتن لے اس میں نمک ڈال، پھر اس سے گٹھڑی میں جہاں خون لگا ہے۔ دھو ڈال اور اپنے مرکب میں واپس جا''۔

جب خیبر فتح ہوا تو رسول کریم ﷺ نے مال غنیمت میں سے مجھے بھی کچھ دیا اور یہ ہار جو میرے گلے میں نظر آرہا ہے آپ ﷺ نے لے کر اسی موقع پر مجھے عنایت فرمایا تھا اور اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا تھا۔خدا کی قسم! یہ ہار میرے گلے سے کبھی دور نہیں ہوتا۔

بیان کیا جاتا ہے یہ ہار برابر اس خاتون کے گلے میں رہا۔تا آنکہ وہ وفات پاگئیں۔انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ یہ ہار بھی ساتھ ہی قبر میں دفن کیا جائے اور ہمیشہ جس پانی سے ایام کے بعد طہارت کرتی تھیں اس میں نمک ضرور ملاتی تھیں اور یہ بھی وصیت کی تھی کہ جب مروں تو غسل کے پانی

میں بھی نمک ملا لیا جائے۔ ۵۷؎

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے احکامات کی پابندی کو اپنی وفات کے بعد بھی جاری رکھا اور وصیت کی تھی کہ غسل بھی نمک کے پانی سے کرائیں۔

سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا:

سہلہ بنت سہیلؓ ان لوگوں کے ساتھ مل کر مشرف بہ اسلام ہوئیں جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ سہلہؓ کے خاوند کا نام السید الکبیر الشہداء ابو حذیفہ القریشی العبشمی البدری تھا۔ ابو حذیفہ کے والد زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے سردار تھے۔ لیکن بیٹے کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے۔

ان کے دو بھائی تھے۔ ایک بھائی ابوجندل بن سہیل جلیل القدر صحابی تھے اور دوسرے بھائی عبداللہ بن سہیل اسلام لانے میں سبقت لے جانے والے اور بدری صحابی تھے۔ ان کے والد سہیل بن عمرو قریش کے فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ وہ قریش کے سردار، سخی، ہر دلعزیز اور مشہور معروف شخص تھے۔

ان کی ہمشیرہ ام کلثوم بنت سہیل بہت پہلے مکہ معظّمہ میں ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہؐ کی بیعت کی اور اپنے خاوند سبرۃ بن ابی رہمؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ سہلہؓ نے بہت پہلے مکہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی، سرزمین حبشہ کی طرف اپنے خاوند ابو حذیفہ بن عتبہ کے ہمراہ ہجرت کی۔ ان کے ہاں محمد بن ابی حذیفہ نے جنم لیا۔

سرزمین حبشہ میں مسلمان مہاجر شاداں و فرحاں رہائش پذیر ہوئے۔ انہوں نے حبشہ کے حکمران نجاشی سے ہر طرح کی سہولت اور آرام پایا لیکن سہلۃؓ کا دل امن کے شہر مکہ معظّمہ میں اٹکا ہوا تھا۔ دل میں ہر دم بیت اللہ کا ہی خیال رہتا تھا۔ جب یہ افواہ پھیلائی گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو مہاجرین کے دلوں میں مکہ جانے کا شوق حرکت میں آیا اور وہ اس کی طرف دیوانہ وار چل پڑے لیکن جو کچھ انہوں نے سن رکھا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔ مکے میں جو بھی داخل ہوا وہ چھپ کر اور دبے پاؤں داخل ہوا تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ جو بھی مکہ میں داخل ہوتا تھوڑی دیر رہ کر مدینہ منورہ ہجرت کر جاتا۔

سہلہؓ نے دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اس وقت اختیار کی جب عہد نبویؐ میں الف

سے یا، تنگ حالات دگرگوں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاوند ابو حذیفہؓ اور عباد بن بشر انصاریؓ کے درمیان دینی بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اللہ کی راہ میں تمام جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک ہوئے اور دونوں ۱۲ ہجری کو جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ ابوحذیفہ کے والد عتبہ بن ربیعہ کو اپنے بیٹے کی اپنی بیوی سہلہؓ کے ساتھ ہجرت کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ دراصل اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل چکا تھا۔

تاریخ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مہاجرین کے گھر بند ہو چکے تھے۔ ان میں رہنے والا کوئی نہ تھا۔ عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب، ابوجہل بن ہشام مکے کے بالائی جانب اوپر چڑھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے دیکھا کہ ہوا سے گھروں کے دروازے کھڑک رہے ہیں اور ان میں رہنے والا کوئی نہیں۔ جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو سب انگشت بدندان رہ گئے۔ سب کے سانس پھولے ہوئے تھے۔

دوران گفتگو ابوجہل نے عباس کی طرف رخ کیا اور ان سے کہا یہ سب تیرے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ ہماری جماعت میں اس نے پھوٹ ڈال دی ہے، ہمارے معاملے کو تتر بتر کر دیا اور اس نے ہمارا تیا پانچا کر دیا۔ جب میدان بدر میں عتبہ اپنے انجام کو پہنچا، عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب نے اسے قتل کر دیا تو اس طرح اس امت کا فرعون ابو جہل دو مومن ننھے مجاہدوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

سالم مولی ابی حذیفہؓ عالم فاضل اور مہاجر صحابہؓ میں سے تھے، دراصل یہ ایران کے رہنے والے تھے۔ ابو حذیفہ نے انہیں متبنٰی بنا لیا تھا اس لیے انہیں قریشی انصاری پکارا جاتا تھا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد سے پہلے ہی مکے سے ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئے تھے۔ وہ مدینے میں مہاجرین کی امامت کرایا کرتے تھے۔ ابوحذیفہؓ نے ان کی شادی اپنے بھائی کی بیٹی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ سے کردی تھی اور یہ بھی مہاجرات میں سے تھیں اور قریش کی سب سے بہتر بیوہ خاتون تھیں۔ سالم نے اپنے آقا ابوحذیفہؓ کے ہمراہ جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔[۶۷]

فصل سوم

محبت رسول کریم ﷺ میں خواتین کی دینی خدمات:

نبی کریم ﷺ سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل میں آپ ﷺ کو سب مخلوقات سے زیادہ مقام دے اور تمام قسم کی محبتوں مثلاً: مال کی محبت، اولاد کی محبت، والدین وعزیز واقارب، وطن، گھربار کی محبتوں میں آپ کو فوقیت دے اور آپ سے بڑھ کر کسی سے محبت نہ کرے۔

محبت اور اطاعت دونوں لازم وملزوم چیزیں ہیں۔ محبت کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت و پیروی آسان ہوجاتی ہے بلکہ اس کی اطاعت میں آدمی لذت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ اگر محبت نہ ہوتو اس کی اطاعت گراں گزرتی ہے اور دل خوشی کی بجائے کوفت محسوس کرتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ سے محبت کرنے کی تاکید بھی اسی لیے کی گئی ہے تاکہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت آسان ہو جائے اور نافرمانی سے بچا جائے کیونکہ انسان کی کامیابی خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر منحصر ہے۔ جو اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو گا اور جو نافرمانی کرے گا ناکام ہو گا۔

رسولؐ کی اطاعت و پیروی میں دراصل خدا کی اطاعت مضمر ہے اور رسولؐ کی اطاعت کے بغیر محبت رسولؐ ناممکن ہے اس لیے اہل ایمان کو قرآن و حدیث میں رسول خدا سے محبت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جس قدر رسولؐ کی محبت مسلمانوں کے دل میں بڑھتی جائے گی اسی قدر اطاعت رسولؐ بھی بڑھتی جائے گی اور جوں جوں اطاعت بڑھے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خوش ہوں گے۔

صحابیاتؓ رسول کریمؐ کی محبت کا عملی پیکر تھیں۔ انہوں نے آپؐ کی محبت میں دنیا کی ہر کشش کو ٹھکرادیا۔ سخت سے سخت تشدد بھی آپؐ کی گستاخی پر مبنی ایک کلمہ بھی ان کی زبان سے نہ نکلوا سکا۔ انہوں نے آپؐ کی ایک ایک سنت کی خاطر حب رسولؐ کا ثبوت مہیا کیا۔ صحابیات آپؐ کی محبت میں وہ اعمال اختیار کرتیں تھیں جوانہوں نے آپؐ کو کرتے دیکھا تھا۔ صحابیات کے دل آپ ﷺ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں۔

عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: مجھ کو ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ حضرت عمرؓ سے یہ پوچھوں،

آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں سے وہ دوعورتیں کون سی ہیں جن کی شان میں
سورۃ تحریم کی یہ آیت اتری۔
اِنْ تَتُوْبَآاِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ؎ ۲۷

ترجمہ: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ
تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

پھر ایسا ہوا میں نے ان کے ساتھ حج کیا، وہ رستے سے مڑے، میں بھی چھاگل لے کر ان کے ساتھ مڑا۔ انہوں نے حاجت پوری کی، جب لوٹ کر آئے تو میں نے چھاگل سے ان کے ہاتھ پر پانی ڈالا۔ انہوں نے وضو کیا اس وقت میں نے پوچھا، امیر المومنین آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں وہ عورتیں کون سی ہیں؟ انہوں نے کہا: ابن عباسؓ تجھ سے تعجب ہے، عائشہؓ اور حفصہؓ مراد ہیں۔ پھر انہوں نے قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ کہنے لگے میں اور ایک میرا ہمسایہ انصاری دونوں مدینہ کے بلند دیہات میں بنی امیہ بن زید کے گاؤں میں رہا کرتے تھے اور باری باری آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں اترا کرتے۔ ایک روز وہ آتا، ایک روز میں۔ جب میں اترتا تو اس دن کی خبر' وحی' وغیرہ سب اس انصاری کو کر دیتا اور جس دن وہ اترتا وہ بھی ایسا ہی کرتا اور ہم قریش کے لوگوں اورعورتوں پر غالب رہا کرتے۔ جب ہم (مدینہ میں) انصاریوں کے پاس آئے، دیکھا تو ان پر ان کی عورتیں غالب ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا۔ ایک بار ایسا ہوا میں اپنی جورو پہ چلّایا (خفا ہوا)۔

اس نے مجھ کو جواب دیا، میں نے اس پر برا مانا۔ وہ کہنے لگی تم نے میرا جواب دینا کیوں برا سمجھا ہے؟ قسم خدا کی آنحضرت ﷺ کی بیبیاں آپ کو جواب دیتی ہیں اور کوئی بی بی تو ایسا کرتی ہے کہ دن بھر شام تک آپؐ سے خفا رہتی ہے۔ یہ سن کر میں گھبرایا میں نے کہا جو بی بی ایسا کرتی ہے وہ غضب کرتی ہے، تباہ ہوئی، پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور حفصہؓ کے پاس گیا۔ میں نے کہا حفصہؓ تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ تم میں سے کوئی سارے سارے دن بلکہ رات تک آنحضرت ﷺ کو غصہ رکھتی ہو۔ اس نے کہا: ہاں، ایسا تو ہوتا ہے۔ میں نے کہا: جو ایسا کرے وہ تباہ اور برباد ہوئی۔ کیا تو اللہ کے غصہ سے نہیں ڈرتی جو اس کے پیغمبر کو غصہ دلاتی ہے؟ تو تباہ ہو جائے گی۔ دیکھ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ فرمائشیں مت کیا کر اور آپؐ کو جواب نہ دیا کر، نہ آپ ﷺ سے خفا ہوا کر، اگر تجھے کچھ درکار ہو تو مجھ سے کہا کر، اور

تو اس دھوکے میں مت آ۔ تیری ہجولی (گنیاں) تجھ سے زیادہ گوری اور خوبصورت ہے اور آنحضرت ﷺ اس (حضرت عائشہؓ) کو تجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، ان دنوں یہ باتیں بھی ہو رہی تھیں کہ غنان کے لوگ ہم سے لڑنے کے لیے گھوڑوں کے نعل باندھ رہے ہیں۔ خیر میرا ساتھی انصاری اپنی باری کے دن مدینے گیا، وہاں سے لوٹ کر آیا تو اس نے میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور کہنے لگا: عمرؓ سوتے ہیں، میں گھبرا کر نکلا، وہ کہنے لگا بڑا سانحہ ہوا میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہو تو، کیا غنان کے لوگ آن پہنچے، اس نے کہا نہیں اس سے بھی بڑا اور لمبا واقعہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی۔

یہ سن کر میں نے کہا، حفصہؓ تو تباہ ہوئی، برباد ہوئی۔ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ ایسا ہونے والا ہے خیر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور صبح کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ (مدینے میں) آ کر پڑھی۔ آپ ﷺ نماز پڑھ کر اپنے بالا خانے میں تشریف لے گئے اور وہاں اکیلے بیٹھے رہے۔ میں حفصہؓ کے پاس گیا دیکھا تو وہ رو رہی ہے۔ میں نے کہا کیوں روتی ہے، میں تو تجھ کو پہلے ہی ڈرا چکا تھا اب یہ بتلا کیا آنحضرت ﷺ نے تم لوگوں کو طلاق دے دی؟ کہنے لگی مجھ کو معلوم نہیں۔ آپ ﷺ اس بالا خانے میں ہیں پوچھو۔ یہ سن کر میں حفصہ کے حجرے سے باہر نکلا۔ منبر کے پاس آیا دیکھا تو اس کے اردگرد لوگ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کچھ رو رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر انکے پاس بیٹھا پھر مجھ پر رنج کا غلبہ ہوا تو میں اٹھا، اس بالا خانے کے پاس آیا جس میں آنحضرت ﷺ تھے۔ میں نے ایک کالے غلام سے کہا جو وہاں بیٹھا تھا عمر کے لیے اجازت مانگ۔ وہ اندر گیا، اس نے آنحضرت ﷺ سے بات کی پھر باہر نکلا تو کہنے لگا میں نے آپؐ سے تمہارا ذکر کیا لیکن آپؐ خاموش رہے، میں لوٹ آیا اور منبر کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان کے ساتھ بیٹھ گیا، پھر مجھ پر رنج غالب ہوا اور میں بالا خانے کے پاس گیا لیکن ویسا ہی معاملہ ہوا پھر میں ان لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا جو منبر کے گرد بیٹھے تھے۔ پھر مجھ سے رہا نہ گیا رنج نے غلبہ کیا، میں (بالا خانے کی طرف) اس غلام کے پاس آیا اور میں نے کہا، عمر کے لیے اجازت مانگ لیکن اب بھی وہی ہوا۔

آخر میں پیٹھ موڑ کر (گھر کو) چلا اس وقت غلام نے مجھ کو پکارا اور کہا: آنحضرت ﷺ نے تم کو اجازت دی۔ یہ سن کر میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ ﷺ خالی بوریے پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس پر

کوئی بچھونا بھی نہ تھا اور بوریے کے نشان آپ ﷺ کے پہلو پر پڑ گئے تھے۔ ایک چمڑے کے تکیے پر ٹکائے ہوئے جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، میں نے کھڑے ہی کھڑے آپ ﷺ کو سلام کیا اور پوچھا کیا آپ ﷺ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی۔ آپ ﷺ نے میری طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا: نہیں۔ پھر میں کھڑے ہی کھڑے آپ ﷺ کا دل بہلانے کو یہ عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ! آپ دیکھیے ہم قریش لوگ عورتوں پر غالب تھے، جب ایسے لوگ پاس آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں (پھر سارا قصہ بیان کیا)۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے پھر میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ کاش آپ ﷺ ملاحظہ فرماتے ہیں۔

میں حفصہؓ کے پاس گیا اور میں نے کہا تو اپنی ہمجولی، برابر والی (حضرت عائشہؓ سے مراد) سے دھوکا مت کھائیو، وہ تجھ سے زیادہ خوبصورت ہے اور تجھ سے زیادہ آنحضرت ﷺ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ پھر ہنسے۔ جب میں نے دیکھا کہا آپ ﷺ دوبارہ ہنسے تو میں بیٹھ گیا۔ بعد اس ہنسنے کے آنکھ اٹھا کر آپؐ کے گھر کا سامان دیکھا تو کوئی چیز نہیں دکھلائی دی۔ صرف تین کھالیں وہ بھی کچی پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا! اللہ سے دعا کیجیے، وہ آپ ﷺ کی امت کو فراغت دے کیونکہ ایران اور روم کے لوگ مالدار ہیں۔ اللہ نے ان کو دولت دے رکھی ہے حالانکہ وہ اللہ کو نہیں پوجتے۔ اس وقت آپ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! خطاب کے بیٹے کیا ابھی تجھ کو شک ہے۔ (تو دنیا کی دولت اچھی سمجھتا ہے)

ان لوگوں کے مزے تو دنیا کی زندگی میں جلدی دے دیئے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیے، تو ہوا یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ سے حفصہؓ نے آپ ﷺ کا راز بیان کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو سخت غصہ ان پر آیا۔ جب اللہ نے آپ ﷺ پر عتاب فرمایا، خیر آپؐ انتیس دن کے بعد (بالا خانے میں اکیلے رہ کر) پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو یہ قسم کھائی تھی کہ ایک مہینے تک ہمارے پاس نہ آئیں گے اور ابھی تو انتیس ہی راتیں گزری ہیں۔ میں ان کو گن رہی ہوں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مہینہ انتیس روز کا بھی ہوتا ہے اور یہ مہینہ انتیس دن کا ہی تھا۔

حضرت عائشہؓ نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے اختیار کی آیت اتار دی۔

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مجھ ہی سے پوچھا اور فرمایا عائشہؓ میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں۔ اس کے جواب میں جلدی نہ کر، اپنے ماں باپ سے صلاح کر لے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں خوب جانتی تھی کہ میرے ماں باپ آنحضرت ﷺ سے جدا ہونے کی کبھی رائے نہ دیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔

> میں نے کہا: بس اسی باب میں میں اپنے ماں باپ سے صلاح کروں، میں تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں پھر آپؐ نے دوسری عورتوں کو یہی اختیار دیا۔ سب نے حضرت عائشہؓ کی طرح جواب دیا۔[۷۸]

آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے باریاں مقرر کی ہوئیں تھیں جب ایک بی بی سے دوسری بی بی کے پاس جانا ہوتا تو اجازت لے کر جاتے لیکن ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ حضور اکرم ﷺ اُسی کے پاس رہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب ایک بی بی کی باری میں دوسری بی بی کے پاس جانا منظور ہوتا تو آپ جس کی باری ہوتی اس سے اجازت لیتے۔ معاذہ نے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تم سے اجازت لیتے تو تم کیا کہتی؟ انہوں نے کہا میں تو یہ کہتی اگر مجھ سے آپ پوچھتے ہیں تو میں تو یہی چاہتی آپ میرے ہی پاس رہیں۔[۷۹]

ایک انصاری خاتون حضرت ہند بنت عمروؓ نے حب رسول ﷺ کا کمال مظاہرہ کیا۔ انہوں نے جب رسول کریمؐ کی شہادت کی خبر سنی تو فرطِ الم سے بے تاب ہوگئیں اور مدینہ سے نکل کر میدان احد کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں خبر ملی کہ تمہارے بھائی (عبداللہ بن عمرو بن حرام) نے شہادت پائی۔ پھر خبر ملی کہ تمہارے شوہر (سید الانصار عمروؓ بن جموح) میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ چند قدم آگے گئیں تو کسی نے خبر سنائی کہ تمہارا لختِ جگر (خلادؓ بن عمرو بن جموح) رسول کریم ﷺ پر قربان ہوگیا۔ یہ خاتون ہر خبر سننے پر الحمدللہ فرماتی تھیں اور لوگوں سے پوچھتی تھیں ”لوگو! خدارا بتلاؤ کہ میرے آقا محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ سرور کائنات ﷺ بخیریت ہیں تو فرط مسرت سے بے خود ہوگئیں۔ فوراً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا ”**کل مصیبة بعدک جلل**“ (آپ ﷺ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے)۔ اس کے بعد یہ خاتون تینوں شہداء کی لاشوں کو اونٹ پر لاد کر مدینہ لے گئیں اور پھر گنج شہیداں میں دفنانے کے لیے میدان احد میں لے آئیں۔[۸۰]

جب غزوہ حنین میں گھمسان کا رن پڑا تو ام سلیمؓ کے شوہر ابوطلحہؓ بڑی بہادری سے حضورؐ کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے اور خود ام سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لیے محبوب خدا پر جان نثار کرنے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ جب دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، لڑائی کا زور کم ہوا اور کچھ کہنے کی فرصت ملی تو ابوطلحہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا۔

یارسول اللہ! ام سلیم بھی ہاتھ میں خنجر لیے نہایت بہادری سے کھڑی ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ام سلیمؓ تم خنجر کا کیا کرو گی؟ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میں اس خنجر سے آپؐ کی طرف بڑھنے والے ہر مشرک کا پیٹ چاک کردوں گی۔'' اس شیر خدا اور جانثار خاتون کا یہ جوش و جذبہ دیکھ کر حضورؐ کے روئے انور پر تبسم کا نور پھیل گیا۔[۸۱]

تاریخ اسلام خواتین کی دینی خدمات سے بھری پڑی ہے۔ حضورؐ سے محبت کا یہ حال تھا کہ خواتین

غزوات میں بھی حضورؐ کے لیے دینی خدمات انجام دینے سے پیچھے نہ ہٹیں اور ان غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت سلیم الفطرت اور زیرک خاتون تھیں۔ دعوت حق کی ابتداء میں جب کفار مکہ کے قہر و غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر مسلمانوں کے خرمن عافیت پر گر رہیں تھیں، انہوں نے نوائے حق کے تھامنے میں مطلق تامل نہ کیا اور بلاکشان اسلام کی اس مقدس صف میں شامل ہوگئیں جس کو رب ذوالجلال والاکرام نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی ہے۔

یہ ان کے اوصاف و محاسن ہی تھے کہ رحمت عالم ﷺ کے شفیق اور مربی چچا رئیس بنو ہاشم

جناب ابی طالب نے انہیں اپنی بہو بنایا۔ وہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اہلیہ ہونے کی حیثیت سے سرور عالم ﷺ کی بھاوج تھیں اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کی اخیافی بہن ہونے کی نسبت سے آپؐ کی سالی بھی تھیں۔ رحمت دو عالم ﷺ ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کو بھی حضور ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ انہوں نے محض اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر چودہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزاری۔

حضرت اسماءؓ نے براہ راست حضور ﷺ سے فیض حاصل کیا۔ ایک دفعہ حضورؐ نے انہیں ایک دعا

بتائی اور فرمایا کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت اس کو پڑھا کرو۔حضورؐ کو حضرت اسماءؓ کے بچوں سے بڑی محبت تھی ۔ ایک مرتبہ ان کے کمسن فرزند حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔حضورؐ ادھر سے گزرے تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے اسماءؓ کے بچوں کو دبلا پایا تو حضرت اسماءؓ سے پوچھا ! یہ اس قدر کمزور کیوں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کو نظر بہت لگتی ہے۔حضورؐ نے فرمایا: ان پر دم کیا کرو۔حضرت اسماءؓ نے ایک خاص کلام پڑھ کر حضورؐ کو سنایا اور پوچھا 'یا رسول اللہ' یہ نظر لگنے کے لیے مفید بتایا جاتا ہے کیا یہ پڑھ لیا کروں؟ چونکہ اس کلام میں شرک کی آمیزش نہیں تھی اس لیے حضورؐ نے فرمایا: 'اچھا یہی سہی'۔

امام بخاریؒ اور علامہ ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات سے ایک دن پہلے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماءؓ نے آپؐ کا مرض ذات الجب تشخیص کیا اور آپ ﷺ کو دوا پلانا چاہی ۔حضورؐ دوا پینے کے عادی نہیں تھے، انکار فرما دیا۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی ۔ ان دونوں نے دہان مبارک کھول کر دوا پلا دی۔تھوڑی دیر بعد حضورؐ کی غشی دور ہوئی تو فرمایا: یہ تدبیر اسماءؓ نے بتائی ہو گی ۔وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں۔عباسؓ کے سوا سب کو یہ دوا پلائی جائے۔چنانچہ تمام ازواج مطہرات اور حضرت اسماءؓ کو یہ دوا پلائی گئی ۔ [۸۲]

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ تعبیر رویاء میں بھی درک رکھتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ ان سے اکثر خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے۔

ایک شخص حجاج بن علاط السلمی مسلمان ہوئے تھے اور فتح خیبر میں موجود تھے ۔ یہ دولت مند شخص تھے اور ارض بنی سلیم کی معاون کے مالک تھے۔ان کی عورت ام شیبہ بنی عبدال کی ایک عورت تھی اور مکہ میں رہتی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کہ میرا سونا اور میرا مال میری عورت کے پاس مکہ میں ہے اگر اس کو میرے اسلام قبول کرنے کا حال معلوم ہو گیا تو ہمیں کچھ نہ ملے گا۔آپ اجازت دیں تو فتح خیبر کی خبر سے پہلے ہم پہنچ کر جو مناسب ہو اس سے کہہ کر اپنا مال لے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی۔ یہ تیزی کے ساتھ مکہ پہنچے اور اپنی عورت سے کہا کہ کسی پر ابھی ظاہر نہ کرو ۔ میرا مال جو تمہارے پاس ہے جلد لاؤ، خیبر میں محمدؐ اور ان کے اصحاب کو شکست ہوئی ہے اور محمدؐ قید ہو گئے ہیں۔

ان کے اصحاب منتشر ہوگئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کے غنائم کو خرید لیں ۔ اہل خیبر محمدؐ کو مکہ بھیج دیں گے تا کہ یہ لوگ اپنے مقتولین کے بدلے ان کو قتل کریں ۔

یہ خبر جلد مکہ میں پھیل گئی ۔ کفار بڑے مسرور ہوئے اور جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی تو سناٹا چھا گیا۔ حضرت عباسؓ نے سنا تو ان کا غم سے برا حال ہوگیا۔ انہوں نے اپنے غلام کو حجاج کے پاس بھیجا کہ صحیح خبر لائے کیا قصہ ہے؟ حجاج نے غلام سے کہا کہ ابوالفضل سے میرا سلام کہواور رہم آتے ہیں،وہ ہم سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا انتظام کریں یہ خبر سن کر وہ خوش ہوں گے۔غلام نے آکر حضرت عباسؓ کو بشارت دی۔حضرت عباسؓ بیمار تھے مگر خوشی میں سب بھول گئے،اٹھے اور غلام کی پیشانی چوم لی پھر حجاج نے تنہائی میں مل کر ان سے سب حال بیان کیا لیکن وعدہ لیا کہ تین دن تک کسی پر ظاہر نہ کرنا ہم یہاں سے چلے جائیں تو پھر جس طرح دل چاہے ظاہر کردینا۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر کہا ہے۔

تین روز کے بعد حجاج جا چکے تو یہ اس عورت کے پاس اور پھر قریش کے پاس گئے۔قریش اپنی خوشی میں تھے اور ان لوگوں کومعلوم تھا کہ عباسؓ کو بڑا صدمہ ہے، ان کو دیکھ کر سب نے کہا کہ عباسؓ کیا حال ہے؟ خدا تم کوخوش رکھے۔انہوں نے کہا کہ ہاں حال بہت اچھا ہے اور خبر بہت خوشی کی ہے۔محمدؐ نے خیبر فتح کیا اور صفیہؓ سے عقد کیا۔وہاں کے اموال غنیمت کوتقسیم کیا سب نے تعجب سے پوچھا کہ یہ خبر تم کوکس سے معلوم ہوئی ؟ انہوں نے کہا کہ اسی حجاج سے جس سے تم نے پہلی خبر سنی تھی ۔ وہ اپنا مال لینے آیا تھا اور مجھ سے وعدہ لیا کہ تین روز اس خبر کو ظاہر نہ کروں۔ سارے کفار متحیر رہ گئے اس کے بعد مسلمان حضرت عباسؓ کے پاس جمع ہوئے اور جب انہوں نے یہ خبر سنائی تو سب کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔[۸۳]

حضرت زینب بنت جحشؓ:

لوگوں کا ہجوم تھا کہ امڈا چلا آتا تھا۔ایک جم غفیر تھا جو حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ دورو نزدیک سے ان گنت افراد یہاں اکٹھے ہوئے تھے مگر ان میں افراتفری اور بھگدڑ نہیں تھی ۔ ایک خاص نظم و ضبط اور مثالی قرینہ و سلیقہ تھا۔اگر چہ ان کی دلچسپیاں اور پسند و ناپسند مختلف تھیں ۔ ان کے قبیلے اور برادریاں جدا جدا تھیں لیکن سب کی امنگ اور ترنگ ایک تھی۔تسبیح کے دانوں کی طرح سب ایک ہی لڑی میں

پروئے نظر آتے تھے۔ یہاں کھیل تماشے ہو رہے تھے۔خرید و فروخت کے لیے ہمہ قسم کی اشیاء دستیاب تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہاں نیلامی ہو رہی تھی۔چیزوں کی نیلامی نہیں بلکہ انسانوں کی نیلامی اور ان انسانوں کی نیلامی جنھیں کمتر انسان سمجھا جاتا تھا۔ان کو غلام بنا کر جانوروں کی طرح ہانکا جاتا تھا اور یہ سب کچھ عربوں کے مشہور اجتماع میں ہو رہا تھا جسے وہ ''عکاظ کا میلہ'' کہتے تھے۔

اس میلے میں ایک لڑکا ایسا بھی نیلامی کے لیے لایا گیا تھا جس کا تعلق غلاموں کے خاندان سے نہیں تھا بلکہ وہ عرب کے معزز اور اعلیٰ قبیلے کا ایک فرد تھا۔اس کے والد کا نام حارثہ بن شرجیل تھا جو یمن کے ایک قبیلہ بنو قضاعہ سے تعلق رکھتا تھا۔جبکہ اس کی والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا جو قبیلے طے کی ایک شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھی۔اس بچے کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔اس کی والدہ اسے اس کے ننھیال بنی معن لے گئی تھی جہاں وہ کھیل کود کی غرض سے باہر نکلا ہی تھا کہ بنی قین کے ڈاکوؤں نے اسے اغواء کرلیا۔اب وہ لٹیرے اس اغواء شدہ بچے کو عکاظ کے میلے میں نیلام کرنے لائے تھے۔[۸۴]

اب عکاظ کے میلے میں اس بچے کی نیلامی کی جارہی تھی۔بولی لگنے پر وہ بچہ گم سم، چپ چاپ بت بنا کھڑا تھا۔اسے نیلامی اور غلامی کا کوئی علم نہ تھا۔وہ لوگوں کو بولی لگاتے ہوئے دیکھتا تو حیران و پریشان ہوتا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ اپنی بدقسمتی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا رہا تھا۔ڈاکو اسے ایک دھمکی دے کر خاموش کرا دیتے تھے۔وہ سارے ہجوم میں اپنے ماں، باپ، نانی، نانا اور دوسرے رشتہ داروں کے علاوہ کسی واقف کار کو بھی کنکھیوں سے تلاش کر رہا تھا کہ دہائی دے کر رہائی پا سکے۔مگر اسے کوئی ایسا شخص بھی نظر نہ آیا جو اس کی حالت زار اس کے والدین یا ننھیال والوں تک پہنچا سکے۔

میلہ پورے جوبن پر تھا، ہر کوئی اپنی مستی میں مست تھا۔جو بھی آٹھ سالہ اغواء شدہ زید بن حارثہ کے قریب سے گزرتا تو اس کی بولی لگاتا مگر ڈاکوؤں کو ان کی بولی کم محسوس ہوتی۔ڈاکو سمجھ رہے تھے کہ وہ اتنی دور سے بڑی مشکل کے ساتھ اغواء کرکے لائے ہیں اس لیے انہیں معقول رقم ملنی چاہیے۔کسی نے اس کی بولی ایک سو درہم لگائی تو کسی نے دو سو درہم۔بالآخر بولی تین سو درہم پر آ کر رک گئی۔کوئی بھی اس کم عمر غلام کے لیے اتنے پیسے دینے کو تیار نہیں تھا مگر بیچنے والے ڈاکوؤں کا مطالبہ تھا کہ وہ اسے اس سے زیادہ قیمت پر بیچیں گے۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے۔ جب وہ مہربان ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے لیے بھڑکائی گئی آگ کو گلزار بنا دیتا ہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے وار سے بچالیتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا کی بے رحم اور تندو تیز موجوں سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ اغواء شدہ بچے زید بن حارثہ پر رحمت خداوندی جب سایہ فگن ہوتی ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔وہ اپنی بولی لگنے کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہاہوتا ہے کہ اتنے میں وہاں سے حکیم بن حزام کا گزر ہوتا ہے۔ وہ زید بن حارثہ کو دیکھتا ہے تو اسے یہ بچہ پہلی نظر میں ہی دل کو بھا جاتا ہے۔ وہ اس کی بولی چار سو درہم لگاتا ہے۔ ڈاکوؤں کو اپنی خواہش کے مطابق رقم ملتی نظر آتی ہے تو وہ فوراً اس کا سودا کر دیتے ہیں اور یوں زید بن حارثہ اپنے مالک حکیم بن حزام کے ہمراہ چل پڑتا ہے۔

حکیم بن حزام جنہوں نے زید بن حارثہ کو چار سو درہم دے کر خریدا۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔حکیم بن حزام نے زرخرید غلام کو حضرت خدیجہؓ کے گھر جا کر اسے ان کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا تا کہ وہ ان کی پھوپھی کی خدمت گزاری کے کام آ سکے۔حضرت خدیجہؓ ایک رحمدل، خوش اخلاق اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ انہوں نے زید بن حارثہ کو انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ رکھا۔ زید بن حارثہ بھی ایک فرمانبردار اور صالح لڑکا تھا۔ اس نے اپنی مالکن کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور پھر بعد ازاں حضرت خدیجہؓ نے زید بن حارثہ کو اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کردیا۔یوں زید بن حارثہ اللہ کی رحمت سے رحمۃ للعالمینؐ کی صحبت میں پہنچ گیا۔[۸۵]

ادھر زید بن حارثہ کے والدین اپنے بیٹے کی جدائی سے نڈھال تھے۔ ان کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ چار جانب کھوجی دوڑائے مگر کوئی بھی ان ڈاکوؤں کا کھوج نہ لگا سکا جو ان کے بیٹے کو اغواء کر کے لے گئے تھے۔انہیں ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا کہ وہ کون تھے، کہاں سے آئے تھے اور کس طرف چلے گئے؟ وہ اپنے پیارے کمسن بیٹے کی گمشدگی سے از حد پریشان اور غمزدہ تھے۔ دن رات آہیں بھرتے تھے۔اس کے والدین کو یہ تک خبر نہ تھی کہ ان کا بیٹا زندہ ہے یا نہیں؟ جنگل میں ہے یا شہر میں۔ جوں جوں وقت کا پنچھی لمحوں کے پر لگا کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے جا رہے تھے مگر زید بن حارثہ کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

تمام کوششیں بے سود اور تمام کاروائیاں لاحاصل رہی تھیں۔

اسی زمانے میں بنی کلب کے کچھ سرکردہ افراد مکہ مکرمہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں اتفاقاً ان کی نگاہ حارثہ پر پڑی۔ انہوں نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ ان کے علم میں تھا کہ زید بن حارثہ اغواء ہو چکا ہے اور اس کا والد اس کے غم میں نیم جاں ہے۔ ان کی حارثہ بن شرجیل کے قبیلہ بنو قضاعہ سے قرابت داری تھی۔ اس ناطے انہوں نے جیسے ہی زید بن حارثہ کو دیکھا تو انہوں نے اس بچے کو پیار سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا:

بیٹا! تم یہاں کیسے، کس طرح اور کس کے ہاں؟

زید بن حارثہ نے جواب دیا:

میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ ان کے گھر رہتا ہوں اور ان کی خدمت کرتا ہوں۔

انہوں نے زید بن حارثہ سے مزید پوچھا:

تم یہاں پہنچے کیسے؟

زید بن حارثہ نے مکمل داستان انہیں سنائی تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ تمام معلومات کے ہمراہ بنی کلب کے افراد جب اپنے قبیلے میں پہنچے تو انہوں نے زید بن حارثہ کے والد حارثہ بن شرجیل کو تمام کہانی سنائی اور خوشخبری دی کہ اس کا لختِ جگر، نورِ نظر زندہ ہے۔ خوش و خرم ہے اور وہ حضرت محمد ﷺ کے گھر ہے۔ زید بن حارثہ کے والد کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس نے بار بار ان سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا اور دریافت کیا ''کیا واقعی وہ زید ہی تھا؟ تمہیں کہیں دھوکا تو نہیں ہوا؟'' بنی کلب کے لوگوں نے حارثہ بن شرجیل کو بتایا کہ وہ اس کے بیٹے سے باقاعدہ ملاقات کر چکے ہیں۔ تمام حال احوال پوچھ چکے ہیں کہ کیسے وہ اغواء ہوا، کس طرح نیلام ہوا اور کیسے ہادی برحق حضرت محمد ﷺ کے گھر تک پہنچا۔ زید بن حارثہ کے والد نے فوری طور پر مکہ مکرمہ پہنچنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ اس کے بھائی کعب بن شرجیل نے کہا'' میں بھی اپنے بھتیجے زید بن حارثہ کو لینے آپ کے ہمراہ مکہ مکرمہ جاؤں گا۔ یوں ہمارا سفر بھی اچھا کٹے گا اور وہاں زید بن حارثہ کو غلامی سے رہائی کے لیے بات چیت کرنے میں بھی

آسانی ہوگی''۔

حارثہ بن شرجیل نے اپنے بھائی کعب بن شرجیل سے کہا''میرے لیے اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہم دونوں ایک ساتھ جا کر زید بن حارثہ کو گھر لے آئیں''۔ چنانچہ دونوں بھائیوں نے رختِ سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر انہوں نے لوگوں سے آنحضورﷺ کے گھر کا پتہ دریافت کیا اور سرور کائناتﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ہم اپنے بیٹے زید بن حارثہ کو لینے آئے ہیں، جتنی رقم آپ کہیں ہم فدیہ کے طور پر دینے کو تیار ہیں۔ آپ ازراہ صد لطف و کرم ہمارے لختِ جگر کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور اس کو غلامی سے رہائی دے دیں۔ زید بن حارثہ کا والد شدت جذبات سے رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ چچا کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ دونوں بھائیوں نے بڑے دل گداز انداز میں زید بن حارثہ کی رہائی کے لیے التجا کی۔

رحمۃ للعالمینﷺ نے زید بن حارثہ کے والد حارثہ بن شرجیل اور چچا کعب بن شرجیل کی درخواست غور سے سنی اور فرمایا، جو زید پسند کرے وہی مجھے منظور ہے۔ میں زرِفدیہ کے طور پر ایک کوڑی بھی نہیں لوں گا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں زبردستی اسے اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔ ساقی کوثر حضرت محمدﷺ نے فرمایا: زید وہ دیکھو تمہارے والد اور تمہارے چچا آئے ہیں۔[۸۶]

زید بن حارثہ نے جیسے ہی اپنے والد اور چچا کو دیکھا تو وہ دوڑا ہوا ان کے پاس گیا اور ان کے گلے لگ گیا۔ باپ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا، چوما، پیار کیا۔ حارثہ بن شرجیل کو ایسے محسوس ہوا جیسے اسے کھویا ہوا خزانہ مل گیا ہو، دنیا کی بہت بڑی نعمت میسر آگئی ہو۔

زید بن حارثہ نیک عادات و اطوار کی وجہ سے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی بہت پسند تھا جب کہ زید بن حارثہ تو آنحضورؐ پر اپنی جان نچھاور کرتا تھا۔ آنحضورؐ نے زید بن حارثہ کو غلاموں کی طرح نہیں رکھا تھا۔ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح وہاں رہ رہا تھا۔ وہ بھی اپنے آقا حضرت محمدﷺ کی خدمت و اطاعت میں اپنی خوشی اور دونوں جہانوں کی بھلائی سمجھتا تھا۔ بہر حال میل ملاقات کے بعد

حارثہ بن شرجیل نے اپنے لخت جگر، نور نظر زید بن حارثہ سے کہا۔

بیٹا ہم نے تمہاری جدائی میں بہت غم برداشت کیے ہیں۔ ہمارا ایک ایک پل بے چین گزرا ہے۔تمہاری جدائی ہم پر غموں کا پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی۔ اب جبکہ تم ہمیں زندہ سلامت مل گئے ہو اس لیے اپنا بوریا بستر یہاں سے سمیٹو اور ہمارے ساتھ چلو۔تمہاری والدہ تمہارے انتظار میں راہ تک رہی ہوگی۔

زید بن حارثہ نے جب اپنے والد محترم کی یہ بات سنی تو وہ گہری سوچ میں پڑ گیا مگر اس نے فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہ لگائی۔ اس نے اپنے والد محترم سے کہا'' ابا جان! میں آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے ہاں کی آزادی پر رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی غلامی کو ترجیح دوں گا۔ میں آنحضورؐ کے ساتھ ہی رہوں گا اور آپؐ کی خدمت میں ہی زندگی گزار دوں گا۔آپ بے شک وقتاً فوقتاً مجھے ملنے کے لیے آسکتے ہیں لیکن میں مستقل طور پر آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

حضرت محمد ﷺ نے چونکہ فیصلے کا اختیار زید بن حارثہ کو دیا تھا اور اس کے والد اور چچا اس بات سے متفق بھی تھے لہذا زید بن حارثہ کے والد اب کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ تاہم اسے اپنے بیٹے سے اس قسم کے جواب کی مطلقاً توقع نہ تھی۔ اپنے بیٹے کے اس جواب سے وہ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے مگر کر بھی کیا سکتے تھے۔وہ اپنے بیٹے کا منہ تکتے رہ گئے اور سکتے میں آگئے۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ نے زید بن حارثہ کو یہ جواب سنا تو از حد خوش ہوئے۔آپؐ نے زید بن حارثہ کے والد اور چچا سے مخاطب ہو کر فرمایا، اگر زید اپنی خوشی سے آپ کے ساتھ چلا جاتا تو میں اسے فوراً آزاد کر دیا مگر اب ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اپنے ترجیح دینے والے پر میں کسی اور کو ترجیح دوں۔اب زید یہیں رہے گا غلام بن کر نہیں میرا بیٹا بن کر۔

سرور کائنات ﷺ نے اس لمحے زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لیا اور اس کے والد اور چچا کے ہمراہ خانہ کعبہ پہنچے۔آپؐ نے وہاں جا کر بانگ دہل اعلان کیا کہ '' آج سے زید بن حارثہ میرا غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا اور وارث ہے۔ میں اسے فدیہ لیے بغیر غلامی سے رہائی دیتا ہوں''۔

جب معلم کائنات ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے چار افراد میں زید بھی شامل تھا۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ غلاموں میں سب سے پہلا غلام جس نے اسلام قبول کیا وہ زید بن حارثہ تھا۔ زید تو پہلے ہی حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں رہتا تھا لیکن جب سے

اسے سرور کائنات ﷺ کے منہ بولے بیٹے کی حیثیت حاصل ہوئی تھی اس کی قدر و منزلت اور عزت و وقعت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اب دوسرے لوگوں کا اس کیساتھ برتاؤ سرور کونین ﷺ کے بیٹے کے طور پر ہوتا تھا۔ یوں ایک اغواء شدہ بچہ غلامی محمد ﷺ میں آیا تو اس کے مقدر جاگ اٹھے۔[۸۷]

حضور اکرم ﷺ کی آیا کا نام برکہ تھا جس کی کنیت ام ایمنؓ تھی۔ آنحضورؐ انکی بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک دن نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا، جوشخص کسی جنتی عورت سے شادی کرنا چاہے تو وہ عورت ام ایمنؓ ہے۔

حضرت زیدؓ نے اپنے آقا کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو فوراً دل میں فیصلہ کیا کہ وہ جنتی عورت سے شادی کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ اگرچہ حضرت ام ایمنؓ کی عمر حضرت زید بن حارثہؓ سے دوگنا تھی تاہم آنحضورؐ کی خوشنودی اور حضرت زید کی رضامندی سے ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ام ایمنؓ کو رب کائنات نے بیٹے جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام اسامہ بن زید رکھا۔[۸۸] حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے محبوب رب العالمینؐ کی خدمت گزاری اور اطاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جب کہ آنحضورؐ بھی دونوں باپ بیٹے کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور انہیں کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ غلام ہیں۔ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ تو دنیا میں تشریف ہی اس لیے لائے تھے کہ غلامی جیسی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ آپؐ کی بعثت سے پہلے عرب میں غلاموں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ چاہے غلام کو آزاد بھی کر دیا جاتا، انہیں معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ وہ معاشرے میں کم تر سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معزز اور شرفاء اپنے بچوں کے رشتے ناطے ان سے نہیں کرتے تھے۔ وہ غلاموں سے رشتے کرنا تو دور کی بات، ان سے راہ و رسم رکھنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ جب کہ ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ نسلی برتری کا تعصب اور امتیاز ختم کرنا چاہتے تھے۔ آپ کوئی ایسا کارنامہ کرنا چاہتے تھے جو دوسروں کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ بن سکے۔

ہجرت کر کے جو لوگ مدینہ منورہ پہنچے تھے ان میں قریش کے قبیلہ بنو اسد خزیمہ کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحشؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت ام حبیبہ بنت جحشؓ، حضرت حمنہ بنت جحشؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے

قریبی رشتہ دار تھے۔ان میں حضرت زینب بنت جحشؓ کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا جو آپؐ کی سگی پھوپھی تھیں۔حضرت زینب بنت جحشؓ قریش خاندان سے تھیں۔وہ ایک بیوہ خاتون تھیں اور بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھیں۔

آقا و غلام کی تمیز کے خاتمہ کے لیے سرورکائناتﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے لیے حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح کے لیے تجویز کیا۔حضرت زینب بنت جحشؓ کو ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کرنے میں ہچکچاہٹ تھی۔حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ بھی اس شادی کے لیے رضا مند نہیں تھے۔دونوں بہن بھائی اس تذبذب میں تھے کہ ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کرنے سے معاشرے میں ان کا مقام بلند نہیں ہوگا۔ان دونوں کے دل اس رشتہ کو بے جوڑ سمجھتے تھے۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نے کہا۔"میں حضرت زید بن حارثؓ سے نسب میں بہتر ہوں"۔

لوگوں کو جب اس رشتہ کی تجویز کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اسے اچھا محسوس نہ کیا کہ آپؐ اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کرنا چاہتے ہیں۔ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ رب ذوالجلال نے اس سلسلہ میں وحی نازل فرمائی۔رب کائنات نے سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا:

> "کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔[۸۹]

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو یہ امر واضح ہوگیا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی حکم ہو تو کوئی اس میں خود اپنی مرضی نہیں کرسکتا۔چنانچہ ارشاد ربانی کی روشنی میں حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ دونوں بہن بھائی کو حضرت زید بن حارثؓ کے رشتے کو منظور کرنا پڑا۔یوں معلم کائناتﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے کی شادی

حضرت زینب بنت جحشؓ سے کرا دی۔ آپؐ نے خود حق مہر دس دینار اور ساٹھ درہم ادا کیے۔ شادی سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کے پاس ہی رہتے تھے۔ اب سرور دو عالم ﷺ نے شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کیا اور ضروری کپڑے و گھریلو سامان بھی مہیا کیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نے حضور ﷺ کی مرضی کی وجہ سے نکاح تو کر لیا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ حضرت زیدؓ ایک صابر انسان تھے جبکہ حضرت زینبؓ کا مزاج ذرا تیز تھا۔ اس لیے دونوں کے مزاجوں کی ہم آہنگی نہ ہو سکی۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کو اپنے اعلیٰ خاندان اور شریف النسب ہونے پر فخر تھا۔ اس سے ان کی خانگی زندگی تلخیوں سے دو چار ہوتی رہتی تھی۔ حضرت زید بن حارثہؓ آئے دن کی ان تلخیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ ان کا پیانہ صبر سے لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث حضرت زید بن حارثہؓ دلبرداشتہ ہو گئے۔ باہمی مؤدت والفت جاتی رہی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا لیکن چونکہ یہ شادی آنحضور ﷺ کی خواہش پر ہوئی تھی اس لیے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی یہ مجال نہیں تھی کہ چپکے سے حضرت زینب کو طلاق دے کر فارغ کر دیتے۔

حضرت زیدؓ نے ضروری خیال کیا کہ تمام صورت حال سے سرور کائنات ﷺ کو آگاہ کریں۔ چنانچہ حضرت زید نے بارگاہ رسالت ﷺ میں تمام بپتا کہہ سنائی اور یہ ارادہ بھی ظاہر کیا کہ طلاق کے سوا کوئی حل نہیں نظر آتا۔ حضور اکرم ﷺ کو زید بن حارثہ کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سمجھایا کہ وہ اپنے ارادے سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ آپؐ نے فرمایا:

"کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کرایا ہے، آج اگر تم طلاق دے دو گے تو حضرت زینبؓ اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہوگی"۔

لیکن حضرت زیدؓ بن حارثہ کے لیے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ اصلاح احوال کے لیے انہوں نے سارے جتن کیے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی لیکن حضرت زینب بنت جحشؓ کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر زیدؓ بن حارثہ نے اپنی بیوی حضرت زینب کو طلاق دے ہی دی۔ ان کی ازدواجی

زندگی کا عرصہ محض ایک سال پر محیط تھا۔ اس وقت حضرت زینب کی عمر پینتیس برس تھی ۔

اس کے بعد خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کا نکاح حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ سے کردیا۔ حضرت ام کلثومؓ آپؐ کی پھوپھی ام بیضاء بنت عبدالمطلب کی بیٹی اروی بنت کریز کی بیٹی تھیں یعنی حضرت عثمانؓ کی ماں شریک بہن تھیں ۔ ان سے ایک لڑکی رقیہ بنت زید اور ایک لڑکا زید بن زید پیدا ہوا۔

عرب قبائل میں یہ رواج تھا کہ لے پالک بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ منہ بولے باپ کا نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن رب کائنات کو دور جاہلیت کی اس رسم کو مٹانا مقصود تھا اس لیے ایک روز حضرت جبریل امین نے امام کائنات حضرت محمد ﷺ کو پیغام دیا کہ زینب بنت جحشؓ آپؐ کی بیوی بنے گی۔ حضورؐ نے اگرچہ یہ سوچا کہ اس سے مخالفین ایک طوفان کھڑا کردیں گے اور طرح طرح کی باتیں بنائیں گے لیکن اگر ہادی کون و مکاںؐ اللہ پاک کے حکم سے ایسا جرأت مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون اصلاح کرتا؟ آپؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہر قسم کے جاہلانہ رسوم و رواج اور عقائد و خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور معاشرے کی ہر اس رسم کا خاتمہ کیا جائے جو برائی کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس کے خاتمہ سے معاشرہ میں اصلاح و فلاح کی روشنی پھیلتی ہو۔

دراصل جو رسمیں کسی معاشرے میں جڑ پکڑتی ہیں تو لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہوجاتے ہیں کہ ان کو چھوڑنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ رسمیں کتنی ہی نقصان دہ اور بے ہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی میں ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ جبکہ اہل دانش اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس لیے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھوڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں ردو بدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے ۔

اس زمانے میں عربوں میں دیگر لغو رسموں کے ساتھ ساتھ یہ بے ہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے۔ وہ متبنیٰ بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی بیوی کی وہی حیثیت ہوتی جو حقیقی بیٹے کی

بیوی کی ہوتی ہے اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہورہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا، بیٹا وہ کسی اور کا ہوتا لیکن متبنٰی بننے سے اپنے اصلی خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہوتو اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے مال متروکہ حقدار بنتے ہیں لیکن متبنٰی ہونے کی صورت میں وہ خونی اور نسبتی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار، بھائیوں اور بھتیجوں وغیرہ کے حقوق وراثت کو ان سے محروم کر دیتا، یہ صریح ظلم تھا۔

زمانہ قدیم کی رسم کے مطابق فخر الانبیاء حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا متبنٰی بنایا تھا اس حیثیت سے وہ آپ ﷺ کا وارث تھا۔آپ ﷺ نے اسے منہ بولا بیٹا کہا تھا عرب کے دستور کے مطابق منہ بولے بیٹے کے وہی حقوق بنتے تھے جو ایک حقیقی بیٹے کے ہو سکتے ہیں۔ جب کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بھی عرب کے دستور کے مطابق جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

چنانچہ جب حضرت زینب بنت جحش کی عدت کی معیاد گزر چکی تھی تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بلا کر انہی کی طلاق شدہ بیوی حضرت زینب بنت جحش کے گھر بھیجا کہ وہ جا کر حضور اکرم ﷺ کا انہیں نکاح کے لیے پیغام دیں۔حضرت زید بن حارثہؓ تعمیل حکم کے لیے حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر تشریف لے گئے۔حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: کہ جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آٹا گوندھ رہی ہیں میں نے شرماتے ہوئے اپنا رخ دوسری طرف کر کے کہا: کہ اے زینبؓ! میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تمہیں اپنے حبالہ عقد میں لے کر ازواج مطہرات کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت زینب بنت جحش نے بغیر نظریں اٹھائے آٹا گوندھتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں اپنے اللہ سے مشورہ کرنے کے بعد ہی اس معاملے میں کچھ کہہ سکتی ہوں''۔

اس کے بعد حضرت زینبؓ بنت جحش مصلے پر کھڑی ہوگئیں، وہ ابھی حالت نماز میں ہی تھیں کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل فرمائی کہ:

''اے نبیؐ! یاد کرو (اس وقت کو) جب تم اس شخص سے جس پر اللہ پاک نے انعام فرمایا تھا اور تم نے بھی اس پر احسان کیا تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو

اپنے پاس ہی رکھو (طلاق نہ دو) اور اللہ سے ڈرو (کیونکہ طلاق دینا اللہ کو پسند نہیں) تم اس بات کو چھپا رہے ہو جو تمہارے دل میں ہے۔ حالانکہ اللہ پاک خود ہی اس بات کو ظاہر کردے گا اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے (اے نبی ﷺ) اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔''[۹۰]

جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے۔ جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپؐ نے مسکراتے ہوئے آیات تلاوت فرمائیں اور کہا کہ کوئی ہے جو زینب بنت جحش کو یہ بشارت دے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جب حضور اکرم ﷺ یہ آیات تلاوت فرما چکے تو مجھے یہ خیال آیا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس کمال پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ پاک نے آسمان پر کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی خادمہ سلمٰی دوڑی دوڑی حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر پہنچی اور کہا: اے زینب! تمہیں بے حد و حساب مبارک ہو خدائے بزرگ و برتر نے تمہارا نکاح اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ سے کر دیا ہے اور وحی کے ذریعے آیات نازل ہوئی ہیں۔ جنہیں میں خود حضور اکرم ﷺ کی زبان اطہر سے سن کر تمہیں خوشخبری دینے آئی ہوں۔ تمہیں ''ام المومنین'' بننے کی سعادت مبارک ہو۔

حضرت زینب بنت جحش نے یہ بات سنی تو انہیں ازحد خوشی ہوئی اور انہوں نے رب کائنات کے حکم پر سر تسلیم خم کر لیا۔ یہ ہجری کا پانچواں سال تھا جب حضرت زینبؓ حضور اکرم ﷺ کے حبالۂ عقد میں داخل ہوئیں۔

سرور کائنات ﷺ کے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کی چند خصوصیات ایسی نمایاں منفرد اور ممتاز ہیں کہ وہ کسی اور کے نکاح میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ یہ ایسا بے مثل نکاح تھا کہ اس میں ولی اور گواہوں کی بجائے قرآنی حکم کو بنیاد بنایا گیا۔ یہ نکاح آسمانوں پر ہوا جبکہ اور بیویوں کے نکاح ان

کے ولی اور گواہوں نے پڑھائے۔اس نکاح سے جاہلیت کی اس قدیم رسم کو توڑ دیا گیا کہ متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے منہ بولے باپ کی شادی کرنا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔اس نکاح سے مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام اور آقا و مالک کی تمیز ختم ہوگئی۔اس نکاح میں پردے کا حکم نازل ہوا اور اس نکاح کے لیے وحی الٰہی اتری۔اللہ پاک نے اس نکاح کے موقع پر لے پالک بیٹوں کے بارے میں وضاحتی حکم فرمایا کہ وہ تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا کہ محمد عربی ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ حضور اکرم ﷺ کی دوسری بیویوں سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تو تمہارے ولیوں نے کیے جب کہ میرا نکاح تو خود رب کائنات نے ساتویں آسمان پر کیا۔آپ حضورؐ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھے تین باتوں پر آپ ﷺ پر ناز ہے اور آپؐ کی کوئی بیوی اس بارے میں ناز نہیں کرسکتی اور وہ تین باتیں یہ ہیں کہ:

۱۔ میرا جد امجد اور آپ ﷺ کا جد امجد ایک ہے۔

۲۔ میرا آپ ﷺ سے نکاح اللہ پاک نے آسمان پر پڑھایا۔

۳۔ میرے معاملہ کا سفیر جبریل امین تھا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کی محبوب رب العالمینؐ کے ساتھ شادی کے بعد لوگوں پر یہ نکتہ واضح ہوگیا کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے باپ شادی کرسکتا ہے۔منافقین اور مشرکین نے خوب افواہیں پھیلائیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا ہے۔ان کا اعتراض تھا کہ اگرچہ زید بن حارثہؓ حضورؐ کا بیٹا نہیں تھا لیکن اگر وہ منہ بولا بیٹا بھی تھا تو مطلقہ سے سرور کائنات ﷺ کو شادی نہیں کرنی چاہیے تھی حالانکہ یہ نکاح اللہ پاک نے خود اپنی مرضی سے کیا تھا۔دراصل مخالفین اسلام اس تاڑ میں لگے رہتے تھے کہ کب انہیں موقع ملے اور وہ سرکار مدینہؐ کے بارے میں کسی بات کو رائی کا پہاڑ بنائیں۔حضرت زید بن حارثہؓ چونکہ حضورؐ کے سگے بیٹے تو نہیں تھے اس لیے وحی کا نزول ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اورتمہارے منہ بولے بیٹوں کوتمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی باتیں ہیں اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

تم لے پالکوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارا کرو، یہی بات اللہ پاک
کے نزدیک درست ہے۔اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین
کے بھائی اور دوست ہیں اور تمہیں اس میں بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر
کوئی گناہ نہیں ہوگا۔لیکن اس بات پر گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ
غفورالرحیم ہے۔[۹۱]

جو لوگ حضرت زید بن حارثہؓ کو زید بن محمدﷺ کہنے لگے تھے اس وحی کے نزول کے بعد پھر سے زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے۔اس کے علاوہ بعض افراد کو حضورؐ کی پانچویں شادی پر بھی اعتراض تھا۔ حضور اکرمﷺ کی پہلے چار ازواج مطہرات ،حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ موجود تھیں تو یہ پانچویں شادی کیسے ہوگئی؟ مخالفین نے اور دشمنان اسلام نے اس حوالے سے خوب افواہیں پھیلائیں اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں تو رب تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ارشاد فرمایا:

''نبیﷺ کے لیے کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ
نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ان سب انبیاء کے
معاملہ میں رہی ہے۔ جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ
فیصلہ ہوتا ہے۔(یہ اللہ کی سنت ان لوگوں کے لیے ہے) جو اللہ پاک کے
پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، اور اللہ پاک کے سوا کسی سے
نہیں ڈرتے اور اللہ پاک خود ہی حساب کرنے والا کافی ہے''[۹۲]

محبوب عالمﷺ کی شادیوں کے حوالے سے دشمنان کی چہ میگوئیاں اور نکتہ چینی کے خاتمہ کے لیے رب ذوالجلال نے وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰﷺ کو اجازت خاص مرحمت کرتے ہوئے مزید وضاحت کے ساتھ سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

''اے نبیﷺ ہم نے آپؐ کی بیویاں جن کو آپؐ نے مہر دے دیئے ہیں حلال
کردی ہیں اور آپؐ کی لونڈیاں جو اللہ پاک نے بطور مال غنیمت دلوائی ہیں
آپؐ کے چچا کی بیٹیاں اور آپؐ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپؐ کے ماموؤں کی

بیٹیاں آپؐ کی خالاؤں کی بیٹیاں جو آپؐ کے ساتھ وطن چھوڑ آئی ہیں (سب حلال ہیں) اور کوئی عورت اگر اپنا آپ نبی اکرم ﷺ کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی کریمؐ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی حلال ہیں اور یہ اجازت خاص آپؐ ہی کے لیے ہے۔سب مسلمانوں کے لیے نہیں ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے۔مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں تا کہ آپؐ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''[۹۳]

حضور اکرم ﷺ کی جتنی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا۔ان سے مقصود یا تو اپنے دوستوں اور جانثاروں کی دلجوئی تھی یا شہداء اسلام کی بیوگان کی سرپرستی تھی اور یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودت کے تعلقات کا قیام تھا۔ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت کسی صورت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہی صورت حال حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی کی تھی جو ایک شہید کی بیوی اور رعیال دار تھیں تا ہم پھر بھی آپؐ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دی جسے آپؐ نے متبنٰی بنایا تھا اور دشمنان اسلام نے یہ سب فتنہ پردازی حضرت زید کو متبنٰی بنانے ہی کی وجہ سے کی تھی۔ورنہ حضور اکرم ﷺ کا سرے سے بیٹا تھا ہی نہیں۔چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اس لیے ضروری تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ سے کریں۔اس ضمن میں خدائے بزرگ و برتر نے وحی نازل فرمائی اور واضح طور پر اعلان کیا کہ:

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''[۹۴]

سرور کائنات ﷺ کی حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شادی کے حوالے سے جہاں اور آیات مقدسہ اتریں وہاں ازواج مطہراتؓ کی عظمت و رفعت کا تعین بھی کر دیا گیا اور مومنوں کو تلقین کی گئی کہ:

''بلا شبہ نبیؐ مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں

اور آپؐ کی بیویاں ان کی (مومنوں کی) مائیں ہیں"۔[۹۵]

رب تعالٰی نے ازواج مطہراتؓ کو مومنوں کی مائیں کہہ کر نہ صرف ان کے حوالے سے کسی قسم کی فتنہ سازی سے روک دیا بلکہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان سے نکاح کرنے سے بھی منع فرما دیا کیونکہ وہ بہر صورت مومنوں کی مائیں ہیں۔

ام المومنین حضرت زینبؓ ایک سمجھ دار، قابل اور فہمیدہ خاتون تھیں۔ آپکو رب رحمان و رحیم نے صورت اور سیرت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپؐ کے میکے والے تقریباً شروع ہی سے مسلمان ہو گئے تھے اور یوں وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے براہ راست فیض یاب ہوتے رہے تھے۔ حضرت زینبؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ ابتدائے اسلام ہی سے رضا کارانہ طور پر ایک مجاہد اور سرفروش کی طرح اسلام کی ترویج و اشاعت میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ داد شجاعت پائی اور غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا کیونکہ دونوں قریبی رشتہ دار تھے۔ دراصل حضرت زینب بنت جحشؓ حضرت حمزہؓ کی بھانجی تھیں جبکہ حضرت عبداللہ بن جحش حضرت امیر حمزہؓ کے بھانجے تھے۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ ہی کی قیادت میں ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کے حکم کی تکمیل میں بنو جحش خاندان کا قافلہ مدینہ منورہ سے ہجرت کی غرض سے روانہ ہوا تھا جس میں حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ ساتھ آپؐ کے دوسرے بھائی ابو احمد بن جحش جو بینائی سے محروم مگر قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ بھی شامل تھے انہیں شاعر اسلام بھی کہا جاتا تھا۔ آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ہجرت کے اسباب قریش کے ظلم وستم اور جانثاران اسلام کی ایمان افروز داستان تفصیل سے بیان کی۔ اس قصیدہ کو عربی ادب کا شاہکار تصور کیا گیا۔

جب بنو جحش کا پورا خاندان مکہ معظّمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلا گیا تو ان کے مکہ معظّمہ میں عالیشان مکان پر قریش کے سردار ابو سفیان نے قبضہ کر لیا۔ جب یہ علم ہوا کہ جس گھر میں اللہ کی عبادت ہوا کرتی تھی، قرآن مجید کی تلاوت سے فضا معطر ہوا کرتی تھی، دعاؤں اور التجاؤں سے در و دیوار منور

ہوا کرتے تھے، اب اس گھر پر دشمن اسلام کا قبضہ ہے تو حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ رنجیدہ اور نم دیدہ ہوئے اور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرے گھر پر ابوسفیان قابض ہو گیا ہے۔ جس کا مجھے از حد افسوس اور دکھ ہے۔ مجھے بتائیے کہ اس صورتحال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔حضورؐ نے جواب دیا کہ اے عبداللہؓ! کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا کر دے؟ حضرت عبداللہؓ نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ مجھے بخوشی منظور ہے۔آپؐ نے فرمایا: اے عبداللہ بن جحشؓ یقین رکھو جنت میں تجھے اس سے بہتر گھر ملے گا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کے تیسرے بھائی کا نام عبیداللہ بن جحشؓ تھا۔عبیداللہ بن جحشؓ نے اپنی بیوی رملہ بنت ابوسفیانؓ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت حبشہ میں دونوں شامل بھی تھے مگر بعد میں عبیداللہ نے حبشہ پہنچنے پر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔اس کی بیوی رملہ بنت ابوسفیانؓ اپنی کنیت ام حبیبہؓ کے نام سے مشہور تھیں اور بعد ازاں ام المومنین بنیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ایک کا نام ام حبیبہ بنت جحشؓ تھا، ان کی شادی عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہوئی تھی۔دوسری بہن کا نام حضرت حمنہ بنت جحشؓ تھا۔ان کا پہلا نکاح حضرت مصعب بن عمیرؓ سے جبکہ دوسرا نکاح طلحہ بن عبیداللہ سے ہوا تھا کیونکہ ان کے پہلے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا تھا۔حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بھی بھانجی تھیں اور یہی خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت تھی جس پر حضرت زینب بنت جحشؓ فخر کیا کرتی تھیں۔

سن ہجری کا دسواں سال تھا اور ذی قعدہ کا مہینہ تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے ہمرکاب حج کا ارادہ فرمایا۔اس سفر میں حضرت زینب بنت جحش بھی ہمراہ تھیں۔ انہوں نے انتہائی غور و فکر اور انہماک و اشتیاق کے ساتھ ختم المرسلین ﷺ کا میدان عرفات میں الوداع خطبہ سنا اور اس کے تمام نکات دل پر نقش کر لیے۔

جب سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہجری کے گیارہویں سال مالک و خالق حقیقی سے جا ملے تو حضرت زینبؓ کا آپؐ کے ساتھ چھ سال کا ازدواجی بندھن ختم ہو گیا۔بیوہ ہونے کے بعد آپؓ نے

اپنے آپ کو امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و فلاح کے لیے وقف کر دیا۔حضرت زینب بنت جحشؓ نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر روحانی کمالات اور زہد و تقویٰ میں عبور حاصل کر لیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ بہت مطیع شریعت تھیں، آپؓ انتہائی فیاض، سخی اور کھلے ہاتھ کی مالک تھیں۔غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی سرپرستی کرتی تھیں۔جو کچھ پاتی تھیں صدقہ کر دیتی تھیں۔حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے گھر کو ماویٰ المساکین یعنی مسکینوں کا ٹھکانہ کہا جاتا تھا۔[۹۲]

حضرت جویریہ بنت حارثؓ:

وسیع و عریض عرب کی سرزمین جہاں صحراؤں، ریگستانوں، پہاڑوں، چشموں اور میدانوں میں منقسم تھی وہاں اس کے باشندے مختلف فرقوں، مذہبوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔کچھ قبائل اعلیٰ و ارفع مقام کے مالک تھے تو کچھ ادنیٰ و حقیر سمجھے جاتے تھے۔کوئی آقا، تو کوئی غلام، کوئی انتہائی امیر تھا، تو کوئی انتہائی غریب۔تاہم اکثر افراد کا ذریعہ معاش ایک ہی تھا یعنی بھیڑ، بکریاں اور اونٹ پالنا۔جس کے پاس جتنے جانور ہوتے وہ معاشرے میں اتنی ہی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔البتہ کچھ لوگ مال تجارت لے کر فروخت کرنے کے لیے دوسرے ممالک بھی جاتے تھے اور کچھ لوگ معاش کی تلاش میں نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔

ایسے ہی افراد میں ایک نامور فرد عمرو بن عامر اپنی اہلیہ اور تین بیٹوں ثعلبہ، حفنہ اور حارثہ کے ہمرکاب ملک یمن سے سفر کرتا ہوا بحیرہ قلزم کے راستے جزیرہ نما عرب میں داخل ہوا۔یہاں کی معاشی و معاشرتی فضا کو خوشگوار پایا اور یہیں آباد ہو گیا۔اس نے اپنے تینوں بیٹوں کی شادیاں کیں۔کافی مال کمایا اور خوش و خرم زندگی گزارنے لگا۔اس کے بیٹے بھی معاشی طور پر مستحکم تھے اور معاشرے میں عزت و رفعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عمرو بن عامر کے بیٹے ثعلبہ کو رب کائنات نے دو بیٹوں کی نعمت سے سرفراز فرمایا تو اس نے ایک بیٹے کا نام اوس دوسرے کا نام خزرج رکھا۔ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر کے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں

لمحہ لمحہ مست و مگن رہنے لگے۔

عمرو بن عامر کے دوسرے بیٹے جفنہ کی اولاد غسان کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔ انہوں نے عرب کو خیر باد کہا اور ملک شام میں چلے گئے۔ وہاں کا معاشی و معاشرتی ماحول انہیں راس آیا اس لیے انہوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

عمرو بن عامر کے تیسرے بیٹے حارثہ کی اولاد کو بنی خزاعہ کے نام سے شہرت و عزت ملی۔ اس قبیلے نے شجاعت و بہادری میں بڑا نام کمایا اور عرب کے عظیم قبیلوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ یہ لوگ تہامہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہاں کی مقتدر شخصیات کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

حارثہ کی اولاد کے قبیلہ بنی خزاعہ کی دوسری شاخ میں ایک شخص جزیمہ بن سعد تھا۔ اس کی اولاد کو بنی مصطلق کے نام سے شہرت ملی۔ قبیلہ بنی مصطلق کے افراد نے جدہ اور رابغ کے درمیان بحر احمر کے ساحل پر قدید کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ اس قبیلہ کے سردار کا نام حارث بن ابی ضرار تھا۔ حارث بن ابی ضرار کے تعلقات مکہ معظّمہ کے قریشیوں سے بڑے قریبی، گہرے اور دوستانہ تھے اور یہ دوستی اس حد تک تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے نہ صرف دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے بلکہ بوقت ضرورت اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

قبیلہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بہت امیر کبیر تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی اور ہمہ قسم کی خدائی نعمت کی فراوانی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے دو برس قبل حارث بن ابی ضرار کے ہاں ایک خوب صورت بچی نے جنم لیا۔ اس بچی کا نام خاندان والوں کے مشورے سے برہ رکھا گیا۔ برہ کی پرورش انتہائی ناز و نعم سے اور شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ اس کے لیے کنیزیں رکھی گئیں اور خدام مقرر کیے گئے۔ والد کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اس لیے برہ کی تربیت پر دل کھول کر خرچ کیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ برہ ایک باوقار، باسلیقہ اور انتہائی خوبصورت نقوش کی مالک حسین و جمیل لڑکی تھی۔ وہ اپنے قبیلے کی حسین ترین لڑکی مشہور تھی۔ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بھی تھی۔ اس لیے مختلف جگہوں سے رشتے آنا شروع ہو گئے۔ برہ کے والد حارث بن ابی ضرار نے اپنی اہلیہ سے اس بارے میں مشورہ کیا اور یوں والدین نے کافی سوچ بچار کے بعد شاہی محل میں پلی اپنی لخت جگر برہ کا رشتہ اپنے ہی قبیلے کے ایک نامور جوان مسافع بن صفوان

سے طے کر دیا۔

ان دنوں مدینہ منورہ اسلامی ریاست کا دارالحکومت بن چکا تھا۔ اسلام کی نور بھری کرنیں چہار جانب اپنی رنگینیاں بکھیر رہی تھیں۔ رہبر کائنات حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے اذہان و قلوب منور ہو رہے تھے، درو دیوار بقعہ نور بنے ہوئے تھے۔ شمع اسلام کے پروانے رب ذوالجلال کی سربلندی اور محبوب رب العالمین ؐ کی سرفرازی کے لیے لحہ لحہ سرگرم عمل تھے۔ جانثاران اسلام اور فدایان مصطفی ﷺ جدھر کا رخ کرتے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی۔ اسلامی ریاست کے رقبے میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور خدا کے نام لیواؤں کی فہرست دن بدن طویل سے طویل ہوتی جارہی تھی۔

ایسے لمحات میں جبکہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو غزوہ بدر میں شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ برہ بنت حارث کے والد اور شوہر دونوں قریش مکہ کی دوستی میں اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ سسر اور داماد دونوں نے مل کر دلوں میں دین اسلام کے خلاف نفرت کا بیج بویا جو بالآخر تناور درخت بن گیا اور اب غزوہ بدر میں شکست نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ حارث بن ابی ضرار اور مسافع بن صفوان کے دلوں میں کدورت اور حقارت تو پہلے ہی اسلام کے خلاف بھری ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی فتح نے اس چنگاری کو مزید ہوا دے کر بھڑکا دیا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ قریش مکہ بھی ان کا مکمل ساتھ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی مصطلق نے اپنے سردار حارث بن ابی ضرار کی سربراہی میں دیگر قبائل سے رابطہ کر کے افرادی اور عسکری قوت میں اضافہ کیا اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے ارادے سے ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل کرنے لگے۔

شعبان ۵ ہجری میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ کو ایک شخص نے اطلاع دی کہ قبیلہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اور اس کا داماد مسافع بن صفوان ایک لشکر تشکیل دے رہے ہیں تا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کیا جاسکے۔ حضور ﷺ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی تو آپؐ نے فوری طور پر حضرت بریدہ بن حصیب کو تصدیق و تحقیق کے لیے قبیلہ بنی مصطلق کی جانب روانہ کیا تا کہ صحیح معلومات کی روشنی میں بروقت اور قابل عمل منصوبہ بندی کی جائے اور دشمن کو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی دندان شکن جواب دیا جائے۔

حضرت بریدہ بن حصیب نے قبیلہ بنی مصطلق پہنچ کر وہاں کے سرکردہ افراد سے ملاقات کی۔

قبائلی جوانوں کی تیاریاں اور جنگی ساز وسامان کی فراوانی دیکھی ۔ ان کے عزائم معلوم کیے تو انہیں پتہ چلا کہ ہر ایک کے دل و دماغ پر لڑائی کا بھوت سوار ہے وہ اپنی عسکری قوت کے خمار میں مست ہے ۔

ان تمام معلومات کی آگاہی کے بعد حضورؐ نے مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ حکمت عملی کے تحت یہ طے پایا کہ اس سے پہلے کہ دشمن مدینہ منورہ پر حملہ آور ہواسے اس کے علاقے میں ہی پسپا کیا جائے ۔ لہذا مدینہ منورہ سے حضورؐ کی قیادت میں ایک ہزار مسلمان مجاہدین نے قبیلہ بنی مصطلق کی طرف کوچ کیا ۔ اس لشکر میں آپؐ کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں ۔

۵ ہجری ماہ شعبان میں حضورؐ اور ان کے جانثار ساتھیوں نے بنی مصطلق کے اہم ترین مرکزی مقام مریسیع پر پڑاؤ کیا۔ یہاں پانی کا بہت بڑا زخیرہ تھا جسے بنی مصطلق پینے اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرتے تھے ۔ مسلمانوں نے ایک حکمت عملی کے تحت اس پر قبضہ کرلیا۔ مقام جنگ میں پانی پر قبضہ کرنا ایک بہترین حکمت عملی تھی ۔

اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے ۔ اس لشکر میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد لے کر شامل ہوگیا۔ یہ لوگ اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے تھے ۔ سرور دو عالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اسلامی لشکر نے ناگہاں اور اچانک دشمنان اسلام پر حملہ کر دیا۔

مسلمانوں کے اس اچانک حملے نے قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں کے اوسان خطا کر دیئے ۔ اس پر مسلمانوں کی جرأت اور شجاعت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ دیگر قبائلی جوانوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ اپنی جانیں بچاتے ہوئے بھاگ نکلے ۔ قبیلے کا سردار بھی خوف زدہ ہوکر روپوش ہوگیا لیکن قبیلہ مصطلق کے افراد خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے ۔

رسول اکرم ﷺ نے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کا پیغام بھیجا کہ تم کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اسلام قبول کرلو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، تمہارے جان و مال محفوظ رہیں گے ۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے مقابلہ کرنے کو ترجیح دی بلکہ ایک ناعاقبت اندیش نے تیر چلا دیا جو ایک مجاہد کے جسم

میں پیوست ہو گیا۔ پھر کیا لڑائی بھڑک اٹھی ۔حضور ﷺ نے مجاہدین کو صف بندی کا خیال رکھتے ہوئے حملہ کرنے کا حکم دیا۔اس کے نتیجے میں دشمن کو بھاگنے کی کوئی مہلت نہ ملی۔ دشمنان اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس افراد موت کے منہ میں اتار دیے گئے اور باقی گرفتار کر لیے گئے جن کی تعداد چھ سات سو تھی۔ برہ بنت حارث بن ابی ضرار جو کہ سردار قبیلہ بنی مصطلق کی بیٹی تھی وہ بھی گرفتار ہوئی جبکہ اس کا خاوند مسافع بن صفوان میدان جنگ میں قتل ہوا۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ مرد اور عورتیں غلاموں اور کنیزوں کی صورت میں مسلمان مجاہدین میں بانٹ دیے گئے۔قبیلہ بن مصطلق کے سردار کی بیٹی برہ بنت حارث تقسیم کے وقت حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔وہ شاہی خاندان کی فرد تھیں۔ نازونعم سے پلی ہوئی تھیں۔اب وہ اسیر ہو کر لونڈی بن چکی تھیں۔ان کے سر پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔وہ بہت اذیت ناک لمحات سے دوچار تھیں۔وہ حضرت ثابت بن قیس سے مکاتبہ یعنی معاہدہ آزادی کے لیے تیار تھیں مگر ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔وہ موقع پا کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انتہائی سلیقے اور باوقار طریقے سے عرض کی: یا رسول اللہ! آپؐ کو معلوم ہے کہ میں سردار کی بیٹی ہوں اور بڑے نازونعم سے پلی ہوں۔اب حالات کی ستم ظریفی کے سبب بے دست و پا ہوں۔سنہری تخت سے گر کر بستر خاک پر آن پڑی ہوں۔میری آزادی کا معاہدہ نو اوقیہ سونے کی ادائیگی پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کے ساتھ ہو گیا ہے۔آپؐ جانتے ہیں کہ اتنی بڑی رقم کیسے ادا کر سکتی ہوں۔ میں یہ غلامی کی زندگی کیونکر گزار سکوں گی۔یا رسول اللہ! مجھ بے بس لاچار اور ناتواں پر نظر کرم فرمائیں۔

اس موقع پر حضرت عائشہؓ بھی آنحضور ﷺ کے پاس تشریف فرما تھیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں نے بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی برہ بنت حارث بن ابی ضرار کو دیکھا تو اس کے حسن و جمال ، چہرے کی ترو تازگی اور گفتگو کرنے کے سلیقے کو دیکھ کر میں دنگ رہ گئی۔برہ بنت حارث نے اس موقع پر دین اسلام قبول کرنے کی حامی بھی بھری۔ برہ بنت حارث مسلمان ہو گئیں تو اسلام قبول کرتے ہی وہ حضرت ثابت بن قیس کی غلامی سے آزاد کر دی گئیں۔

غزوہ بنی مصطلق میں سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا مگر جب اسے اپنی بیٹی برہ کے اسیر ہونے کی اطلاع ملی تو وہ واپس آ گیا۔عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ

حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوا تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائے ۔ جب منزل کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی پسند کے دو اعلیٰ نسل کے اونٹ وادی عتیق میں چپکے سے چھپا دیئے جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

حارث بن ابی ضرار باقی اونٹ لے کر سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور فدیہ کے طور پر اونٹ دے کر اپنی بیٹی کو آزاد کرانا چاہا۔آنحضور ﷺ نے حارث بن ابی ضرار سے پوچھا کہ وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم وادی عتیق میں چھپا کر آئے ہو۔

حارث بن ابی ضرار نے آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو مجسمہ حیرت بن گیا کیونکہ ان دو اونٹوں کا سوائے اس کے کسی کو پتہ نہ تھا۔اس نے سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے پوچھا کہ آپؐ کو کیونکر اطلاع ہوئی کہ دو اونٹ چھپا دیے گئے ہیں؟۔ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔یہ سنتے ہیں حارث بن ابی ضرار سرور کائناتؐ کی رسالت کا قائل ہوگیا۔اس نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

حارث بن ابی ضرار کے مسلمان ہوتے ہی اس کے تمام ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔حضرت حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت برہ بنت حارث بھی چونکہ مسلمان ہو چکی تھیں اور اب اسیر بھی نہ رہیں تھیں، وہ اپنے والد کے ساتھ جانے کو تیار نہ تھیں۔آنحضور ﷺ حضرت برہ بنت حارثؓ سے بہت متاثر ہوئے اور آپؐ نے اس کے والد حضرت حارثؓ سے اس کی بیٹی برہ سے نکاح کے لیے اپنا نام تجویز کیا۔ حضرت حارث بن ابی ضرارؓ کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔وہ خوشی خوشی رضامند ہو گئے۔ جب حضرت برہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

چنانچہ حضرت برہ کا نکاح سردار دو جہاں، ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بعوض چار سو درہم میں طے ہوا۔مہر ادا کر دیا گیا اور ان کا عقد ہو گیا۔آپ ﷺ کو برہ نام پسند نہیں تھا اس لیے آپؐ نے اپنی پسند کا نام جویریہؓ رکھ دیا۔اب حضرت برہؓ ام المومنین حضرت جویریہؓ بن گئی تھیں۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ، ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ اور حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے نام بھی برہ ہی تھے۔ یہ نئے نام آپؐ نے رکھے۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کی آمد سے

تین راتیں پہلے خواب میں دیکھا کہ چاند مدینہ منورہ کی جانب سے چلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر گیا۔ میں نے یہ خواب کسی کو بتانا پسند نہ کیا۔ جب ہم گرفتار ہوئے تو میں نے خواب پورا ہونے کی امید کی تو آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور میرے ساتھ شادی کر لی۔

ساقی کوثر آپ ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث سے نکاح کے بعد خوشی میں بنی مصطلق کے چالیس غلاموں کو آزاد کر دیا۔ دوسرے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ بنی مصطلق تو سرور کائنات ﷺ کا سسرال بن چکا ہے تو انہوں نے آنحضور ﷺ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے حصے کے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس نکاح کی برکت سے بنی مصطلق کے تمام قیدی غلامی سے نجات حاصل کر کے آزاد ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار اس عظیم المرتبت خاتون کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہم نے کوئی خاتون حضرت جویریہ بنت حارثؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے باعث برکت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بنی مصطلق کے سینکڑوں افراد خانہ کو آزادی عطا کی۔

ان افراد نے آزادی کے بعد دین اسلام قبول کر لیا اور یوں حضرت جویریہ بنت حارثؓ کو ام المومنین بننے کی سعادت حاصل کرنے کے علاوہ دو اعزاز اور بھی حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ ان کے سبب قوم کے افراد آزاد ہوئے اور دوسرا یہ کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت جویریہ بنت حارث کا بھائی عبداللہ بن حارث بھی میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا، جب اس کے علم میں آیا کہ اس کی بہن مسلمانوں کی قید ہو کر کنیز بن گئی ہے تو وہ کچھ اونٹ لے کر بطور فدیہ پیش کرنے کے لیے معلم کائنات حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تاکہ فدیہ دے کر اپنی بہن کو آزاد کرا سکے مگر اسے معلوم ہوا کہ اس کا والد بھی مسلمان ہو چکا ہے۔ اس کی بہن نہ صرف مسلمان ہو چکی ہے بلکہ ام المومنینؓ کا مرتبہ حاصل کر چکی ہے تو عبداللہ بن حارث بھی مسلمان ہو گیا۔

حضور ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارثؓ کے لیے مسجد نبویؐ کے قریب ہی حجرہ بنوا دیا۔ اس سے پہلے آپؐ کے نکاح میں امہات المومنینؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ بنت عمر، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ موجود تھیں۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث کی بھی دیگر ازواج مطہرات کی طرح باری مقرر ہو گئی۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث ظاہری حسن و جمال کے ہمرکاب باطنی حسن و جمال کی

دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ آپؓ نہایت عبادت گزار خاتون تھیں۔ آپؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت شعار تھیں۔ آپؓ کے تعلقات باقی تمام ازواج مطہراتؓ سے بہت خوشگوار تھے۔ آنحضور ﷺ تمام ازواج مطہراتؓ کی طرح حضرت جویریہؓ بنت حارث سے مشفقانہ سلوک کرتے تھے اور آپؓ کی تمام ضروریات کا خیال فرماتے تھے۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ کی شادی کو ابھی چھ سال کا عرصہ ہی گذرا تھا کہ قرآن مجسم حضرت محمد ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؓ بیوہ ہوگئیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر چھبیس سال تھی۔ رسول مکرم ﷺ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام ازواج مطہرات کے اخراجات کے لیے برابر رقم فراہم کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں ازواج مطہرات کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کر دیا لیکن ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث اور ام المومنین حضرت صفیہؓ کا وظیفہ چھ چھ ہزار مقرر کیا۔ دونوں نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا، میں نے دیگر ازواج مطہرات کا وظیفہ دوگنا ان کی ہجرت کی بنا پر کیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: رسول رحمت ﷺ ہم میں ہر چیز برابر تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ بات سن کر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے سب ازواج مطہرات کا وظیفہ برابر بارہ ہزار مقرر کر دیا۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ ایک روایت ۵۶ ہجری کی بھی ہے۔ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کا دور تھا۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں مروان بن الحکم گورنر تھے۔ انہوں نے ام المومنین حضرت جویریہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کو باقی ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ۹۷

حضرت سلمیٰ (ام المنذرؓ):

مدینہ منورہ میں صبح اسلام کی خوشخبریوں کی چمک آشکار ہوئی۔ بتوں کی تاریکی ہمیشہ کے لیے چھپ گئی۔ روشن عقل و دانش والے حیرت انگیز حد تک تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے۔ اس خوشگوار پیش قدمی میں خواتین کا بہت بڑا حصہ تھا۔ بنو نجار کی بیشتر معزز خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں سلمیٰ بنت قیس بن عمرو الانصاری النجاریہ بھی تھیں۔ ان کی کنیت ام المنذر تھی اور یہ سلیط بن قیس الانصاری کی ہمشیرہ تھیں۔

ام المنذر نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے پہلے بیت المقدس اور کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، انہیں رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بڑا ممتاز مقام حاصل تھا۔ ام المنذر آپؐ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ کی طرف سے آپؐ کی خالہ لگتی تھیں۔ ام المنذر کو دو مبارک بیعتیں کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ان دونوں کا ثبوت ان کی سیرت سے ملتا ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے اور اسی لیے ان کا نام دو بیعتوں کی محافظ کے طور پر لیا گیا۔

امام بخاریؒ حضرت عروہ بن زبیرؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مہاجر مومن خواتین کا امتحان لیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیت پیش کرتے تھے:

> ترجمہ: اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی۔ چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے کر ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔[۹۸]

جو مومن خاتون ان شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے اقرار کر لیتی تو اسے رسول اللہ ﷺ فرماتے: میں نے تیری بیعت لے لی۔ یہ زبانی کہتے، اللہ کی قسم آپ نے کسی خاتون سے بیعت لیتے وقت ہاتھ نہیں ملایا۔ ام المنذر فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی میرے ساتھ انصار کی کچھ اور خواتین بھی تھیں۔ ہمارا ارادہ آپؐ کی بیعت کرنا تھا، جب آپؐ نے یہ شرائط پیش کیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، ہم چوری نہ کریں اور نہ ہم زنا کریں اور نہ ہی اولاد کو قتل کریں، کسی پر بہتان تراشی نہ کریں، معروف کاموں میں ہم نافرمانی نہ کریں اور آپ نے یہ بھی کہا کہ تم اپنے خاوندوں کو دھوکا بھی نہیں دو گی۔ فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ کی بیعت کی اور پھر واپس آ گئیں۔

میں نے ان میں سے ایک خاتون سے کہا تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپؐ سے یہ دریافت کرو کہ خاوندوں کے ساتھ دھوکے سے آپؐ کی کیا مراد ہے؟۔ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا'' وہ

مال تو خاوند کا استعمال کرتی ہے اور دل لگاؤ کسی اور سے ہے"۔ام المنذر نے خوب اچھی طرح بیعت کی اور اس سے بہت زیادہ برکت حاصل کی۔

اگر چہ اسلام بعض مواقع میں مرد و زن کے درمیان مقاربت و مساوات کا منظر پیش کرتا ہے مثلاً: رقت قلب، لطافت وجدان اور شرف انسانی کے اعتبار سے مرد و زن میں یکسانگی دکھائی دیتی ہے لیکن ام المنذرؓ کے نصیب میں جو عزت، شرافت اور عظمت آئی اس لحاظ سے وہ مردوں سے ممتاز دکھائی دیتی ہیں۔

اسلام میں عورت کی شرافت و کرامت کا پرتو اس کی سیرت و شخصیت پر پڑتا ہے۔وہ اس کے حاضر و غائب پر مشتمل ہوتی ہے۔اس کا حق ہے کہ وہ ہر طرح کی رعایت و عنایت کی مستحق سمجھی جائے اور اس کا نام عزت و عظمت سے لیا جائے۔عہد نبویؐ میں عورت خوف زدہ کو پناہ دیتی اور قیدی کو چھڑاتی، یہ حیرت اس کی عزت، احترام اور مقام و مرتبے کو ظاہر کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ام المنذرؓ نے ایک شخص کو پناہ دے دی۔اس کی پناہ کو قبول کیا گیا یہ واقعہ غزوہ بنو قریظہ میں پیش آیا جبکہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کے یہودیوں کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ ان مردوں کو قتل کیا جائے، ان کے مال تقسیم کر دیے جائیں۔عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

حکم کے نفاذ کا آغاز ہوا ان لمحات میں ام المنذر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ہدایت کی جماعت میں شامل تھیں۔ام المنذر نے رسول اقدس ﷺ سے عرض کی کہ رفاعہ بن سموال قرظی کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔اس نے ان سے پناہ طلب کی تھی۔وہ انہیں پہلے سے جانتا پہچانتا تھا۔

ام المنذر نے کہا:

اے اللہ کے نبی ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، رفاعہ بن سموال قرظی میرے حوالے کر دیں۔اس نے اس ارادے کا اظہار کیا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا۔نبی کریم ﷺ نے اسے حوالے کر دیا اور فرمایا اگر وہ نماز پڑھے گا تو اس کے لیے بہتر ہوگا اور اگر اپنے دین پر گامزن رہا تو اس کے لیے برا ہوگا۔

رفاعہ نے اسلام قبول کر لیا۔اسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور حدیث روایت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔رفاعہ بن سموال ام المومنین حضرت صفیہ بنت حییؓ کا ماموں تھا۔غزوۂ بنو قریظہ

میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق یہودیوں کے بچے اور عورتیں مجاہدین میں تقسیم کردیئے گئے تو ریحانہ بن زید بن عمرو کو نبی کریم ﷺ کی کنیز بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے اسے آزاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے کنیز بن کر رہنا ہی پسند کیا اور ساری زندگی اس صورت میں گزار دی۔

رسول اللہ ﷺ ام المنذر کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے او رو ہاں کھانا بھی تناول کرلیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی تھے۔ وہ بیمار دکھائی دیتے تھے۔ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ام المنذر کے ہاں سے کھانا کھاؤ تمہیں شفاء حاصل ہو گی۔

حضرت ام المنذرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر پہلی بیعت کی سعادت اس وقت حاصل کی جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور دوسری بار بیعت حدیبیہ میں درخت کے نیچے ۶ ہجری کو کی تھی جسے بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ام منذرؓ کو دو بیعتوں والی کہا جاتا تھا۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب و کامران ہوئیں۔ [99]

تبصرہ :

رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی آخری بنیاد آپؐ کے ساتھ ہماری محبت ہے۔ دین میں وہ ایمان یا اطاعت معتبر نہیں جس کی بنیاد حبّ رسول ﷺ پر نہ ہو۔ محبت محض ظاہری اور رسمی مطلوب نہیں بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام دوسری محبتوں پر غالب آ جائے جس کے مقابل محبوب ترین تعلقات اور پسندیدہ ترین اشیاء کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

حبّ رسول ﷺ سے مراد جبلّی اور حسی محبت نہیں بلکہ عقلی اور شرعی محبت ہے۔ اس محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ مومن اپنی خواہشات کو اس ہدایت اور دین کے تابع کر دے جو رسولؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں، یعنی ایک شخص مومن کامل تبھی ہوسکتا ہے جب وہ جملہ امور و معاملات میں مکمل طور پر رسول ﷺ کے ساتھ محبت رکھے اور صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی خواہشات، جذبات، احساسات اور طبعی میلان کو شرعی احکام کے تابع کر دے۔ اگر دل سے وہ احکام اسے پسند ہوں تو بھی انہیں دین سمجھ کر بجا لائے اور اگر پسند نہ ہوں تو اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے سر تسلیم خم کر دے۔

پہلی صدی ہجری کی خواتین میں حضورؐ کی محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔حضورﷺ کی حمایت و خدمت میں انہوں نے ہرطرح کی تکالیف کا سامنا کیا۔اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر آپﷺ کی ہرقدم پر حمایت کی۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے قریبی رشتہ دار بھی ان سے روٹھ گئے اور ان کی جان کے دشمن بن گئے تھے لیکن ان کے دل میں رسولؐ کی محبت نے ایسا گھر کرلیا تھا کہ وہ حضورﷺ کے مقابلے میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی ٹھکرانے کے لیے تیار ہوگئیں۔حضورﷺ کی خدمت میں بھی انہوں نے کوئی قصر نہ چھوڑی۔ جہاں تک حضورؐ کے احکامات کی پابندی تھی اس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اوران کے احکامات کی پابندی کو اپنے لیے لازم قرار دے دیا تھا۔ان کی یہ خدمات رہتی دنیا تک ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ابن جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج:۱، ص۴۲،۷۳

۲۔ ایضاً، ص ۷۹

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۴۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۸، ص ۳۰۶

۵۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۴۵

۶۔ ایضاً، ج: ۸، ص ۴۶

۷۔ ام حرام بنت ملحان بن خالد کی بیٹی ہیں۔قبیلہ بنو نجار سے ہیں۔ یہ ام سلیم کی بہن ہیں۔ یہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی بیوی ہیں۔ سرزمین روم میں اپنے شوہر کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔
(ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، اسماء الرجال مشکوۃ المصابیح ترجمہ مولانا اشتیاق احمد، مولانا معراج الحق، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ص ۲۸)

۸۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب الجہاد والسیر، باب ''جہاد اور شہادت کے لیے مرد اور عورت دونوں کا دعا کرنا''، جلد اول، ص ۶۹، ۷۰

۹۔ رباب دختر کعب بن عدی بن عبدالاشہل، یہ خاتون حذیفہ، سعد اور صفوان کی والدہ اور یمان کی زوجہ تھیں۔حضورؐ سے بیعت کی۔
(امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ترجمہ غلام ربانی عزیز، مکتبہ نبویہ، لاہور، ج: ۱۰، ص ۱۰۵)

۱۰۔ حذیفہ بن الیمان: رسولؐ کی وفات کے وقت دبا کے عامل تھے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۵، ص ۴۷۲

۱۱۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، ج: ۵، ص ۲۰۸

۱۲۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب ''آنحضرت ﷺ اکثر کیونکر قسم کھاتے تھے''، ج ۳، ص ۶۴۸

۱۳۔ ابن جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، جلد اول، نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۱۳۳، ۱۳۴

۱۴۔ اروی بنت عبدالمطلب: آپ کی والدہ کا نام فاطمہ ہے، آپ جاہلیت میں عمیر بن وہب کے نکاح میں تھیں۔ جن سے آپ کا ایک بچہ طلیب پیدا ہوا۔ پھر آپ سے ارطاۃ بن شرجیل نے نکاح کیا جن سے ایک بچی فاطمہ پیدا ہوئی پھر آپ مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۶۲)

۱۵۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد ۱۰، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۳ھ، ص ۲۴

۱۶۔ طلیب بن عمیر بن وہب کی والدہ کا نام اروی بنت عبدالمطلب تھا۔ طلیب دار ارقم میں مسلمان ہوئے اور اپنی والدہ کو بھی مسلمان کیا۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص ۶۲)

۱۷۔ علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ترجمہ: مولانا اختر فتح پوری، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۷، ص ۸۹

۱۸۔ جابر بن عبداللہؓ: ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ یہ انصار میں قبیلہ سلم سے ہیں۔ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار ان حضرات صحابہؓ میں ہوتا ہے جنھوں نے حدیث کی روایت کثرت سے کی ہے۔ غزوہ بدر اور اس کے بعد پیش آنے والے اٹھارہ غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ ان سے ایک بڑی جماعت نے حدیث کو نقل کیا ہے۔ ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، اسماء الرجال، مشکوۃ المصابیح، ص ۱۶)

۱۹۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، ج: ۵، ص ۳۱۷

۲۰۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، تحقیق: الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء، ج: ۶، ص ۱۱۴، ۱۱۵

۲۱۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، ج: ۵، ص ۴۴۱، ۴۴۲

۲۲۔ ام ایوب انصاریہ جو ابو ایوب کی زوجہ تھیں۔ ان کے والد کا نام قیس بن عمرو بن امراء القیس تھا جو بنو خزرج سے تھے۔ (امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۱۰، ص ۲۷۶)

۲۳۔ ابو ایوب: آپ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ آپ کو مکہ کا قاضی مقرر کردیا گیا تھا پھر معزول کردیا گیا پھر آپ بصرہ تشریف لے آئے اور مرتے دم تک بصرہ ہی میں رہے۔ آپ ۲۲۴ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں بصرہ میں فوت ہوئے۔ (محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۷، ص ۳۲۰)

۲۴۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع الترمذی، ابواب الطعام، باب "پکا ہوا لہسن کھانے کی اجازت"، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ج اول، ص ۸۶۳، ۸۶۴

۲۵۔ ایضاً، کتاب اللباس، باب "کپڑے میں پیوند لگانا"، ج: ۱، ص ۸۵۲

۲۶۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبیؐ، ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب، مولانا محمد زکریا اقبال، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، ص ۵۹۴

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۵۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۳۹۰

۲۹۔ صحیح البخاری، کتاب الحج، ترجمہ علامہ وحید الزمان، باب "من قلد قلائد بیدہ"، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی، ج: ۴، ص ۲۹۳، ۲۹۴

۳۰۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا راغب رحمانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ج: ۳، ص ۱۶۴

۳۱۔ ام المنذر دختر قیس انصاریہ۔ ان کا نام سلمیٰ تھا۔ اہل مدینہ ان کی حدیث کے راوی ہیں۔ (امام ابی الحسن الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۱۰، ص ۳۵۵)

۳۲۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، جلد۱۰، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۳ھ، ص ۳۵۵

۳۳۔ الجامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ''سالن مبارک''، ج: ا، ص ۸۵۲، ۸۵۳

۳۴۔ ایضاً، باب ''بستر مبارک'' ص ۸۸۹

۳۵۔ الصحیح المسلم، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، باب ''جانوروں کی صورت بنانا حرام ہے''، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی، ج:۵، ص ۳۰۴، ۳۰۵

۳۶۔ صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، باب ''عورتوں کا جہاد کیا ہے'' جلد دوم، ص ۱۰۰

۳۷۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ترجمہ: عبدالغفار، باب ''ان امور کا بیان جن کے جہمیہ منکر ہیں'' مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر۲، ص ۵۶

۳۸۔ الجامع الترمذی، ابواب صفتہ القیامتہ، باب ''پردہ پوشی''، جلد دوم، ص ۱۶۸

۳۹۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ترجمہ: عبدالغفار، باب ''بوسہ لے کر وضو کرنے کا بیان''، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر۲، ص ۵۷، ۵۸

۴۰۔ ایضاً، باب ''ان احادیث کا بیان جن میں مسافر اور مقیم کے مسح کی مدت کا تقرر ہے''، ص ۶۴

۴۱۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث البحستانی، سنن ابو داؤد، ترجمہ علامہ وحید الزمان، کتاب الصلوۃ، باب ''پتھروں سے استنجا کرنے کا بیان''، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، ج: ا، ص ۵۵

۴۲۔ ایضاً، باب ''جماع کے سوا اور سب کام حائضہ سے کر سکتا ہے'' ص ۱۱۰، ۱۱۱

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۴۴۔ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف، مترجم: مولانا عبدالعلیم ولعی، جلد دوم، مکتبہ رحمانیہ، ۱۸ اُردو بازار، لاہور، ص ۴۱۴

۴۵۔ صحیح البخاری، کتاب بدا الخلق، جلد دوم، ص ۳۶۶، ۳۶۷

۴۶۔ ایضاً، کتاب التفسیر، باب ''واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیمکی تفسیر''، ص ۷۸۱، ۷۸۲

۴۷۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مترجم: عبدالغفار، باب "سانپ اور بچھو کا بیان"، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی نمبر۲، ص ۵۷، ۵۸

۴۸۔ صحیح البخاری جدید، ترجمہ: مولانا ظہور الباری اعظمی، کتاب العلم، باب "ایک شخص کوئی بات سنے اور نہ سمجھے تو دوبارہ دریافت کر لے" جلد اول، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور، ص ۹۳

۴۹۔ صحیح البخاری، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب العلم، باب "علم میں شرم کرنا کیسا ہے" ج:۱، ص ۱۶۱

۵۰۔ الصحیح المسلم، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب الطہارت، باب "غسل جنابت کی صفات" جلد اول، ص ۴۳۸، ۴۳۹

۵۱۔ ایضاً، ص ۴۴۱

۵۲۔ صحیح البخاری، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب المناقب "بعثت کے بعد نبوت کی علامات" جلد دوم، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، ص ۳۸۸

۵۳۔ ایضاً، باب "آنحضرت ﷺ کے حلیہ اور اخلاق کا بیان"، ص ۳۹۱

۵۴۔ الصحیح المسلم، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، مساقات اور مزارعہ کے مسائل، باب "شراب پینا حرام ہے" جلد چہارم، ص ۴۰۰

۵۵۔ صحیح البخاری، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب التفسیر باب "الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض کی تفسیر"، جلد دوم، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، ص ۸۲۰، ۸۲۱

۵۶۔ الجامع الترمذی، ابواب جہاد، باب "حاملہ قیدی عورتوں سے صحبت ناجائز ہے"، جلد اول، ص ۷۷۸

۵۷۔ صحیح البخاری، ترجمہ: علامہ وحید الزمان، کتاب التفسیر، باب "ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سآئبۃ ولا وصیلۃ ولا حام کی تفسیر"، جلد دوم، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، ص ۸۴۶

۵۸۔ ایضاً، باب "قولہ و لیضربن بخمرھن علی جیوبھن کی تفسیر"، ص ۹۵۲

۵۹۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب "اللہ تعالیٰ کا (سورۃ مائدہ) میں فرمانا چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو"، ص ۷۰۵، ۷۰۶

۶۰۔ صحیح البخاری جدید، ترجمہ: مولانا ظہور الباری اعظمی، کتاب الغسل، باب ''جس نے جماع کیا اور پھر دوبارہ کیا اور جس نے اپنی کئی بیویوں سے ہم بستر ہو کر ایک غسل کیا'' جلد اول، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور، ص ۱۵۰، ۱۵۱

۶۱۔ ایضاً، باب ''جس نے اپنے سر کے داہنے حصے سے غسل شروع کیا''، ص ۱۵۳

۶۲۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت، ترجمہ: عبدالغفار، باب ''جنب کو چاہیئے کہ نماز کی طرح وضو کر کے سوئے اور اس کے بغیر نہ سوئے''، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۲، ص ۶۷

۶۳۔ الصحیح المسلم، ترجمہ: مولانا وحید الزمان، کتاب الطہارت، باب ''پیشاب کرتے وقت ستر کو چھپانا'' جلد اول، ص ۴۵۶، ۴۵۷

۶۴۔ صحیح البخاری جدید، ترجمہ مولانا ظہور الباری اعظمی، کتاب الحیض، باب ''استحاضہ کی حالت میں اعتکاف'' جلد اول، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور، ص ۱۶۴

۶۵۔ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، مؤطا امام محمد، کتاب الصلوٰۃ، مترجم: خواجہ عبدالوحید، باب ''ناپاک جگہ سے گندگی کے کپڑے پر لگ جانے کا بیان''، تاجران کتب قرآن محل، کراچی، ص ۱۲۶

۶۶۔ سالم بن عبداللہ، ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ سالم کی کنیت ابوعمیر تھی، سالم بن عبداللہ کی وفات آخر ذی الحج ۱۰۶ھ میں ہوئی۔ اس روز ہشام بن عبدالملک (خلیفہ) مدینے ہی میں تھا۔ اس نے اس سال لوگوں کو حج کرایا تھا۔ پھر وہ مدینے آیا تو سالم بن عبداللہ کی وفات میں شریک ہوگیا۔ اسی نے ان پر نماز پڑھی۔

(محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ج: ۵، ص ۲۰۲

۶۷۔ ام کلثوم بنت ابوبکر صدیقؓ۔ ان کو حضورؐ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ان کی پیدائش حضورؐ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اور ان کی والدہ کا نام خارجہ تھا۔ جن کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عائشہؓ کو وصیت کی تھی کہ میرے اندازے کے مطابق تمہاری سوتیلی والدہ اگر میری وفات کے بعد لڑکی جنے تو اس کا نام ام کلثوم رکھنا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسے حضرت ابو بکرؓ کی کرامت شمار کرتے ہیں۔ (اسد الغابہ، ج: ۱۰، ص ۳۴۳)

۶۸۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، حیدرآباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، ج: ۲، ص ۳۷

۶۹۔ القرآن: ۳۳: ۵

۷۰۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، حیدرآباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، ج: ۲، ص ۳۷

۷۱۔ ایضاً، ص ۳۸

۷۲۔ مئوطا امام محمد، ترجمہ خواجہ عبدالوحید، کتاب الفرائض، باب ''جھاڑ پھونک کا بیان'' ص ۴۰۳، ۴۰۴

۷۳۔ امام مالک بن انسؒ، مئوطا امام مالک، مترجم: علامہ وحیدالزمان، کتاب الطہارۃ، باب ''سر اور کانوں کے مسح کا بیان''، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور، ص ۳۶

۷۴۔ الجامع لترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ''بالغہ عورت کی نماز کے لیے دوپٹہ ضروری ہے''، ص ۲۴۴، ۲۴۵

۷۵۔ علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبی ﷺ، ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب مولانا محمد زکریا اقبال، کراچی: دارالاشاعت، ص ۵۵۴

۷۶۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد ۱۰، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۳ھ، ص ۱۴۶۔۱۴۷

۷۷۔ القرآن، ۶۲: ۴

۷۸۔ صحیح البخاری، ترجمہ علامہ وحیدالزمان، کتاب التفسیر، باب ''قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرّحکن سراحا جمیلا کی تفسیر''، جلد دوم، ص ۹۶۸

۷۹۔ القرآن: باب ''ترجی من تشاء کی تفسیر''، ص ۹۶۰، ۹۷۰

۸۰۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، مترجم: محمد اصغر مغل، کراچی: دارالاشاعت اردو بازار، ۲۰۰۶ء، ج: ۲، ص ۴۰۴، ۴۰۵

۸۱۔ ایضاً، ص ۳۹۶

۸۲۔ صحیح مسلم، ترجمہ علامہ وحیدالزمان، جلد ۵، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی، ص ۳۶۶

۸۳۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مترجم: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳، ۴، ص ۶۲۷ تا ۶۲۹

۸۴۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، ترجمہ: مولانا عبداللہ العمادی، حیدر آباد دکن: دارالطبع جامعہ عثمانیہ، جز: خامس، حصہ دوم، ص ۱۹

۸۵۔ ایضاً، ص ۱۹

۸۶۔ ایضاً، ص ۲۱، ۲۲

۸۷۔ ایضاً، ص ۲۲

۸۸۔ ایضاً، ص ۲۵

۸۹۔ القرآن: ۳۳:۳۷

۹۰۔ ایضاً، ۳۳: ۳۷، ۳۸

۹۱۔ ایضاً، ۳۳: ۴، ۵

۹۲۔ ایضاً، ۳۳: ۳۸، ۳۹

۹۳۔ ایضاً، ۳۳: ۵۰

۹۴۔ ایضاً، ۳۳: ۴۰

۹۵۔ ایضاً، ۳۳: ۹

۹۶۔ علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی، تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مترجم: پروفیسر کوکب شادانی، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ج: ۳، ۴، ص ۵۷۵ تا ۵۷۶

۹۷۔ امام ابی الحسن علی الجزری ابن اثیر، علامہ، اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، جلد ۱۰، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۳ھ، ص ۶۵۔۶۶

۹۸۔ القرآن: ۶۰:۱۲

۹۹۔ الجامع الترمذی، کتاب الاطعمۃ عن رسول اللہ ﷺ، ج اول، ص ۸۵۲

باب ہفتم

نتائج بحث

خلاصہ:

مقالہ میں تحقیقی مواد کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول "پہلی صدی ہجری کی خواتین کی علمی خدمات پر مشتمل ہے"۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین علم وفضل میں اوج کمال پر تھیں اور قرآن حکیم کی تلاوت سے انہیں خاص شغف تھا۔کسی لمحہ بھی وہ قرآن کریم کی تلاوت سے غافل نہ ہوتیں۔یہاں تک کہ اگر روٹی پکا رہی ہوتیں تھیں یا بچوں کو پنکھا جھول رہی ہوتی تھیں تو تب بھی نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرتی جاتی تھیں۔قرآن کے مطالب و معانی اس قدر عمدہ طریقے سے بیان کرتی تھیں کہ بڑے بڑے صحابہؓ بھی ان کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں اور بعض صحابیات نے تو پورا پورا قرآن حفظ کیا ہوا تھا۔ان کو قرآن پر بھرپور دسترس حاصل تھی۔وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا تھیں۔ایک خاتون خانہ کا کردار خاندانی زندگی کی تعمیر و ترقی اور اسی طرح اس کو بگاڑنے میں بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ گھریلو زندگی کی عمارت کی اساس اور خاندانی نظام کی بنیاد ہے۔اگر یہ خشت اول صحیح ،مضبوط اور ٹھیک ہوگی تو زندگی میں نکھار اور جاذبیت پیدا ہوگی بصورت دیگر گھریلو زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

خاتون خانہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام کے دور اول میں ہادیٔ برحق نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی لونڈیوں اور کنیزوں تک کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔صحابہ کرامؓ اس حکم پر عمل کرتے تھے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ دور اول کی خواتین درس و تدریس کے میدان میں مردوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہیں۔ تاریخ اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ کئی مسلم خواتین کو علم کے مختلف شعبوں میں اس قدر بلند مقام و مرتبہ حاصل تھا کہ بہت سے علماء فضلاء ان سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوتے تھے۔بعض خواتین باقاعدہ درس کا اہتمام کرتی تھیں اور ان کے درس سے نہ صرف خواتین بلکہ علماء بھی مستفید ہوتے تھے۔

امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہؓ کی دانشمندی اور رائے کی معقولیت کا پتہ اس وقت چلا جب صلح نامہ حدیبیہ تحریر کیا گیا۔ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اس صلح کو قبول کریں اور قربانی کے جانور ذبح کریں لیکن چونکہ صحابہ کرامؓ اس صلح نامہ کی شرائط سے ناخوش تھے اس لیے انہوں نے قربانیاں دینے اور سر منڈانے میں تامل کیا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کے خیمے میں تشریف لے گئے اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر باہر تشریف لے جائیں، اپنے حجام کو حکم دیں کہ آپؐ کا سر مونڈے اور پھر قربانی کے جانور ذبح کر دیں۔ آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول کیا اور آپ کی پیروی کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے سر منڈوائے اور اپنے اپنے جانور قربان کر دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے پہلی دفعہ خواتین کو عزت و شرف سے ہمکنار کیا۔ عورت کے فرائض کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کو بھی واضح کیا۔ ماقبل اسلام بلکہ آج بھی اکثر معاشروں میں عورت کو ایک مجبور و مقہور اور قابل نفرت طبقہ سمجھا جاتا ہے۔

تیسرا نتیجہ علم حدیث اور علم فقہ میں پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات ہیں کیونکہ بہت سارے ایسے مسائل جن میں صحابہ میں اختلاف پیش آتا تو وہ لوگ فیصلہ کے لیے صحابیات کی عدالت میں رجوع کرتے اور وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں سب کے جوابات دیتیں۔ مزید اہل ایمان پر ان کی روحانی شفیق ماؤں کا یہ ناقابل فراموش عظیم احسان ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دین کی تعلیمات کو اصل صورت میں پیش کیا۔ بالخصوص ان مسائل اور معاملات کے بارے میں جن کا تعلق خاص طور پر طبقۂ نسواں سے ہے۔

چوتھا نتیجہ علم اسرار الدین میں پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات ہیں۔ اسرار شریعت کی جتنی واقفیت خواتین اسلام کو تھی اتنی صحابہ میں جو لوگ شریعت کے راز داں تھے وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ نہ تھے لیکن خواتین اسلام نے ان سربمہر خزانوں کو سب سے زیادہ وقف عام کیا۔

باب دوم میں پہلی صدی ہجری کی خواتین کی مذہبی خدمات کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔

پانچواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین فصاحت و بلاغت میں کمال درجہ

رکھتیں تھیں کیونکہ حسن و جمال کے اوصاف و محاسن کو جب شمار کیا جائے تو کلام کا حسن ان پر بازی لے جائے گا۔اس لیے کہ حسن و جمال کے معنی کا پرتو صرف جسم ہوتا ہے جبکہ کلام کا حسن روح اوردل سے کشید ہوتا ہے اور اپنی اسی فصاحت و بلاغت کی بدولت خواتین اسلام نے پہلی صدی ہجری میں دعوت و تبلیغ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

چھٹا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نکاح وہی اچھا ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق کیا جائے۔یعنی یہ کہ اسلام نے نکاح کے لیے اصول وضوابط متعین کیے ہیں لہٰذا قرآن و حدیث کے نکاح سے متعلق احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح کرنا اوران احکامات کو خوش اسلوبی سے بجا لانا ہی اچھا نکاح کہلاتا ہے۔

ساتواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں ہر صاحب حیثیت اور استطاعت رکھنے والے مسلمان پر حج صرف ایک بار فرض ہے۔حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔حج کی عبادات کا بہت ثواب ہے۔

آٹھواں نتیجہ یہ ہے کہ بدعت مذہب کے لیے بمنزلہ گھن کے ہے اورعورتیں قدیم رسم و رواج اورقدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتیں ہیں لیکن صحابیات نے ہرموقعہ پر ان کی سرزنش کی اوران سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔باب سوم پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات میں سے معاشرتی خدمات کو نمایاں کرتا ہے۔

نواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صحابیات حضورﷺ کی زیرتربیت رہنے کی وجہ سے نہ صرف خودشوہر کے حقوق سے واقف تھیں بلکہ دوسری خواتین کو بھی شوہر کے حقوق سے آگاہ کرتیں رہتی تھیں۔ ان کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہروں سے کبھی حرف شکایت نہیں کی، چاہے حالات جیسے بھی ہوں بلکہ ہرمشکل گھڑی میں اپنے شوہروں کی حوصلہ افزائی کی۔

دسواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین کی محبت مثالی تھی ۔ چاہے وہ شوہر سے ہو یا اولاد اور بہن بھائیوں سے۔اپنی اولاد کے ساتھ محبت تو فطری سی بات ہے لیکن صحابیات سوتیلی اولادوں کو بھی اپنی سگی اولاد کی طرح رکھتیں تھیں اور انہیں کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دیتی تھیں۔بعض صحابیات کے سر سے اپنے شوہر کا سایہ بھی چھن گیا لیکن انہوں نے اپنے بچوں کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کیا۔

گیارہواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین میں صدقہ و خیرات کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔اگرچہ ان کے گھر کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی،تنگی اورعسرت کی وجہ سے کئی پہروں گھر میں

چولہا نہ جلتا تھا۔ اس ضمن میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کا خیال بھی نہ فرماتیں اور حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کر دیتیں۔ صلہ رحمی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہاں تک کہ پڑوسیوں کے گھر میں خود جا کر دیکھتیں کہ کوئی بھوکا تو نہیں ہے اگر معلوم ہو جاتا کہ کسی پڑوسی کے گھر کھانا نہیں پکا تو اپنے گھر میں کھانا موجود ہوتا تو جا کر دے آتیں اور اگر نہ ہوتا تو اس بات پر دل گرفتہ ہو جاتیں۔

باب چہارم پہلی صدی ہجری کی خواتین کی جہادی خدمات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں بارھواں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صدی کی خواتین نے جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور انہوں نے لڑائی کے میدان میں بڑی بے خوفی اور دلیری سے اپنا کردار ادا کیا۔ اسلامی ریاست کی عورت اگرچہ اصولاً جہاد کے فریضہ سے مستثنیٰ ہے تاہم عندالضرورت وہ میدان جنگ میں جا کر زخمیوں کو سنبھالنے، ان کی مرہم پٹی کرنے، ان کے لیے پانی یا دوسری اشیاء ضرورت مہیا کرنے کی خدمات انجام دے سکتی ہے۔ صحابیات کی حیات طیبہ اس ضمن میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

باب پنجم پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات میں سے اخلاقی خدمات کو نمایاں کرتا ہے۔ اس باب کے تحت تیرھواں نتیجہ صحابیات کی ایثار و فیاضی ہے۔ ایثار و فیاضی میں حضرت عائشہؓ کی مثال بطور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اپنے لیے قبر کی جگہ مخصوص فرمائی تھی لیکن عمرؓ نے ان سے یہ جگہ اپنے لیے مانگی تو حضرت عائشہؓ نے یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا۔ تمام صحابیات میں ایثار و فیاضی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

چودھواں نتیجہ مخالف سے انتقام نہ لینا ہے لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدا اور رسولؐ کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ لہذا صحابیات نے کبھی کسی مخالف سے انتقام نہیں لیا بلکہ اس کی بڑی سے بڑی غلطی کو بھی معاف کر دیا تاکہ اسے ندامت ہو اور وہ آئندہ ایسے امور سے باز رہے۔

پندرھواں نتیجہ صحابیات کا صبر و ثبات ہے۔ صحابیات کی پوری زندگی صبر و قناعت تسلیم رضا کی زندگی ہے۔ انہوں نے ساری زندگی تنگدستی میں بسر کی مگر کبھی افلاس و عسرت سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوئیں اور اللہ کی رضا سے خوش تھیں۔

باب ششم پہلی صدی ہجری کی خواتین کی دینی خدمات کے حوالے سے اطاعت رسول کریم ﷺ کو نمایاں کرتا ہے۔ اس باب میں صحابیات کے ان اقدامات پر بحث کی گئی ہے۔ اطاعت رسول ﷺ کے حوالے سے یہ اقدامات تمام مسلمان خواتین کی راہنمائی کرتے ہیں۔

سولہواں نتیجہ پہلی صدی ہجری کی خواتین کی حضورؐ کی اطاعت کے حوالے سے ان کے شعار کو ظاہر کرتا ہے۔ خواتین اسلام میں چونکہ ازواج مطہراتؓ بھی شامل ہیں لہذا خود ان کا احوال کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی حمایت و خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور طبقہ نسواں پر ان کا ایک اور عظیم احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو کو بھی کھول کر بیان کیا تا کہ خواتین کے لیے رہنمائی کا باعث بنے۔ صحابیات نے حضورؐ کے احکامات پر عمل کر کے نہ صرف دنیا میں کامیاب زندگی گزاری بلکہ آخرت میں بھی سرخرو رہیں گی۔ اللہ تعالی ہمیں بھی ان خواتین جیسا بنا دے۔(آمین)

سفارشات رتجاویز

سن ہجری کی پہلی صدی کی خواتین کی دینی خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان خواتین مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل پیرا ہوں تو آج کی خواتین بھی دینی خدمات کے دھارے میں شامل ہوسکتی ہیں۔

۱۔ خواتین میں مذہبی و دینی شعور پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دینی مدارس قائم کیے جائیں اور ان میں قابل اساتذہ کو تعینات کیا جائے جو نہ صرف قرآن و حدیث کا عربی متن پڑھائیں بلکہ ترجمے کے ساتھ ان کو ایک ایک لفظ کی تشریح کر کے بتائیں اس لیے کہ جب تک وہ قرآن پاک کو سمجھ کر نہیں پڑھیں گی تب تک انہیں قرآن پاک سے خاص شغف نہیں ہوسکتا۔

۲۔ ماں کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہے۔ جب گھر کا ماحول ہی دینی نہیں ہوگا تو بچے بیچارے کا کیا قصور؟ صحابیات اگر روٹی پکا رہی ہوتی تھیں یا بچوں کو پنکھا جھول رہی ہوتیں تھیں تو تب بھی نہایت الحانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتی جاتی تھیں۔اس لیے کہ ان کی تربیت رسول کریم ﷺ کی زیرِ سرپرستی ہوئی تھی اور آج کل کی خواتین کی تربیت کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل کر رہا ہے گو کہ ان چیزوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن برائی میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔اس لیے ان چیزوں کا صحیح استعمال کم اور غلط زیادہ کیا جارہا ہے۔ اس لیے جگہ جگہ سیمینار منعقد کروائے جائیں، جہاں بڑے بڑے اسلامی سکالرز کا درس ہو اور خواتین کی شمولیت اس میں ضروری قرار دی جائے۔

۳۔ آج کل کی پڑھی لکھی خواتین کو چاہیے کہ وہ خود بھی اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری خواتین کو بھی جو کہ پڑھی لکھی نہیں ہیں اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں اور ہر محلے میں ہفتے میں کم از کم ایک درس ضرور رکھیں۔ اس درس میں بالخصوص ان مسائل اور معاملات کو زیرِ بحث ضرور لائیں جن کا تعلق خاص طور پر طبقہ نسواں سے ہے۔ایسا کرنے سے نہ صرف خواتین کی تربیت ممکن ہے بلکہ ان کے ساتھ بچوں کی شرکت سے ان کی شخصیت پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔

۴۔ خواتین اسلام پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اس کے لیے ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو انہیں دعوت و تبلیغ کے اصولوں سے روشناس کرائیں۔ ان کمیٹیوں کی ذمہ داری ہو کہ وہ خواتین کو گھر گھر جا کر اسلامی تعلیم سے بہرہ مند کریں اور اسلام کے

زریں اصولوں کو تشریح کے ساتھ بیان کریں تا کہ ایک عام عورت بھی اسلام کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکے اور اس پر عمل پیرا ہو سکے۔

۵۔ بدعات کا استحصال ہر ممکن طریقے سے کیا جائے کیونکہ یہ نسل در نسل منتقل ہوتی جاتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں۔اس کے لیے ممکن طور پر ہر گھر سے کم از کم ایک لڑکی کی تربیت ایسی ضرور کی جائے جو ہر موقع پر ان خواتین کی سرزنش کرے اور ان سے بچنے کی تلقین کرے۔

۶۔ صحابیاتؓ چونکہ حضورؐ کی زیر تربیت رہنے کہ وجہ سے شوہر کے حقوق سے نہ صرف خود واقف تھیں بلکہ دوسری خواتین کو بھی شوہر کے حقوق سے آگاہ کرتی رہتی تھیں، اس کے لیے ایسی معزز اور پڑھی لکھی خواتین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو صحابیات کا کردار ادا کریں اور ازدواجی زندگی کے متعلق مکمل علم حاصل کرنے کے بعد لڑکیوں کو بھی اس سے روشناس کرائیں کہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری بیوی کا اولین فرض ہے۔

۷۔ ہر محلے میں فنڈ زکمیٹیاں قائم کی جائیں اور ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق فنڈ دے۔ان میں خواتین کو خاص طور پر شامل کیا جائے۔اس لیے کہ انہوں نے زیورات کی زکوۃ بھی دینی ہوتی ہے اگر ان کے قریبی رشتہ داروں یا محلے والوں میں کوئی غریب نہ ہوتو ان کی اس زکوۃ سے کسی غریب کی مدد ہوسکتی ہے۔

۸۔ کالج کی سطح پر خواتین کو شہری دفاع اور NCC کے پروگرام ضرور کروائیں جائیں اور ان کو حکومتی سطح پر لازمی قرار دیا جائے تا کہ خواتین لڑائی کے میدان میں بڑی بے خوفی اور دلیری سے اپنا کردار ادا کرسکیں۔خواتین کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرنے کے لیے یہ پروگرام ضروری ثابت ہوں گے۔اس سے نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے ان کی تربیت ہوسکتی ہے جو کہ یقیناً ملک کے لیے بہتر ثابت ہوگی۔

۹۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اولاد پر اس کا اثر ضرور ہوگا۔اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جس سے اولاد میں دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے۔جب بچوں کی ایسے ماحول میں زندگی پروان چڑھے گی تو ظاہر ہے کہ وہ بڑے ہوکر معاشرے میں دین کی خدمت کرنے کے

بجائے معاشرتی برائیوں کو اپنا لیں گے اور پھر اس کا نقصان ملک و قوم کو برداشت کرنا پڑے گا۔لہٰذا خواتین میں نیک اعمال کا جذبہ ہر ممکن طریقے سے پیدا کیا جانا چاہیے۔

۱۰۔ موجودہ دور میں اکثر مخلوط تعلیم کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ماحول کو خراب کرنے میں مخلوط تعلیم کا بھی بہت کردار ہوتا ہے۔ کیونکہ مخلوط تعلیمی اداروں میں بچوں کا ذہن پڑھائی میں کم اور شرارتوں میں زیادہ لگتا ہے۔اس لیے خواتین کی تعلیم کے لیے بہتر ہے کہ الگ تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں۔

۱۱۔ دنیا میں ترقی کرنے کے لیے ریسرچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ریسرچ چاہے دینی میدان میں ہو یا دنیاوی تعلیم میں ہو اس سے بے پناہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اور خواتین کی ترقی کے لیے ملک میں ویمن ریسرچ فورم کا قیام کرنا چاہیے۔

۱۲۔ دیگر علوم کی طرح خواتین کو چاہیے کہ وہ اسلام پر بھی ریسرچ کریں تا کہ ان کو صحیح معنوں میں اسلام سے آگاہی ہو تا کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت اسی ریسرچ کی بنا پر کریں۔اس سلسلے میں خواتین کو ہر صدی کی خواتین کی مذہبی خدمات کو مدنظر رکھ کر ریسرچ کرنی چاہیے۔

موجودہ دور کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اگر چہ آج کل کے دور میں دین اسلام اور خواتین کے حقوق پر بہت بحث و مباحثے کیے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حقوق نسواں کا بل ابھی اسمبلی میں پیش کیا گیا ہے لیکن یہ ساری باتیں صرف میڈیا کی حد تک ہیں یا پھر اسمبلیوں کے ٹیبل تک ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

اگر ہم معاشرے میں مثالی عورت کا کردار ادا کرنا چاہتی ہیں تو ہمیں ان صحابیاتؓ کے نقش قدم پر چلنا ہوگا اور اپنے آپ پر وہ تمام احکامات لاگو کر کے خود کو ایک مثالی نمونہ بنا کر معاشرے میں پیش کرنا ہوگا کیونکہ جب تک آپ خود کسی چیز پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو دوسرے کو ایسا کرنے کے لیے کیسے کہیں گے۔ صحابیات کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔وہ جو بھی حکم دیتی تھیں سب سے پہلے اس پر خود عمل کرتی تھیں لہٰذا اگر ہم اس بگڑے ہوئے معاشرے کے اندر تبدیلی لانا چاہتی ہیں تو ہمیں ان برگزیدہ خواتین کے رنگ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر رنگنا ہوگا، جس سے نہ صرف اس بگڑے ہوئے معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے جس سے نہ صرف خواتین کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں بلکہ دنیا و آخرت بھی سنور سکتی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک مجھے توفیق دے کہ میں خواتین کے لیے مزید کام کر سکوں اور اس معاشرے کو سنوارنے میں اللہ پاک میرا حامی و ناصر ہو۔آمین۔

خلاصہ بحث

انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا تو انہی کی پسلی سے انسانیت کی والدہ حضرت حوا علیہا السلام جلوہ فرما ہوئیں۔دوسرے الفاظ میں آپ حضرت آدم علیہ السلام کا جزو ٹھہریں واضح بات یہ ہے کہ جزو کی کل کے بغیر کوئی حیثیت نہیں اور کل بھی جزو کے بغیر نامکمل ہے لہذا دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ ظہور آدم سے تخلیق انسانیت کا آغاز ہوا او ر وجود حواء علیہا السلام سے انسانیت کی تکمیل ہوگئی ۔آدم علیہ السلام کی تنہائیوں کی بے قراریوں کو قرار مل گیا۔تنہا آدم علیہ السلام کی ناخوشگواریوں کو مجسم خوشگواری مل گئی یعنی

''وجودزن سے ہے بزم کائنات میں رنگ''

مرد کے لیے عورت کی کیا اہمیت رہی ہے؟ اس کا اندازہ تو اس بات سے ہوتا ہے کہ روئے زمین پر پہلا قتل بھی عورت کی وجہ سے ہوا۔نسل انسانی کی افزائش کا سلسلہ چلا تو مختلف تہذیبیں،قومیں اور ملک وجود میں آئے اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے انبیاء ورسل مبعوث ہوتے رہے۔قوموں کا عروج و زوال ہو یا انبیائے کرام علیہم السلام کی رشد و ہدایت کا سلسلہ کرۂ ارض کی انسانی تاریخ میں عورت کا تذکرہ ضرور ملے گا۔مختلف ادوار اور مختلف قوموں میں عورت کی اہمیت مختلف رہی ہے۔

ابتداء میں روم میں عورت کی حیثیت ایک غلام کی سی تھی ۔عورت کو قتل کرنا کوئی جرم نہیں تھا۔ عورتوں کی خرید وفروخت عام تھی ۔ایک عورت کے بیک وقت کئی خاوند ہو سکتے تھے۔البتہ روم میں ایک ایسا دور بھی آیا جب شادی کو باضابطہ قانون اور معاہدے کی شکل دی گئی ۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

قدیم یونان میں عورت کو کم درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔عورت کی ساری زندگی غلامی میں گزر جاتی تھی۔ بیوی کو غیر انسانی سزائیں دینا خاوند کا حق سمجھا جاتا تھا۔عورتوں کے مجسمے تیار کر کے بازار میں فروخت کیے جاتے تھے۔ یونانی دیو مالا میں عورتوں کو تمام مصیبتوں کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

قدیم ایران میں عورتوں کو مردوں کی جائیداد تصور کیا جاتا تھا۔ بیٹا ماں کے ساتھ ، بھائی بہن کے ساتھ، باپ بیٹی کے ساتھ شادی کر سکتا تھا۔ بیویوں کی دو قسمیں ہوتیں تھیں، پہلی وہ عورتیں جن کے

بطن سے پیدا ہونے والی اولاد اپنے والد کی جائیداد میں حصہ دار ہوتی تھی ۔دوسری وہ عورتیں جن کی اولاد باپ کی جائیداد سے محروم رہتی تھی۔

قدیم ہندوستان میں عورتوں کی خرید و فروخت جائز سمجھی جاتی تھی۔عورت شادی کے بعد مرد سے کسی صورت میں بھی علیحدہ نہیں ہوسکتی تھی ۔ خاوند کی وفات کے بعد خاوند کی چتا میں عورت کا زندہ جل جانا مذہبی اعتبار سے ضروری تھا۔ ماں اور بہن سے شادی کو جائز سمجھا جاتا تھا۔

قدیم عرب میں بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج تھا۔ نکاح اور شادی کا رواج نہیں تھا۔ عورتوں کو لونڈیوں کے طور پر گھروں میں رکھنے کی رسم عام تھی۔ ایک سے زیادہ لونڈیاں رکھنے پر فخر کیا جاتا تھا۔ دو حقیقی بہنیں بیک وقت ایک ہی مرد سے شادی کرسکتی تھیں ۔ باپ کی وفات کے بعد اس کی تمام بیویاں خود بخود وراثت میں بیویوں کی حیثیت سے بیٹوں کو مل جاتی تھیں۔اگر کسی مرد کے ہاں اولاد نہ ہوتی تو وہ اولاد حاصل کرنے کے لیے بیوی کو کسی دوسرے مرد کے پاس بھیج سکتا تھا۔

قدیم عیسائی مذہب میں بھی عورت کو تمام برائیوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے ۔ بائبل کے مطابق مرد کو عورت کے ہر فیصلے کو بدلنے کا حق حاصل تھا۔قدیم عیسائی تہذیب میں عورت کو اپنے خاوند سے طلاق حاصل کرنے کا اختیار نہ تھا اور شوہر کی وفات کے بعد بھی دوسری شادی کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

یہودی قانون کے مطابق اگر کسی خاندان میں مرد وارث موجود ہوتا تو عورت وراثت میں کسی چیز کی حقدار نہیں تھی ۔ خاوند کی وفات کے بعد عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی البتہ مرد ایک سے زائد شادیاں کرسکتا تھا۔

اسلام واحد مذہب ہے جس نے عورت کو مرد کے برابر مقام دیا ہے اور اسے مرد کے معاملات میں برابر کا شریک ٹھہرایا۔ اجر و ثواب ، جزاء و سزا، دین و دنیا کے سلسلے میں اسلام نے عورت اور مرد کو یکساں حیثیت دی ہے۔عورت اسی طرح ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کی پابند ہے جس طرح مرد۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے۔ دونوں کا مقصد حیات ایک ہے البتہ دونوں کی زندگی کے فرائض ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یہ اختلاف دونوں کی جنسی تخصیص کی وجہ سے ہے۔عورت کو ممتا کے جذبے سے سرشار، ماں کی محبت کے جذبے سے بھرپور، بہن کے جذبات سے سرشار اور بیوی کے فرائض سونپے گئے ہیں جبکہ مرد کو اس کی حفاظت اور اس کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے فرائض

سونپے گئے ہیں۔

اسلام نے عورت کو تحفظ دیا، حقوق دیئے، حیاء سے مالا مال کیا، معاشرے میں مقدس مقام دیا، شمع خانہ بنایا، بچوں کی تربیت کی قیادت سونپی، خاوند کا ہر انداز سے شریک حیات بنا کر محبت کی دنیا کی ملکہ بنا دیا۔اسلام نے آ کر اسے کیسی قاریہ، محدثہ، زاہدہ، ماں، بہن، بیٹی، بیوی، مجاہدہ اور کیسی عالمہ بنایا، حدیث و تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

افراد جب علم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں تو ماحول میں عزت پاتے ہیں، ان کی رائے کا احترام ہوتا ہے، ان سے مشورے لیے جاتے ہیں،طلباء علم حاصل کرنے لیے ان کے پیچھے بھاگتے ہیں، وہ فضاؤں پر چھا جاتے ہیں۔ان کی زبان موتی لٹاتی ہے۔ان کا قلم گلشن اگاتا ہے، ان کے نظریات بہاریں لاتے ہیں۔جب کوئی قوم علم کا تاج سر پر رکھ کر میدان عمل میں اترتی ہے تو زمین اس کے سامنے سکڑ جاتی ہے۔ بے علم قومیں ان کی غلام بن جاتی ہیں، سمندر ان کے مطیع ہو جاتے ہیں، ہوائیں انہیں اڑائے پھرتی ہیں، زمین اپنے خزانے ان کے سامنے اگل دیتی ہے، سمندر کی تہیں ان پر دولت کی بارشیں کرتی ہیں، وہ خدا کی مخلوق کے بلا شرکت غیرے حاکم بن جاتے ہیں۔

اسلام نے اسی لیے علم کے حصول پر بھرپور توجہ دینے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے''۔صفحات تاریخ گواہ ہیں کہ پہلی صدی ہجری کی خواتین علم کی فضیلت سے مزین تھیں اور ان کے علم سے بے شمار مرد اور لاتعداد خواتین بہرہ ور ہوئیں۔اس دور کی خواتین نے قرآن حکیم کے حصول کے بعد اسلام کے دوسرے مآخذ حدیث شریف، فقہ اور دیگر علوم سے عظیم اکتساب فیض کیا اور آگے چل کر لاتعداد خواتین و حضرات نے ان سے قرآن و حدیث کا فیض پایا۔

عالمہ و فاضلہ خواتین میں سے بہت سی ایسی ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا لہٰذا بہت سی ایسی حافظہ، قاریہ، مقرر اور مفسر خواتین پیدا ہوئیں جو اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھیں۔صحابیات ہمہ وقت اپنے دل کو اللہ سے لگائے رکھتیں اور کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرتی تھیں یہاں تک کہ اگر وہ گھر کا کوئی کام کررہی ہیں یا بچوں کو کھلا رہی ہیں تب بھی قرآن

کریم کی تلاوت سے غافل نہیں رہتی تھیں۔ بعض صحابیات نے تو اپنے گھر کے اندر ہی مسجدیں بھی بنا رکھیں تھیں جن میں بیٹھ کر وہ عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور ہر رات میں آدھا قرآن ضرور ختم کرتی تھیں۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا اور آخر زندگی تک رہا۔

علم حدیث میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علم حدیث کا موضوع دراصل ذات نبویؐ ہے اس لیے اس فن سے واقفیت سب سے زیادہ ان خواتین کو حاصل تھی جنہیں آپ ﷺ کا قرب سب سے زیادہ حاصل تھا چنانچہ ازواج مطہرات کو قدرتاً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے کیونکہ جتنا قریبی رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے اتنا کسی اور کا نہیں ہوتا۔ بیوی کو قلیل عرصے میں جتنا معلوم ہوتا ہے اتنا کسی احباب خاص کو برسوں میں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ علم و فضل کے اعتبار سے بڑے بلند مقام پر فائز تھیں۔ دینی مسائل دریافت کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ آپؓ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے آپؓ سے روایات نقل کی ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ میں سات عظیم المرتبت ہستیاں وہ ہیں جن سے ہزاروں کی تعداد میں احادیث رسول کریم ﷺ منقول ہیں لیکن ان میں بھی حضرت عائشہؓ تیسرے نمبر پر ہیں اور ان کی روایت کی گئی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔

حضورؐ کا سب زیادہ قرب حضرت عائشہؓ کو حاصل تھا۔ ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا اسی اثنا میں روزانہ حضورؐ ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے بعد چھ مہینے تک وہ البتہ دیدار نبوت سے محروم رہیں۔ اس وقت سے تا دم مرگ اس ذات اقدس سے الگ نہ ہوئیں۔ دوسرے ان کا حجرہ مسجد نبویؐ جو معلم نبوت کی درس گاہ عام تھا بالکل متصل تھا۔ اسی بنا پر ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا حریف نہیں۔

کثرت روایت میں حضرت عائشہؓ کا چھٹا نمبر ہے۔ حضرت عائشہؓ کے تلامذہ اور مستفیدین میں متعدد اکابر صحابہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت صفیہ بنت شیبہؓ اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰنؓ۔

حضرت عائشہؓ جو حدیثیں روایت کرتی ان کا پس منظر اور اسباب و علل بھی بیان کردیتیں جو

توجیہہ آپؓ کرتیں اسے باور کرنے کے لیے دور از کار تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی ۔ کورانہ تقلید کو آپؓ پسند نہ کرتیں۔ ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کی حقیقی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتیں جیسے جمعہ کے دن غسل والی حدیث ہے۔علمی حیثیت سے اگر چہ تمام ازواج مطہرات بلند مرتبہ تھیں تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا۔

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ان سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔ نبی کریمؐ کے نکاح میں آنے کے بعد سیدہ ام سلمہؓ نے ان کی قربت سے بہت فائدہ اٹھایا۔آپؐ کے ارشادات کو محفوظ کرتی رہیں اور علمی استفسارات کے ذریعے اپنا علم بڑھاتی رہیں پھر انہوں نے اس علم کی نشرو اشاعت بھی کی ۔علم حدیث میں ان کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین بھی شامل ہیں۔

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔امہات المومنین میں علم حدیث کے حوالے سے تیسرے درجے پر فائز تھیں۔ام حبیبہؓ سے ۶۵ احادیث مروی ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے کثرت کے ساتھ روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔انہوں نے ۵۸ اور بعض جگہ ۵۶ آیا ہے احادیث روایت کیں اور ان سے جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے روایت کیا۔حضرت حفصہؓ سے ۶۰ احادیث منقول ہیں جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔

ام عطیہؓ سے بھی چند احادیث مروی ہیں اور رسول کریمؐ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپؐ نے حضرت ام عطیہؓ سے کہا کہ میری صاحبزادی کو غسل دو۔

حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ نے حضرت عمرؓ سے ۱۲ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں چیونٹی کے کاٹے کی منتر والی حدیث مشہور ہے۔حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں۔علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بعض اوقات ان کے گھر آتے ، وضو کرتے ، نماز ادا کرتے ، کھانا کھاتے اور قدرے آرام کیا کرتے تھے۔ اس سے کئی شرعی

احکامات اس خاتون جنت کے علم میں آئے۔ کبار صحابہ کرامؓ اسی وجہ سے ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔مشاہدات اور احادیث سننے کا اکثر ان سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ سے بھی چند حدیثیں مروی ہیں۔ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے امت مسلمہ تک ان کے دینی و روحانی پیشوا محمد ﷺ کے اقوال و اشارات اور ان کی خانگی و عائلی زندگی کی تفصیلات پہنچانے کا کام پوری ذمہ داری اور کمال حزن و احتیاط سے انجام دیا۔ان کی بیان کردہ احادیث کی اہمیت اور عظمت کا اس امر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان سے احادیث بیان کرنے والے راویوں میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ،عبداللہ بن شدادؓ،عبدالرحمٰن بن سائبؓ اور عطاء بن یسارؓ جیسے جلیل القدر اور ثقہ افراد شامل ہیں۔

ویسے تو ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی بیان کردہ احادیث میں دین کی بنیادی تعلیمات اور احکام شریعت کے متعلق اتنا تنوع اور اتنی ہمہ گیری پائی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے اکثر شعبوں پر حاوی ہیں۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ حدیث نبوی کی حافظ تھیں۔ آستانہ نبوت میں عرصہ دراز تک رہنے کا موقع میسر آیا۔ حدیث رسولؐ کے جو الفاظ کان میں پڑتے انہیں زبانی یاد کرلیتیں۔مزید براں علم کے ساتھ انہیں بہت زیادہ شغف تھا اور دینی مسائل دریافت کرنے کے لیے سوالات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ خاص طور پر نبی کریم ﷺ سے مسائل دریافت کرنے کے سلسلے میں بڑی جرأت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انصاری خواتین میں انہیں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہے۔انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ۸۱ احادیث روایت کیں ہیں۔

حضرت اسماؓ سے جو احادیث مروی ہیں وہ تفسیر، اسباب نزول، احکام شمائل، سیرت اور فضائل پر مشتمل ہیں۔حرم نبوت میں رہنے کی وجہ سے حضرت سودہؓ شب و روز ارشادات ختم الرسل سے فیضیاب ہوتی تھیں لیکن کتب احادیث میں ان سے محض پانچ حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں جن کو بڑے سے بڑے جلیل القدر صحابہ نے ان سے روایت کیا ہے۔حضرت علیؓ بن ابی طالب ،حضرت حسنؓ،حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ،حضرت ام کلثومؓ،حضرت سلمیٰؓ ،حضرت ام رافع رضی اللہ عنہا اور حضرت انس بن مالکؓ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت ام ایمنؓ سے بھی چند احادیث مروی ہیں جو انہوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہیں۔

راویوں میں انس بن مالکؓ اور ابو یزید مدنی شامل ہیں۔حضرت ام الفضلؓ نے آنحضرت سے تیس (۳۰) احادیث روایت کی ہیں۔حضرت ام ہانیؓ سے چھیالیس (۴۶) احادیث مروی ہیں۔حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے ساٹھ (۶۰) احادیث مروی ہیں۔حضرت اسماء بنت عمیسؓ آنحضرتؐ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں۔حضورؐ نے مصیبت اور تکلیف کے وقت پڑھنے کے لیے ان کو ایک دعا بتائی تھی۔حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ، حضرت اسماء بنت یزیدؓ، حضرت ام حکیمؓ نے بھی آنحضرت ﷺ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔

دعوت و تبلیغ میں ام سلیمؓ کا نام سرفہرست ہے۔ان کی پہلی شادی مالک بن نضر سے ہوئی۔ حضرت انس بن مالک جن کا شمار اساطین امت میں ہوتا ہے، انہی سے پیدا ہوئے۔حضرت ام سلیمؓ نے قبول اسلام کے ساتھ ہی بیٹے کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔وہ انہیں کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائر اسلامی سکھاتی تھیں۔ان کے شوہر چونکہ آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے لیکن ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں۔اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

ابوطلحہ نے جب نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے یہ کہا کہ میں مشرک سے نکاح نہیں کرتی چونکہ ام سلیمؓ فصاحت و بلاغت میں کمال درجہ رکھتی تھیں، انہوں نے ابوطلحہ کے سامنے ایسی تقریر کی کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی ام سلیمؓ حق پر ہیں اور انہوں نے ام سلیمؓ کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا۔

بعض صحابیاتؓ نے تو صرف حضور ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اپنے قبیلے کو بھی مشرف بہ اسلام کیا۔عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی ام حکیم بنت حارث ابن ہشام نے اسلام اختیار کیا تو اس کا شوہر بھاگ کر یمن چلا گیا لیکن اس نے عورت ہونے کے باوجود ہمت نہ ہاری اور اس کی تلاش میں یمن پہنچی اور اسے واپس لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔بالآخر ان کی کوششوں سے عکرمہ اسلام لے آئے۔ام معبد فصاحت و بلاغت کی بدولت بہت مشہور ہوئیں اور اسی فصاحت و بلاغت کی بدولت وہ اپنے شوہر کو اسلام قبول کروانے میں کامیاب ہوئیں۔

جب رہبر کائنات ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا تو آپؐ نے دین سلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا، قبیلہ عامر بن لوی کی سب سے پہلی خاتون جو مشرف بہ اسلام ہوئیں وہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔حضرت سودہؓ نے نہ صرف خود دین اسلام قبول کیا بلکہ اس کی

اشاعت و تبلیغ میں بھی پورا کردار ادا کیا۔ آپؓ نے سب سے پہلے اپنے شوہر حضرت سکرانؓ بن عمرو کو دعوت اسلام دی، آپ ہی کی تحریک و ترغیب پر وہ مسلمان ہوئے۔حضرت سودہؓ نے دن رات پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اشاعت اسلام کے لیے کام کیا۔ آپ ہی کی کوششوں سے آپ کے میکے اور سسرال والوں نے دین اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

سقانہ بنت حاتم طائیؓ عدی کی بہن جب گرفتار ہو کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے اپنا تعارف اپنے باپ کے حوالے سے کرایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ اس کے بعد سقانہؓ کو آزاد کر دیا پھر ان کی سفارش پر ان کے قبیلہ کو بھی آزادی و رہائی ملی۔

سقانہؓ واپس آکر اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی اور شکایت کی کہ بہن کو چھوڑ کر چلے آئے اور ترغیب دی کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، میں نے ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا۔ آخر دونوں بہن بھائی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

ام شریک نے بھی دعوت و تبلیغ میں بہت مشکلات کا سامنا کیا۔کسی مشکل گھڑی میں ان کے قدم نہیں ڈگمگائے اور انہوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔حضرت سودہؓ کی کوششوں سے ۱۸ افراد مسلمان ہوئے۔حضرت عمرؓ بھی اپنی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت و تبلیغ پر مسلمان ہوئے۔

نکاح ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے مرد اور عورت دونوں خاندانی زندگی کی ذمہ داریاں اٹھانے کا عہد کرتے ہیں۔ مذہب اسلام ازدواجی زندگی اختیار کرنے کو لازمی قرار دیتا ہے کیونکہ یہ سنت رسولؐ ہے۔ چنانچہ سنت رسولؐ کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نکاح اسلام کے اصولوں کے مطابق کیا جائے۔صحابیات نے نکاح کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کیا ہے تاکہ سب کے لیے راہ ہدایت ثابت ہو۔

۱۔ اچھا نکاح وہ ہے جس میں مہر اور روٹی کپڑے کی مقدار کم ہو۔

۲۔ نکاح کرنے کے بعد اس کی شہرت کی جائے۔

۳۔ بہتر نکاح وہ ہوتا ہے جو مسجد میں کیا جائے۔

۴۔ نکاح کرنے کے بعد دف بھی بجانا چاہیے۔

۵۔ اسلام نکاح میں انتخاب نکاح کی آزادی دیتا ہے اور مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی یہ اختیار دیتا

ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نکاح کرے لیکن دونوں کا بالغ ہونا ضروری ہے۔

۶۔ نکاح میں حق مہر مرد کی استطاعت کے مطابق ہے لیکن سب سے زیادہ اچھا مہر وہ ہے جس کی مقدار کم سے کم ہو۔

۷۔ مرد کے نکاح میں ولی کی اجازت ضروری نہیں مگر عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

۸۔ خاندان کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے لیے دوران عدت بناؤ سنگھار اور نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۹۔ تین قسم کے رشتوں سے نکاح حرام ہے۔ ایک حقیقی رشتے، دوسرے رضاعت سے اور تیسرے حرمت مصاہرت سے نکاح حرام ہے۔

نکاح کے متعلق مزید معلومات صحابیاتؓ نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیاتؓ کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لیے صحابیاتؓ تقریباً ہر سال فریضۂ حج ادا کرتی تھیں۔

عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی تھیں۔ عرب میں ایک مدت سے مشرکانہ عقائد رائج تھے جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ قلوب میں راسخ ہو گئے تھے، لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا۔

اسلام نے ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے حقوق العباد کی پوری پوری تشریح فرمائی ہے تا کہ ہر شہری اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کی بھی ادائیگی کی فکر کرے تا کہ مسلم معاشرے میں کسی مقام پر بھی تصادم نہ ہونے پائے۔ معاشرے کا ایک اہم شعبہ عائلی زندگی یا ازدواجی زندگی کا ہے۔ اگر خاوند اور بیوی اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کریں تو اس معاشرے پر بہت مفید اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور آنے والی نسل بھی ملک وقوم کے لیے بہتر خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔

درحقیقت جو خاوند کے حقوق ہیں وہ بیوی کے فرائض ہیں۔ اسلام نے بیوی کو ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ بیوی کا اولین فرض شوہر کے مال واسباب کی حفاظت اور رضا جوئی کرنا ہے اور ہر معاملہ میں اپنے خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہے۔ اگر شوہر اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر بیوی اطاعت سے انکار کر سکتی ہے۔ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بیوی اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے۔

صحابیاتؓ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام جس میں اگرچہ کسی

دوسرے کا فائدہ ہورہا ہوتا تھا لیکن وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اسے اجازت نہ دیتی تھیں بلکہ ایسے مواقع پیدا کر دیتی تھیں کہ شوہر بھی ان سے خفا نہ ہوں۔صحابیاتؓ کا اپنے شوہروں کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر لمحہ ان کی خوشی کے لیے کوشاں رہتیں اور دکھ سکھ میں ان کی ڈھارس بندھاتی تھیں۔آخری وقت تک ان کی ہر آرزو پوری کرتی تھیں۔

اگر بیوی کے دل میں شوہر کی محبت نہ ہوتو اطاعت و فرمانبرداری،عزت و احترام اور خدمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ محبت کا جذبہ ہی ہوتا ہے جو کسی کو کسی کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ کرتا ہے۔اگر طرفین میں محبت نہ ہوتو خانگی زندگی پرسکون نہیں ہوسکتی جبکہ صحابیات کی اپنے شوہروں کے ساتھ محبت مثالی تھی۔

صحابیاتؓ اپنے شوہروں کی ہر طرح سے خدمت گزاری کرتی تھیں اور ان کے آرام وسکون کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ خاوند گھر سے باہر نان ونفقہ کا بندوبست کرتا ہے اور روزی کمانے کے لیے بڑی محنت ومشقت برداشت کرتا ہے، اس لیے اگر بیویاں شوہروں کے گھر آنے پر خدمت گزاری کریں گی تو ان کی ساری تھکن دور ہو جائے گی کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوں گی کہ خدمت و محبت لازم و ملزوم ہیں۔اگر خدمت ہوگی تو محبت خود بخود پیدا ہو جائے گی ۔ یہ خدمت ازدواجی زندگی میں سکون پیدا کرنے کا سبب بن جائیگی ۔وہی بیوی عزت ومحبت پاتی ہے جو زیادہ خدمت گزار ہوتی ہے۔

صحابیاتؓ اپنے بہن بھائیوں اور اولاد سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں مسلمان عورت بحیثیت بہن ایک ایسی ذات رکھتی ہے جو مسلمان کی صفوں میں وحدت پیدا کرتی ہے۔وہ اختلاف کو باٹتی ہے، وحدت عملی سے مسلمانوں کو سربلند کرنا چاہتی ہے۔ میدان جنگ میں ہے تو بہادروں کو درس شجاعت دیتی ہے،ضرورت پڑنے پر اسلحہ بند ہوکر میدان جہاد میں اترتی ہے اور بھوکی شیرنی کی طرح کافروں پر جھپٹتی ہے۔

اسے اپنے ماحول پر اتنی دسترس ہے کہ اس کی رائے کو بڑا وقیع سمجھا جاتا ہے۔ وہ تدبیر امور اس شاندار انداز سے کرتی ہے کہ ملت اس کے تدبر کو سلام پیش کرتی ہے۔وہ اپنے ماحول کو نورو ہدایت عطا کرتی ہے۔ اس کے نقوش پا سے راستے منور ہوتے ہیں۔ راہ حق میں اسلام کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے وہ ہر دکھ اور ہر مصیبت کو نہ صرف صبر بلکہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے۔وہ راہ حق میں قیمتی سے قیمتی مال نثار کردیتی ہے۔وہ اپنی جان بھی راہ خدا میں نچھاور کر دیتی ہے۔

صحابیاتؓ بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں۔صحابیاتؓ میں صدقہ وخیرات کا جذبہ بدرجہء اتم موجود تھا اگر چہ ان کے گھر کی معاشی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی، تنگی اور عسرت کی وجہ سے کئی پہروں گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔اس ضمن میں اپنی اور اپنے اہل بیت کی ضروریات کا خیال بھی نہ فرماتیں اور حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کر دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک فقیر مانگتا ہوا آیا۔آپ روزہ سے تھیں، گھر میں کچھ نہ تھا سوائے ایک روٹی کے۔آپ نے اپنی لونڈی سے کہا کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو۔وہ بولی ! آپ کے افطار کے لیے کچھ نہیں ہے۔آپ نے کہا دے دو۔لونڈی نے وہ روٹی فقیر کے حوالے کر دی۔شام کو ایک گھر سے بکری کے گوشت کا حصہ پکا ہوا آیا، حضرت عائشہؓ نے لونڈی کو بلا کر فرمایا ! کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

صلہ رحمی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔یہاں تک کہ پڑوسیوں کے گھر میں خود جا کر دیکھتیں کہ کوئی بھوکا تو نہیں ہے۔اگر معلوم ہو جاتا کہ کسی پڑوسی کے گھر کھانا نہیں پکا اور اپنے گھر میں کھانا موجود ہوتا تو سارا کھانا اٹھا کر انہیں دے آتیں، خود چاہے بھوکی ہی رہ جاتیں۔اگر اپنے گھر میں بھی کھانا نہ ہوتا تو اس بات پر دل گرفتہ ہو جاتیں۔

جہاد یا مقدس جنگ جسے اسلام میں افضل عبادت کہا گیا ہے کیونکہ جنگ فی سبیل اللہ لڑی جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظام زندگی میں انقلاب برپا کرنے اور اسلامی نظریہ کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لیے اٹھے تو اس کے قیام اور اس سربازی و جانثاری میں اس کی اپنی کوئی ذاتی و نفسانی غرض نہ ہو اور اس کا یہ مقصد نہ ہو کہ ایک بادشاہ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن جائے، بلکہ اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہو کہ بندگان خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظام زندگی قائم کیا جائے، اس کے معاوضہ میں اسے خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ مطلب نہ ہو۔

اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لیے ہو اور کوئی شخصی یا جماعتی غرض پیش نظر نہ ہو۔پس جہاد کے لیے فی سبیل اللہ کی قید اسلامی نقطہ نظر سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کی عورت اگر چہ اصولاً جہاد کے فریضہ سے مستثنیٰ ہے تاہم عندالضرورت وہ میدان جنگ میں جا کر زخمیوں کو سنبھالنے، ان کی مرہم پٹی کرنے، انہیں جنگ پر ابھارنے، ان کے لیے پانی یا دوسری اشیائے ضرورت مہیا کرنے کی خدمات انجام دے سکتی ہے۔

غزوۂ احد میں ام سلیمؓ اور عائشہؓ نے جس قدر بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑائی کے موقع پر اپنے مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر لاتیں اور اپنی قوم کو پلاتی تھیں۔مزید خواتین جنہوں نے غزوۂ احد میں زخمیوں کی دیکھ بھال کی ان میں ام عمارۃؓ اور ام سلیطؓ بھی تھیں۔غرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاد بالسیف ہو، دائمی جہاد ہو یا جہاد بالنفس ہر قسم کے جہاد میں صحابیاتؓ ہمیشہ پیش پیش رہتی تھیں۔

سخاوت اور ایثار و فیاضی میں بھی صحابیات ایک خاص اور نمایاں مقام کی حامل تھیں۔حتی المقدور غرباء کی مدد کرتی تھیں اور حاجت مندوں کے کام آنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔درہم و دینار سے انہیں قطعاً کوئی سروکار نہ تھا، جو کچھ ہاتھ آتا راہ خدا میں تقسیم کر دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں درہم و دینار سے بھری ایک تھیلی اپنے ایک خادم کے ہاتھ حضرت سودہؓ کی خدمت میں بھیجی تا کہ آپ اسے اپنے کام میں لے آئیں لیکن حضرت سودہؓ نے اس تھیلی میں سے ایک درہم یا ایک دینار بھی نہیں لیا بلکہ تمام نقدی غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ایثار کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔

صحابیاتؓ نے ذاتی طور پر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اس کی زیادتیوں کے بدلے بھی اس سے اچھا سلوک کریں۔ان کی اس روش سے زیادتی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی اس حرکت سے باز آ جاتا۔کسی برائی کو ختم کرنے کا اس سے زیادہ اچھا طریقہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو طوفان اٹھا تھا اس طوفان کی وجہ سے حضورؐ بے حد پریشان ہو گئے تھے اگرچہ انہیں اپنی لاڈلی بیوی پہ پورا اعتماد تھا لیکن اتنا شوروغوغہ تھا کہ ان سے رہا نہ گیا اور حضرت عائشہؓ کی سوکن زینبؓ بنت جحش کے پاس گئے تا کہ عائشہؓ کے متعلق پوچھ سکیں لیکن صحابیات کے دلوں میں بغض و عناد کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔

سوکن ہونے کے باوجود انہوں نے انصاف سے کام لیا اور فرمایا کہ میں تو عائشہؓ کو پاک دامن سمجھتی ہوں اور آپؐ کی بیبیوں میں میرے مقابل کی وہی تھیں مگر ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو بچائے رکھا۔اسی طرح کی کئی مثالوں سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابیات نے کبھی کسی مخالف سے انتقام نہیں لیا۔

اسلام نے اہل ایمان کو صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے۔ یہ وہ جوہر ہے کہ جس سے اسلامی

تعلیمات پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اگر صبر و استقلال کی صفات نہ ہوں تو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے۔صحابیات نے جس صبر و استقامت سے دشمنان اسلام کے مصائب و آلام کو برداشت کیا اور اپنے پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دی وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے اسلام کی خاطر اپنے عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑا پھر اپنے شوہر کی وفات کے بعد صبر و شکر سے کام لیا اور حضورؐ کی تلقین اور دعا پر عمل کیا۔خدا تعالیٰ نے ان کی سن کر ان کے عزم و استقلال کا بدلہ اس دنیا میں یہ دیا کہ ان کے پہلے شوہر سے بھی بہتر شوہر عطا فرمادیا۔

صحابیات نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ان کے زہد و تقشف کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک ہی موٹے کپڑے کا کرتہ تھا۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ وہ موٹے کپڑے کا کرتہ پہنے ہوئے تھیں جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی، انہوں نے فرمایا ذرا میری لونڈی کو دیکھو وہ یہ کرتہ گھر میں پہننے سے نخرہ کرتی ہے۔آنحضرتؐ کے زمانہ میں میرے پاس ایک ایسا ہی کرتہ تھا جس عورت کو مدینہ میں شادی بیاہ کے وقت سنوارنے کی ضرورت ہوتی تو یہ کرتہ مجھ سے مستعار منگوا لیتی۔

صحابیاتؓ کے گھروں میں دو دو ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا اور زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوتی تھی۔کبھی کہیں سے دودھ اور کھجوریں آجاتیں تو انہی پر گزارا کرتیں۔گھر کا کام کاج خود کرتیں، کھانا پکانے کے علاوہ کپڑے خود دھوتیں، گھر کو صاف ستھرا رکھتیں۔کبھی مرمت اور لپائی کی ضرورت پڑتی تو خود اپنے ہاتھ سے کرتیں۔اپنے کپڑوں کو رفو کرنا، پیوند لگانا اور سینا پرونا خوب جانتی تھیں۔

صحابیاتؓ اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپؐ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں اور ہر ممکن کوشش کرتی تھیں کہ حضورؐ کے احکامات کی پابندی کریں۔انہوں نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا اور ہر وہ کام کرتی تھیں جس کام میں حضورؐ کی رضامندی شامل ہو۔انسان خطاء کا پتلا ہے اگر کبھی کہیں بھول چوک ہو جاتی تو معافی مانگ لیتی تھیں اور آئندہ وہ کام نہ کرنے کا وعدہ کرتیں۔

پہلی صدی ہجری میں ایسی بہت ساری مزید خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے علم حدیث میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے۔سوال و استفسار کے ذریعہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت کیے جاسکتے تھے لیکن صحابہؓ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لیے کہ قرآن مجید میں سوال کی ممانعت

کر دی تھی۔ آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے لیکن صحابیات کا معاملہ اس کے برعکس تھا اس لیے کہ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان بھی نہیں کیے جا سکتے تھے۔ اس لیے صحابیاتؓ کو زیادہ تر آپؐ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی۔ چنانچہ اس طریقہ تعلیم سے صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے۔

یہ امر مسلم ہے کہ محرم اسرار دوست کی بہ نسبت بیوی بہت کچھ جان سکتی ہے۔ آنحضرتؐ ہمہ تن مثال اور اسوہ تھے۔ گویا آپؐ کا ہر فعل قانون تھا۔ اس بناء پر آپؐ کی بیویوں کو اس کے متعلق جس قدر ذاتی واقفیت کے ذرائع حاصل تھے، دوسروں کے لیے ناممکن تھے۔ متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بناء پر کوئی مسئلہ بیان کر دیا اور حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی وجہ سے اس کو رد کر دیا، آج تک ان مسائل کے متعلق حضرت عائشہؓ ہی کا قول مستند ہے۔ اس کے علاوہ دیگر صحابیات جن میں حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ بھی فقہ میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔

علم اسرار الدین میں بھی صحابیاتؓ اپنی مثال آپ رکھتی تھیں۔ اسرار شریعت کی سب سے زیادہ واقفیت ازواج مطہرات کو تھی اور انہوں نے ان سربمہر خزانوں کو سب سے زیادہ وقف عام کیا۔ صحابیاتؓ نے اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جب یہ عبادت کے لیے کھڑی ہوتیں تو ان کا چہرہ مبارک زرد ہو جاتا، آنکھیں آنسو برساتیں، دل خوف الٰہی سے کانپ جاتا، ان پر رقت طاری ہو جاتی اور کبھی آخرت کے خیال سے بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ فرماتی تھی کہ عبد ذلیل رب جلیل کی عظمتوں اور قدرتوں کی ہم سرائی کیسے کر سکتا ہے؟ اور کون ہے جو اس کی کہنہ جلال کا ادراک کر سکے یا اس کی نعمتوں کا احصاء کر سکے؟

وسیع و عریض کائنات کے رب الارباب کی ہمہ گیر قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے صحابیات کی روح سرشار ہو جاتی تھی اور وہ اپنے آپ کو ایک عاجز و کمتر انسان کی حیثیت سے پیش کرتی تھیں اور گڑگڑاتی ہوئی خدا سے معافی مانگتی رہتی تھیں۔

صحابیاتؓ فصاحت و بلاغت میں بھی کمال درجہ رکھتی تھیں کیونکہ حسن و جمال کے اوصاف ومحاسن کو جب شمار کیا جائے تو کلام کا حسن ان پر بازی لے جائے گا۔ اس لیے کہ حسن و جمال کے معنی کا پرتو صرف جسم ہوتا ہے جبکہ کلام کا حسن روح اور دل سے کشید ہوتا ہے۔ اپنی اسی فصاحت و بلاغت کی

بدولت خواتین اسلام نے دعوت و تبلیغ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ پہلی صدی ہجری کی دینی خدمات رہتی دنیا تک ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ اگر ہم ان پر عمل کریں تو نہ صرف دنیا میں ہم مثالی عورت کہلائیں گی بلکہ آخرت میں بھی ہمارا درجہ بہت بلند ہوگا۔ اللہ ہمیں ان احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کتابیات

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ابن جعفر محمد بن جریر الطبری، علامہ، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی، سٹریچن روڈ، کراچی، س ن

۳۔ ابن ہشام، سیرت النبیؐ کامل، مترجم: مولانا عبدالجلیل صدیقی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور س ن

۴۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث البجستانی، سنن ابو داؤد، تاجران کتب، قرآن محل، کراچی، ۱۹۸۷ء

۵۔ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، مؤطا امام محمد، کراچی: تاجران کتب قرآن محل، س ن

۶۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر نسائی، سنن نسائی، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، س ن

۷۔ ابی نعیم الاصبہانی احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن مہران، معرفۃ الصحابۃؓ، تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مسعد، عبدالحمید السعدنی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، س ن

۸۔ ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، الدکتور عبدالمعطی قلعجی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۷۱ء

۹۔ احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، تحقیق: محمد سعید العریان، دارالمفکر، س ن

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۱۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی، تاریخ اسلام، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، س ن

۱۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی، س ن

۱۳۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، تحقیق: منیر احمد سلفی، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس پاکستان، ۱۹۸۱ء

۱۴۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، نور محمد اصح، جامع ترمذی، المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، س ن

۱۵۔ امام بخاری، الادب المفرد، نفیس اکیڈمی، بالمقابل سٹریٹ، کراچی، س ن

۱۶۔ امام حافظ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعی، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، مترجم محمد اصغر مغل، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، س ن

۱۷۔ امام حافظ عماد الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، س ن

۱۸۔ امام محمد غزالی، احیاء العلوم، دارالاشاعت، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، ۱۹۷۸ء

۱۹۔ امام محی الدین ابی زکریا بن شرف نعمانی، ریاض الصالحین، ترجمہ: مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی، تاجران کتب، قرآن محل، کراچی، س ن

۲۰۔ امام ابی الحسن علی بن محمد الجزری ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ، تحقیق: شیخ خلیل مامون، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، س ن

۲۱۔ بہاؤالدین محمد ابن حسین العاملی، الکشکول، تحقیق: عبدالکریم النمری، بیروت، دارالکتب رحیمیہ، ۱۹۹۸ء

۲۲۔ پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ

۲۳۔ جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، دائرہ المعارف العثمانیہ القائمۃ بمدینۃ، حیدر آباد دکن ۱۳۵۶ھ

۲۴۔ حافظ ابن قیم، علامہ، زاد المعاد، مترجم: محمد رئیس احمد جعفری، کراچی: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ، ۱۹۷۵ء

۲۵۔ حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن الیعمری، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: محمد العید الخطراوی، محی الدین مستو، المدینۃ المنورۃ: مکتبہ دارالتراث، ۱۹۹۴ء

۲۶۔ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی الندری، حافظ، البشیر والنذیر، "الترغیب والترہیب" ترجمہ: مولانا محمد عثمان، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۵ء

۲۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا، المرتضٰی کرم اللہ وجھہ، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور، ۱۹۹۸ء

۲۸۔ سید ابو الاعلی مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۱ء

۲۹۔ سیدہ اشرف ظفر، ڈاکٹر، الفاطمہ رضی اللہ عنہا، غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۲ء

۳۰۔ سیدہ زینب بنت علی فواز، الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور، تحقیق: محمد امین ضناوی، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۹ء

۳۱۔ شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب المغیری، نہاءۃ العرب فی فیوز العرب، تحقیق: مفید کمیہ، بیروت: دارالکتب رحیمیہ، ۲۰۰۴ء

۳۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن
۳۳۔ شبلی نعمانی، علامہ، سید سلیمان ندوی، علامہ، سیرت النبیؐ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۲ء
۳۴۔ شبیر احمد عثمانی، تفسیر حقانی، دارالاشاعت، کراچی، س ن
۳۵۔ شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب نعمانی، اکمال فی اسماء الرجال، کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ن
۳۶۔ ظہور الباری اعظمی، مولانا، تفہیم البخاری، حذیفہ اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور، س ن
۳۷۔ عبدالملک بن حسین بن عبدالملک الشافعی، سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، تحقیق: عادل احمد بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۸ء
۳۸۔ عبدالرحمٰن صاحب جامی نقشبندی، مولوی، نفحات الانس، مترجم: مولانا حافظ سید احمد علی صاحب چشتی نظامی، کشمیری بازار، لاہور، س ن
۳۹۔ علی بن برہان الدین حلبی، علامہ، غزوات النبی، ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی، ترتیب، مولانا محمد زکریا اقبال، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، س ن
۴۰۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، علامہ، تفسیر مظہری، سعید ایم ایچ کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، ۱۹۷۹ء
۴۱۔ مالک بن انس، مئوطا امام مالک، ترجمہ: وحید الزمان، علامہ، کراچی: ایجوکیشنل پریس، س ن
۴۲۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء
۴۳۔ محمد اسلم قاسمی، مولانا، اُم السیر مع اضافات سیرۃ حلبیہ، محمد طیب دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۹ء
۴۴۔ محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، تحقیق: الدکتور مارسدن جونس، مطبعۃ جامعۃ آکسفورڈ، س ن
۴۵۔ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۲ء
۴۶۔ محمد بن عبداللہ الخطیب الطبریزی، مشکوٰۃ شریف، مترجم: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تاجران کتب، قرآن محل، کراچی، س ن
۴۷۔ محمد طفیل، نقوش رسول ﷺ، فروغ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۴ء
۴۸۔ محمد عبدالحلیم چشتی، مولانا، مسند ابو داؤد طیالسی، ادارۃ القرآن پرنٹنگ پریس، کراچی، ۱۹۹۱ء
۴۹۔ محمد علی دولۃ، قصص من حیاۃ الرسولؐ و اصحابہؓ، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۲ء

۵۰۔ مسلم بن حجاج، صحیح المسلم، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی، س ن

۵۱۔ نواب وحیدالزمان، مولانا، بتویب القرآن، ادارہ محمدیہ، نشتر روڈ، لاہور، س ن

۵۲۔ وحیدالدین خان، مولانا، تذکیرالقرآن، فضلی سنزلمیٹڈ، کراچی، س ن